منتخب عالمی افسانوں کے اُردو تراجم

خُدا کے نام خط

مترجم: عقیلہ منصور جدون

منتخب عالمی افسانوں کا اردو ترجمہ

خدا کے نام خط

مترجم: عقیلہ منصور جدون
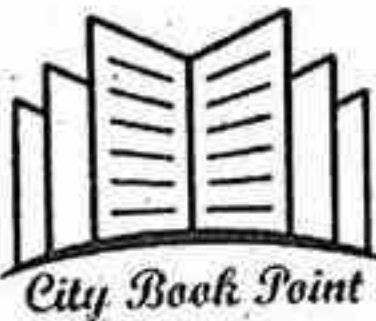
Naveed Square. Urdu Bazar. Karachi
Ph # 021-32762483
E-mail: citybookurdubazaar@gmail.com
City Book Point

ادارہ City Book Point کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ ہمارے ادارے کے پیش نظر صرف تحقیقی کتب کی اشاعت ہے۔

کتاب : خدا کے نام خط

مترجم : عقیلہ منصور جدون

تعداد : 500

سن اشاعت : 2022ء

قیمت : 600 روپے

انتساب

اپنی بہن فوزیہ جدون کے نام
جس نے قلم پکڑنا اور لکھنا سکھایا

ترتیب

پیش لفظ

ادبی تحریروں کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ایک دشوار کام ہے۔خاص طور پر ناول اور افسانے کا۔

افسانہ نگار نے ایک بلکل مختلف کلچر کی جس طرح تصویر کشی کی ہو اسے اپنی زبان میں منتقل کرنا انتہائی مہارت اور ذہانت کا متقاضی ہوتا ہے۔اچھے ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ اصل تحریر کے لوکیل (locale) کی تہذیب وثقافت، رسوم ورواج اور زبان کی نزاکتوں اور محاوروں کو اچھی طرح سمجھا جائے۔اور اپنی زبان میں اسی طرح بیان کیا جائے کہ وہ اصل متن سے بھی قریب تر رہے اور اپنی زبان میں بھی اجنبی اور اوپرانہ لگے۔

عقیلہ منصور جدون ادب کی دنیا میں اپنی پہچان بنا چکی ہیں۔انہوں نے ملک کی مختلف زبانوں کی متنوع کلچر والی کہانیوں کے عمدہ ترجمے کئے ہیں۔اب انہوں نے غیر ملکی افسانوں کے ترجمے کا نسبتاً مشکل راستہ اختیار کیا لیکن کامیاب ٹھہری ہیں۔

فکشن کے وسیع مطالعے اور سماجی، اقتصادی اور سیاسی معاملات پر گہری نظر نے عقیلہ کے لئے یہ کام خاصا سہل بنا دیا۔انہیں الفاظ کے چناؤ کا سلیقہ بھی ہے اور کہانی کہنے کا قرینہ بھی۔سو ان افسانوں کا ترجمہ اس خوبی اور مہارت سے کیا ہے کہ پڑھتے ہوئے ترجمے کا احساس بہت کم ہوتا ہے۔اور یہ جنل تخلیقات ہی لگتی ہیں۔

عقیلہ نے ایسے افسانوں کا انتخاب کیا ہے جو ان ملکوں کے اجتماعی، معاشرتی رجحانات

،رویوں اور مسائل کا پتہ دیتے ہیں۔ انہیں پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کے ہر کونے میں لوگ کچھ ملتا جلتا ہی سوچتے ہیں۔ مسائل ایک دوسرے سے الگ سہی لیکن خواہشات اور آئیڈیلز یکساں ہی ہیں۔

اس کتاب میں گہرے فلسفے اور بھاری بھرکم نظریات سے بوجھل افسانے نہیں ،دل کو چھونے اور ذہن کو جگانے والی کہانیاں ہیں۔ چیخوف کی 'غنودگی' اور ذائقہ کی 'ہمنوا لڑکی'، موپساں کی 'دو دوست'، منزوکی 'قصہ گو'، پیڈروا ے ڈی الارکن کی 'راہبہ' سب احساسات میں ارتعاش پیدا کرتی ہیں۔

میں عقیلہ منصور جدون کو شاندار انتخاب اور عمدہ ترجمے پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔

مسرت کلانچوی

تعارف کتاب

محترمہ عقیلہ جدون نے مختلف تاریخی ادوار اور ممالک کے افسانہ نگاروں کے چیدہ چیدہ افسانوں کا انتخاب "خدا کے نام خط" کے عنوان سے اردو قالب میں ڈھالا ہے۔ان افسانہ نگاروں میں فرانس کے موپاساں، روس کے چیخوف اور ارجینٹینیا کے خورخے لوئیس بورخیس جیسے شہرۂ آفاق افسانہ نگار شامل ہیں، اور ایسے بھی جو اردو قارئین کے لیے نئے ہونے کی وجہ سے باعث دلچسپی ہو سکتے ہیں۔ جیسے چینی زبان کی نسبتاً کم عمر افسانہ نگار ربی یوآن لی جو اس وقت امریکا میں مقیم ہیں اور چینی معاشرے کے ان پہلوؤں اور کرداروں کو پیش کرتی ہیں جو مین اسٹریم چینی افسانہ نگاروں کے ہاں مشکل سے نظر آئیں گے۔ تاہم ان تمام افسانوں میں ایک حسن مشترکہ ہے اور وہ ہے ترجمہ نگاری کا ذوق انتخاب اور حسن ترجمہ۔ ان تراجم کو قاری روانی اور دلچسپی سے پڑھتے ہوئے افسانوں کی تکنیک کے ساتھ ساتھ کرداروں کی نفسیاتی کیفیات کو نہ صرف بخوبی سمجھ سکتا ہے بلکہ ان کے ساتھ انسانی سطح کی جڑت بھی محسوس کرسکتا ہے۔ یہ کہ انسانوں کے دکھ، مسائل اور چھوٹی چھوٹی خوشیاں کبھی بھی اور کہیں بھی کم وبیش ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ترجمہ نگاری پل بنانے اور کھڑکیاں کھولنے کا کام ہے۔ ذرا سوچیے، انسانی زندگی پلوں اور کھڑکیوں کے بغیر کتنی محدود اور کتنی محبوس ہوتی۔ جب کہ یہ تراجم ہی ہیں، جنھوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور علمی ترقیات کو تبادلے کے ذریعے پروان چڑھایا اور اجتماعی انسانی تہذیب کی آبیاری کی۔ البتہ ترجمے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ یہ کہنا بھی لازم ہے کہ ترجمہ نگاری بالخصوص ادبی نگارشات کا ترجمہ کرنا تخلیق سے کہیں بڑھ کر مشکل کام

ہے۔اس کے لیے جہاں دو زبانوں پر مکمل عبور درکار ہے وہیں ادیب اور ادبی تخلیق کے تاریخی، ثقافتی، پس منظر سے آگاہی بھی ضروری ہوتی ہے۔اس صلاحیت کی مدد سے ترجمہ نگار بہترین متبادل لفظ یا محاورے کا استعمال کر سکتا ہے۔

اس مجموعے میں شامل زیادہ تر افسانے انگریزی زبان سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔یوں یہ براہِ راست نہیں بالواسطہ تراجم ہیں۔پاکستان میں چونکہ ایسا کوئی ادارہ نہیں جو بڑے پیمانے پر براہِ راست تراجم کے لیے ماہرین لسانیات کی خدمت حاصل کرتا ہو، تو ایسی صورت میں ترجمہ نگاروں کی ذاتی سطح پر بالواسطہ تراجم کی کاوشیں سراہے جانے کے لائق ہیں۔

مجھے امید ہے عقیلہ منصور جدون کی ادبی تراجم کی پہلی کاوش "خدا کے نام خط" جب محتاط پروف ریڈنگ کے بعد آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گی تو آپ کے ذوقِ مطالعہ کی تسکین اور وسعتِ مطالعہ کا باعث ضرور بنے گی۔

ڈاکٹر کوثر جمال

سڈنی آسٹریلیا

تعارف، مصنف: گی۔ڈی موپساں کا تعارف

گی ڈی موپساں انیسویں صدی کا فرانسیسی مصنف ہے ۔وہ افسانہ نویسی/ Short stories کا ماہر مانا جاتا تھا۔اس نے انسانی زندگی،اس کے مقاصد اور سماجی و معاشرتی رویوں پر لکھا۔وہ پانچ/5اگست 1850 کو فرانس میں پیدا ہوا۔اس کی زیادہ تر کہانیوں کا پس منظر 1870 میں فرانس اور جرمنی کے درمیان لڑی گئی جنگ ہے۔جن میں جنگ کی بے مقصدیت اور معصوم شہریوں کی اذیت جس میں ان کی کوئی شمولیت نہیں تھی کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس کا ثبوت اس کا افسانہ "سفاک ماں" ہے جو نہ صرف قابض فوج کے خلاف نفرت بلکہ قابض فوج کے مرنے والے سپاہیوں اور ان کے وارثان کے لیئے رحم،ترس، کے جزبات کا مظہر ہے۔

اس کے والدین خوشحال بورژوا خاندان سے تھے۔جب وہ گیارہ سال کا اور اس کا بھائی پانچ سال کا تھا تو اس کی والدہ جو آزاد ذہن کی عورت تھی نے اس کے باپ سے اس کے تشدد آمیز رویے کی وجہ سے سماجی رسوائی کا خطرہ مول لیتے ہوے،قانونی علیحدگی حاصل کی۔تیرہ سال کی عمر تک وہ ماں کے ساتھ خوش وخرم رہا۔بعد میں والدہ نے دونوں بھائیوں کو ایک پرائیویٹ سکول میں ڈے-بورڈر(جہاں بچہ پورا دن گزارتا لیکن رات گھر پر گزارتا) کے طور پر داخل کروا دیا۔ 1867 میں جب وہ جونیئر ہائی سکول میں داخل ہوا تو والدہ کے اصرار پر گستیو فلابر(فرانسیسی ناول نگار) سے جان پہچان پیدا کی۔گستیو فلابر نے اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔یہیں اس کی ملاقات فرانسیسی ناول نگار ایملی زولا اور روسی ادیب ایوان ترگنیف سے ہوئی۔اپنی کالج سے گریجویشن کے

فوراً بعد جب جنگ شروع ہوئی تو وہ پیرس منتقل ہوگیا۔ وہاں دس سال نیوی ڈیپارٹمنٹ میں بطور کلرک کام کرتا رہا۔ اس دوران جو معاشرے میں پھیلی غربت اس نے دیکھی اس نے اس کی "میرے انکل جوزف" جیسی کہانیوں کا مواد فراہم کیا۔ اس کے اپنے مشاغل جیسے نشانہ بازی، کشتی رانی اور ماہی گیری کے تجربات نے اس سے "دو دوست" اور "مکھی / Mouche" جیسی کہانیاں تخلیق کروائیں۔ 1880 سے لے کر 1891 تک کا عرصہ اس کی ادبی زندگی کا زرخیز ترین عرصہ تھا۔ اس نے کل تین سو افسانے، چھ ناول اور تین سیاحت نامے لکھے۔ 1889 میں اس کے دوستوں کو یقین ہونے لگا کہ موپساں کا ذہنی توازن خطرے میں ہے۔ 1891 کے آخر میں اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ وہ پاگل ہونے لگا ہے، جس کے کچھ دنوں بعد اس نے خودکشی کی کوشش کی۔ اسے ڈاکٹر Blanche کے دارلاماں واقع پیرس میں داخل کروا دیا گیا۔ جہاں وہ جولائی 1893 میں بیالیس سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔

○

سفاک ماں

(Mother Savage)

میں پندرہ سال بعد موسم خزاں میں شکار کھیلنے کے لیے ویرلون واپس آیا۔اپنے دوست سرول کے ہاں قیام کیا۔اس نے اپنی گاؤں والی حویلی جسے پروشیائی تباہ کر گئے تھے دوبارہ تعمیر کرلی تھی۔

میں اس علاقے کا دلدادہ تھا۔دنیا میں کچھ جگہیں ایسی دلکش ہوتی ہیں،جو آنکھوں کے لئے نفسانی کشش رکھتی ہیں۔ان سے انسان جسمانی محبت محسوس کرتا ہے۔ہم جیسے لوگ جو دیہاتی علاقوں سے خاص انسیت رکھتے ہیں،کی یادداشت میں مخصوص بہاریں،مخصوص جنگل،مخصوص تالاب، مخصوص پہاڑ محفوظ ہوتے ہیں۔جن سے ہم آگاہ رہتے ہیں۔جو ہمارے دلوں کو کسی خوشگوار دن کے ساتھ جوڑے رکھتے ہیں۔کبھی کبھار،ہم ذہن کے جھروکوں سے کسی جنگل کے بیچوں بیچ کسی مرغزار یا دریا کنارے کوئی جگہ یا پھر کسی پھولوں سے بھرے باغیچے کی جھلک دیکھ پاتے ہیں لیکن وہ ہمارے دلوں میں ان تصاویر کی طرح نقش ہوتے ہیں جو ہم کسی بہار کی صبح کسی عورت کو شوخ و شنگ کپڑے پہنے دیکھتے ہیں تو ہمارے جسم و جاں میں ناقابل فراموش خواہشات کے ساتھ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کی خوشی ہمارے پاس سے گزری ہے۔

ویرلون کے پورے علاقے سے مجھے محبت تھی جہاں چھوٹے چھوٹے جنگل بکھرے پڑے تھے۔نہریں خون کی شریانوں کی طرح ایسے بچھی تھیں جیسے زمین کو خون پہنچا رہی ہوں۔ہم ان نہروں میں جھینگا،ٹراؤٹ اور بام مچھلی پکڑتے ہوئے آفاقی خوشی محسوس کرتے۔بعض جگہوں پر ہم نہا بھی لیتے۔کبھی چھوٹے ندی نالوں کے کنارے اگی لمبی لمبی گھاس میں (snipe / چہا) پرندے مل جاتے۔

میں بکری کی سی نرم چال سے اپنے دونوں کتوں پر نظر رکھے ہوئے، جو میرے آگے ادھر ادھر ہو رہے تھے، چل رہا تھا۔ سرول میری داہنی طرف سو گز کے فاصلے پر لوسن/ سبز چارے کے کھیت میں تھا۔ میں جھاڑیوں کے گرد چکر لگا کر اسکی طرف بڑھا۔ یہ جھاڑیاں سو در یس جنگل کے کنارے اگی ہیں۔ یک دم مجھے ایک جھونپڑی/ کاٹیج کے کھنڈر نظر آئے۔

مجھے یاد آیا کہ 1869 میں جب آخری بار میں نے اسے دیکھا تھا صاف ستھری انگوروں اور جوزوں سے بھری تھی۔ منحوس کھنڈر نما مردہ گھر جس کا صرف ڈھانچہ بچا تھا دیکھنا انتہائی افسوس ناک تھا۔

یاد آیا، ایک دن جب میں بہت تھکا ہوا تھا تو ایک عورت نے اس جگہ مجھے انگوروں کا شربت پلایا تھا۔ سرول نے بعد میں مجھے یہاں رہنے والوں کے بارے میں بتایا تھا۔ باپ ایک بوڑھا شکاری (غیر قانونی) جسے ایک سپاہی نے مار ڈالا تھا۔ بیٹا جسے میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا، ایک لمبا ترنگا جوان جو باپ ہی کی طرح سنگدل شکاری تھا۔ لوگ اس خاندان کو سفاک/ سنگدل خاندان کہتے تھے۔

میں نے سرول کو پکارا۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا میرے پاس آیا، میں نے اس سے اس جگہ کے رہائشیوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے یہ کہانی سنائی۔

جب جنگ شروع ہوئی تو جوان سفاک جو اس وقت تینتیس سال کا تھا ماں کو گھر پر اکیلا چھوڑ کر فوج میں بھرتی ہو گیا۔ لوگ بوڑھی اماں کے لئے پریشان نہیں ہوتے تھے کیوں کی وہ جانتے تھے کہ اس کے پاس روپیہ پیسہ ہے۔ وہ گاؤں سے دور جنگل کے کنارے اس الگ تھلگ گھر میں اکیلی رہتی تھی۔ لیکن وہ ڈرتی نہیں تھی اور نہ ہی کبھی خوف زدہ ہوئی۔ وہ بھی اپنے مردوں کی طرح سخت جان تھی۔ لمبی پتلی بوڑھی عورت جو کبھی کبھار ہنستی، اس کے ساتھ کوئی ہنسی مزاق نہیں کرتا تھا۔ ویسے بھی دیہاتی عورتیں کم ہی ہنستی ہیں۔ مرد زیادہ ہنستے ہیں۔ عورتوں کی زندگی خشک اور مشکل تھی، جس کی وجہ سے ان کی روح افسردہ اور اذیت میں رہتی۔

کسان شراب خانوں سے شور شرابا اور خوش دلی سیکھ لیتے، لیکن کسان کی بیوی سنجیدہ اور سخت تاثرات لئے ہوتی۔ ان کے چہرے کے عضلات ہنسنے کی حرکت سے ناواقف رہتے۔

سفاک اماں اپنی زندگی معمول کے مطابق گزارتی رہی۔ جلد ہی برفانی موسم آگیا۔ وہ ہفتے میں ایک دن گاؤں گوشت اور روٹی لینے آتی اور پھر واپس چلی جاتی۔

کہا جاتا تھا کہ اس علاقے میں بھیڑیے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ باہر نکلتے وقت

بندوق کندھے کے ساتھ لٹکا لیتی۔ بندوق اس کے بیٹے کی تھی، زنگ آلود، مسلسل استعمال سے گھسا ہوا دستہ۔ وہ عجیب وغریب دکھائی دیتی۔ لمبی بوڑھی عورت مگر کچھ جھکی ہوئی برف پر آہستہ آہستہ چلتی، سر کے سفید بالوں کو جو کبھی کسی نے نہ دیکھے تھے، کالے کپڑے سے سختی سے کس کر باندھے ہوتے۔ بندوق کی نالی سر سے اوپر اٹھی ہوتی۔

اور پھر ایک دن پروشیائی آ گئے۔ انہیں مقامی آبادی پر ان کے ذرائع آمدن کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا۔ بوڑھی عورت چونکہ خوشحال مشہور تھی، چار سپاہی اس کی رہائش گاہ پر بھیجے گئے۔ وہ گوری چمڑی، سفید داڑھی، نیلی آنکھوں والے ہٹے کٹے جوان تھے۔ جنگی مصیبتیں جھیلنے کے باوجود فربہ تھے۔ مفتوحہ علاقے میں رہتے ہوئے بھی خوش اخلاق تھے۔ بوڑھی عورت کے ساتھ ان کا رویہ ہمدردانہ تھا۔ جتنا ممکن ہوتا اس کی محنت اور تھکاوٹ کو بانٹنے کی کوشش کرتے۔

روزانہ صبح وہ قمیض پہنے کنوئیں پر نہاتے۔ سفید چمکتی برف کے باوجود اپنے سفید گلابی بدن پر پانی پھینکتے، جبکہ سفاک اماں ادھر ادھر ہوتی رہتی ان کے لئے سوپ تیار کرتی۔ جس کے بعد وہ جوان کچن کا فرش صاف کرتے، فرش پالش کرتے لکڑیاں کاٹتے، آلو چھیلتے، کپڑے دھوتے تقریباً گھر کا ہر کام کرتے بلکل ایسے جیسے چار اچھے بیٹے اپنی ماں کی مدد کر رہے ہوں۔ لیکن بوڑھی عورت ہر وقت اپنے لمبے دبلے پتلے طوطے جیسی ناک، براؤن آنکھوں، گھنی مونچھوں جو اسکے اوپر والے ہونٹ کو چھپائے رکھتیں اور کالے بالوں والے اپنے بیٹے کے بارے میں سوچتی رہتی۔

روزانہ وہ چولھے کے ارد گرد بیٹھے چاروں سپاہیوں سے پوچھتی، کیا تمہیں معلوم ہے فرانسیسی رجمنٹ 23-انفینٹری جس میں میرا بیٹا ہے کہاں ہے؟۔

ان کا جواب ہوتا،" نہیں ہمیں نہیں معلوم، ہمیں کچھ پتہ نہیں"۔

اس کا دکھ سمجھتے کہ ان کی اپنی مائیں گھروں میں ان کا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ اس کے لیے بے شمار چھوٹی موٹی خدمات سرانجام دیتے۔ وہ خود بھی اپنے ان دشمنوں کو پسند کرتی کیونکہ کسان بہت کم نفرت بوجہ حب الوطنی کرتے تھے۔ یہ اونچے طبقے کے لوگوں کا استحقاق ہے؟ عاجز، مسکین لوگ ہی زیادہ نقصان اٹھاتے۔ سارا بوجھ ان پر پڑتا۔ وہی مرنے کے لیے آگے دھکیلے جاتے۔ تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے وہی توپ کا چارہ بنتے۔ کمزور ہونے کے باعث دنیا میں سب سے زیادہ یہی لوگ جنگ کی سختیاں برداشت کرتے۔

وہ ہیجان انگیز تحاریک، عزت وغیرت کی حساسیت اور نام نہاد سیاسی حکمت عملی جو چھ

مہینے میں دونوں قوموں فاتح اور مفتوح کو تھکا دے، کو سمجھنے سے قاصر تھے۔

لوگ سفاک اماں کے جرمنوں کے بارے میں کہتے، "بلا شبہ ان چاروں کو آرام دہ رہائش ملی ہے۔"

ایک صبح جب بوڑھی عورت گھر میں اکیلی تھی۔ اس نے دور میدان میں ایک شخص کو اپنے گھر کی طرف آتے دیکھا۔ جلد ہی وہ اسے پہچان گئی۔ اس شخص کی نوکری لوگوں کو خط پہنچانا تھا۔ اس نے بڑھیا کو تہ کیا ہوا کاغذ پکڑایا۔ وہ اپنی سلائی والی عینک نکال کر پڑھنے لگی۔

مادام سفاک! آپ کو ایک افسوسناک خبر پہنچانی ہے۔ آپ کا بیٹا وکٹر کل توپ کا گولہ لگنے سے مر گیا۔ گولے نے اسے دو حصوں میں کاٹ دیا۔ میں نے بہت قریب سے یہ سب دیکھا، کیونکہ ہم کمپنی میں ساتھ ساتھ تھے۔ اس نے مجھے کہہ رکھا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو جائے تو میں آپ کو اطلاع کر دوں۔ میں نے اس کی گھڑی اس کی جیب سے نکال لی تاکہ جنگ کے اختتام پر آپ کو پہنچا دوں۔

آداب

Cesair Rivot پرائیویٹ انفینٹری-3

خط پر تین ہفتے قبل کی تاریخ درج تھی۔

وہ بالکل نہ روئی شدید صدمے سے حواس باختہ ساکت و جامد کھڑی رہی۔ اسے دکھ اور غم کا احساس تک نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا: "یہ وکٹر تھا جو چلا گیا اور مار دیا گیا" پھر آہستہ آہستہ آنسو اس کی آنکھوں میں امڈ آئے۔ اس کا دل غم اور دکھ سے بھر گیا۔ ایک ایک کر کے خیال آنے لگے ،خوفناک اور ازیت ناک خیالات۔ وہ کبھی اس کا بوسہ نہیں لے سکے گی۔ سپاہی نے باپ کو مار دیا، پروشیائیوں نے بیٹے کو مار دیا۔ وہ توپ کے گولے سے دو حصوں میں کٹ گیا۔ اسے لگا وہ یہ سب ہوتا دیکھ رہی ہے۔ کھلی آنکھیں، گرتا ہوا سر، گھنی مونچھوں کے سرے چباتے ہوئے، جیسا کہ وہ ہمیشہ غصے میں کیا کرتا تھا۔

"انہوں نے اس کے جسم کا کیا کیا ہو گا؟ کاش وہ اسے واپس کر دیتے جیسے اس کے خاوند کو پیشانی پر گولی مارنے کے بعد واپس کر دیا تھا۔"

تب اسے پروشیائی سپاہیوں کی آوازیں سنائی دیں جو گاؤں سے واپس آرہے تھے۔ اس نے خط جلدی سے اپنی جیب میں چھپا لیا۔ اپنی آنکھیں صاف کیں اور پرسکون ہو کر عام دنوں کی

طرح انہیں ملی۔ چاروں خوشی سے ہنس رہے تھے۔ خرگوش لائے تھے جو غالباً کہیں سے چرایا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اشارہ کیا کہ آج وہ اچھا مزیدار کھانا کھائیں گے۔ وہ فوراً کھانا تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔ لیکن خرگوش ذبح کرتے وقت اس کا دل ہمت ہار گیا۔ چاروں میں سے ایک نے خرگوش کے کان کے پیچھے مکہ مار کر اسے ہلاک کیا۔

جب جانور مر گیا تو اس نے اس کے سرخ جسم پر سے کھال اتاری۔ لیکن خون کو دیکھ کر، جس سے اس کے ہاتھ بھر گئے، گرم گرم خون جسے وہ محسوس کر رہی تھی جو ٹھنڈا ہو کر جم رہا تھا، وہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگی۔ وہ اپنے بیٹے کے دو حصوں میں کٹے سرخ جسم کو دیکھ رہی تھی بلکل اسی جانور کی طرح جو ابھی تک اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ وہ ان پر وشیائی سپاہیوں کے ساتھ کھانے کے میز پر بیٹھ تو گئی مگر اس سے کچھ بھی کھایا نہیں جا رہا تھا وہ اس کی پرواہ کیے بغیر گوشت چٹ کر گئے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے بغیر کچھ کہے کوئی خیال سوچتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کا چہرہ اتنا بے تاثر تھا کہ وہ کچھ محسوس نہ کر سکے۔

اچانک وہ ان سے مخاطب ہوئی، "ہم ایک مہینے سے ساتھ ہیں لیکن میں تمھارے نام نہیں جانتی"۔ وہ اسکی بات سمجھ گئے۔ اسے اپنے نام بتائے۔ لیکن اس سے اسکی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے انہیں اپنے نام اور اپنے خاندان کے پتے کاغذ پر لکھنے کے لئے کہا۔ پھر عینک اپنے بڑے سے ناک پر درست کی۔ انجانی تحریر ملاحظہ کی۔ کاغذ تہ کیا اور جیب میں اسی خط کے ساتھ، جس سے اسے اپنے بیٹے کی موت کی اطلاع ملی تھی، رکھ لیا۔

جب کھانا ختم ہو چکا تو اس نے انہیں بتایا کہ وہ ان کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔ پھر بھوسہ اٹھا کر اوپر جہاں وہ سوتے تھے رکھنا شروع کر دیا۔

وہ جو کچھ کر رہی تھی، اس سے انہیں خاصی الجھن ہوئی، اس نے وضاحت کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ بھوسہ انہیں گرم رکھے گا، تو وہ بھی اس کی مدد کرنے لگے۔ انہوں نے چھت تک بھوسے کے ڈھیر لگا دیے۔ اپنے لئے بڑا، گرم، خوشبودار کمرہ تیار کر لیا، جس کی چاروں دیواریں بھوسے کی بنی تھیں۔ جہاں وہ مزے سے سوئیں گے۔

رات کے کھانے پر ان میں سے ایک یہ دیکھ کر کہ وہ اب بھی کچھ نہیں کھا رہی پریشان ہوا۔ اس نے اسے یہ کہہ کر کہ اس کے پیٹ میں مروڑ پڑ رہے ہے اسے مطمئن کر دیا۔ تب اس نے اپنے آپ کو گرم کرنے کے لئے آگ جلائی۔ جبکہ چاروں جرمن حسب معمول بذریعہ سیڑھی اوپر

کمرے میں چڑھ گئے۔

جونہی چھت میں لگا دروازہ بند ہوا، بوڑھی عورت نے سیڑھی ہٹا دی۔ خاموشی سے باہر کا دروازہ کھولا، اور مزید بھوسہ لینے چلی گئی۔ اس بھوسے سے اس نے باورچی خانہ بھر دیا۔ وہ برف پر ننگے پاؤں اس طرح چلتی رہی کہ لڑکوں کو کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وقفے وقفے سے اسے چاروں سپاہیوں کے خراٹوں کی آواز سنائی دیتی رہی۔

جب اس کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اس نے ایک بھوسے کا بنڈل جلتے چولھے میں جھونک دیا، جب اس نے آگ پکڑ لی تو اس نے اسے باقی بھوسے پر پھیلا دیا۔ خود باہر نکل کر دیکھنے لگی۔

چند لمحوں میں چمکتے دمکتے شعلے نے کاٹیج کو اندر سے روشن کر دیا۔ جلد ہی وہ خوفناک، دہکتی، بھڑکتی آگ کی بھٹی میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی روشنی تنگ کھڑکی سے باہر برف پر آنکھیں چندھیا دینے والی شعاؤں کی صورت میں پڑنے لگی۔

تبھی ایک چیخ گھر کے اوپر والے حصے سے بلند ہوئی، ساتھ ہی انسانی چیخوں کا شور وغل، دل خراش، اذیت ناک، دہشت زدہ آہ و بکا کا شور بلند ہوا۔ پھر جونہی چھت کا دروازہ گرا، آگ کا بگولہ اوپر والے کمرے میں داخل ہو کر گھاس پھونس سے بنے چھت کو چھیدتا ہوا بہت بڑے روشنی کے گولے کی طرح آسمان کو نکل گیا۔ تمام کاٹیج میں آگ پھیل گئی۔

شعلوں کے چیخنے، دیواروں کے ڈھیر ہونے، شہتیروں کے گرنے کی آوازوں کے علاوہ اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اچانک چھت نیچے آ گری۔ ساتھ ہی گھر کا جلتا ڈھانچہ دھوئیں کے مرغولوں کے ساتھ اوپر کو اٹھا گویا آگ کا فوارہ تھا۔

سارا ماحول ایسے روشن ہو گیا جیسے سرخی مائل سلور کپڑا ہو۔ دور فاصلے پر گھنٹی بجنے لگی۔ بوڑھی سفاک اماں اپنے جلتے گھر کے سامنے اپنے بیٹے کی بندوق لئے کھڑی رہی، مبادا کوئی جرمن بچ کر نہ نکل جائے۔ جب اس نے دیکھا سب کچھ ختم ہو چکا ہے تو اس نے بندوق آگ میں پھینک دی، دھماکہ ہوا، لوگ بھاگتے ہوئے آئے۔ کسان بھی اور پروشیائی بھی۔ انہوں نے اس عورت کو ایک درخت کے تنے پر پرسکون بیٹھے دیکھا۔ ایک جرمن افسر نے جو فرانسیسیوں کی طرح فرانسیسی بولتا تھا پوچھا تمہارے سپاہی کدھر ہیں؟

اس نے اپنا دبلا پتلا ہاتھ بجھتی آگ کے سرخ ڈھیر کی طرف پھیلایا اور اونچی آواز میں جواب دیا۔ "وہاں"

اس کے ارد گرد جمگھٹا لگ گیا۔ پروشیائی نے پوچھا" آگ کیسے لگی؟"

"میں نے لگائی" وہ بولی

انہیں نے اس کا یقین نہیں کیا، وہ سمجھے اس اچانک تباہی نے اسے پاگل کر دیا ہے ۔سب لوگ اسے سننے کے لئے جمع ہو گئے تو اس نے ساری کہانی شروع سے آخر تک سنا دی ۔خط کے آنے سے لے کر اس کے گھر کے ساتھ جلنے والوں کی آخری چیخوں تک ۔اس نے جو کچھ محسوس کیا اور جو کچھ کیا اس کی ہر تفصیل بتائی ۔ یہ سب بتانے کے بعد اس نے جیب سے کاغذ کے دو ٹکڑے نکالے ،اور انہیں علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیئے دوبارہ عینک پہنی ، پھر ان میں سے ایک دکھاتے ہوئے بولی" یہ وکٹر کی موت کا ہے"۔

دوسرا دکھاتے ہوئے اور سرخ کھنڈر کی طرف اشارہ کر کے بولی،" یہ ان کے نام ہیں تاکہ تم ان کے خاندانوں کو اطلاع دے سکو" ۔یہ کہتے ہوئے سفید کاغذ بڑے سکون سے افسر کی طرف بڑھا دیا، جو اسے کندھے سے پکڑے ہوئے تھا۔ اپنے بیان میں مزید اضافہ کرتے ہوئے بولی" تم انہیں سب بتاؤ کہ کیا ہوا۔ ان کے والدین کو بتاؤ کہ یہ سب میں، "وکٹوریہ سمن" نے کیا۔ بھولنامت ۔"

افسر نے چلا کر جرمن زبان میں کچھ حکم دیا۔ سفاک اماں کو پکڑ لیا گیا۔ اور اسی مکان کی دیوار کے ساتھ جو ابھی تک گرم تھی کھڑا کر دیا گیا۔ پھر بارہ آدمی جلدی سے اس کے سامنے بیس گز کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے ۔وہ سمجھ چکی تھی ۔ذرا بھی ہلی نہیں ،انتظار میں کھڑی رہی ۔

حکم دیا گیا۔ جس کی تعمیل فوراً گولیوں کی بوچھاڑ سے ہوئی ۔ایک کے بعد دوسرا فائر ہوتا رہا ۔بوڑھی عورت گری نہیں بلکہ اس طرح ڈھیر ہوئی جیسے اسکی ٹانگیں کاٹ دی گئی ہوں ۔ پروشیائی افسر اس کے پاس آیا۔ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور اس کے ہاتھ میں پکڑا خط خون سے بھر چکا تھا۔

میرے دوست سرول نے مزید بتایا" جرمنوں نے انتقاماً مقامی حویلی جو میری ملکیت تھی تباہ کر دی ۔"

میں اپنے طور پر ان جل جانے والے چاروں جوانوں کی ماؤں اور اس دوسری ماں کے خوفناک ہیروازم کے بارے میں سوچ رہا تھا ،جسے دیوار کے ساتھ لگا کر گولیاں ماری گئیں ۔تب میں نے وہاں سے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا جو کہ ابھی تک آگ میں جلنے کی وجہ سے کالا تھا۔

دو دوست

(Two Friends)

پیرس محاصرے میں تھا۔ قحط زدہ تھا۔ محسوس ہوتا تھا جیسے آخری سانسیں لے رہا ہے۔ چھتوں پر سے چرند پرند غائب ہو چکے تھے۔ اور شہر کے گٹر خشک ہو چکے تھے۔ لوگوں کو جو ملتا کھا لیتے۔

جنوری کی ایک چمکیلی صبح جناب موریسوٹ جو پیشے کے لحاظ سے گھڑی ساز تھا لیکن موجودہ حالات میں بیروزگار تھا، خالی پیٹ بیرونی شاہراہ پر افسردہ حال، چل رہا تھا۔ اس نے ہاتھ یونیفارم کے پاجامے کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے۔ تب اس کا سامنا ایک شناسا سے ہوا جسے اس نے پہچان لیا۔ وہ اس کا پرانا دوست مسٹر سوویج تھا۔ جس سے دریا کے کنارے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل ہر اتوار مسٹر موریسوٹ طلوع آفتاب کے وقت گھر سے نکلتا، بانس کی چھڑی اس کے ہاتھ میں ہوتی اور اس کی پشت پر ٹین کا ڈبہ ہوتا۔ وہ ارجینٹیول (فرانس کے ایک کمیون کا نام) ٹرین میں سوار ہو کر کولمبس پر اترتا۔ اور مرانٹے جزیرے تک پیدل چلتا۔ اس خوابوں کے جزیرے پر پہنچ کر وہ مچھلیاں پکڑنے بیٹھ جاتا۔ اور رات پڑنے تک اسی میں مگن رہتا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک اور جنونی ماہی گیر سے ہوتی۔ جو کہ ایک صحت مند، خوش مزاج پستہ قد شخص تھا۔ اس کا نام موسیو سوویج تھا۔ وہ روئے نوٹری-ڈیم-ڈی-لورٹی کا بزاز (دوکاندار) تھا۔ وہ آدھا دن ساتھ ساتھ بیٹھے گزار دیتے۔ ان کے پاؤں پانی پر جھولتے رہتے۔ اس طرح وہ بہترین دوست بن گئے تھے۔ بعض اوقات وہ بلکل خاموش رہتے اور بعض اوقات وہ خوب گپ شپ لگاتے۔ لیکن ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس کے لیئے انہیں الفاظ کا سہرا لینے کی ضرورت نہیں تھی ان کے احساسات اور ذوق ایک جیسے تھے۔

موسم بہار کی صبح عموماً دس بجے جب ہلکی ہلکی دھند دریا کی ہموار سطح سے اٹھ رہی ہوتی اور لہروں کے ساتھ ساتھ بہتی جاتی، ایسے میں دونوں جنونی پرجوش ماہی گیر بہار یہ سورج کی خوشگوار حدت اپنی پشت پر محسوس کر رہے ہوتے تو موریسوٹ اپنے ساتھی سے کہتا! "یہ زندگی ہے، ہاں؟"

اور موسیو سوویج جواب دیتا! "بے شک یہی زندگی ہے"

ایک دوسرے کو سمجھنے اور باہمی احترام کے لیئے یہی کافی تھا۔

موسم خزاں میں دن کے اختتام پر جب غروب ہوتا ہوا سورج آسمان پر سرخی بکھیر دیتا اور دریا کے پانی کو قرمزی کر دیتا۔ جب افق پر آگ لگ جاتی اور پانی گلناری بادلوں کی مختلف شکلیں منعکس کرتا اور دونوں دوستوں کے درمیان موجود درخت جو پہلے ہی سرخی مائل بھورے ہو چکے ہوتے اور موسم سرما کی آمد آمد سے کانپتے ہوے سرخ انگارے اور سنہرے ہو جاتے تو موسیو سوویج موسیو موریسوٹ کو مسکرا کر دیکھتا اور کہتا" کیا منظر ہے"۔ اور موریسوٹ جو اس منظر کی خوبصورتی سے ہکا بکا اپنی نظریں اپنی چھڑی پر جمائے جواب دیتا" شاہراہ سے بہت بہتر، کیا ایسا نہیں؟"

دونوں نے جونہی ایک دوسرے کو پہچانا گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ بدلے ہوے حالات سے متاثر موسیو سوویج نے آہ بھری اور بڑبڑایا" ہم کس گند میں پھنس چکے ہیں"۔

موریسوٹ افسردگی سے بولا :"اور کیسا موسم ہے! یہ اس سال کا بہترین دن ہے۔

" آسمان بے شک بے داغ چمکدار نیلا تھا۔ وہ افسردہ اور متفکر ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ "ہماری ماہی گیری کے دن یاد کرو کیا بہترین دن تھے"۔ موریسوٹ نے بات جاری رکھی۔ موسیو سوویج بولا "میں سوچتا ہوں، ہم دوبارہ کب مچھلیاں پکڑنے جائیں گے؟"

وہ ایک چھوٹے سے کیفے میں داخل ہوے اور ابسنتین پی اور فٹ پاتھ پر چلنے لگے۔

یکدم موریسوٹ رکا۔" کیا خیال ہے ایک اور ہو جائے؟

"میں انکار نہیں کروں گا" سوویج نے جواب دیا۔ اور دونوں ایک اور کیفے میں داخل ہو گئے۔ جب وہ باہر نکلے وہ اسی طرح مدہوش تھے جس طرح خالی پیٹ شراب نوشی سے لوگ ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک ہلکا پھلکا عام سا دن تھا۔ نرم ہوا نے ان کے چہروں کو چھوا۔ نیم گرم فضا نے پہلے سے مدہوش سوویج کو مست کر دیا وہ رکا اور کہنے لگا۔

"چلو چلیں"

"کہاں"

"مچھلیاں پکڑنے"

"مگر کہاں"؟

"کیوں، ہمارے مخصوص جزیرے پر۔ فرانسیسی بیرونی چوکیاں کولمبس سے زیادہ دور نہیں ہیں۔ میں کرنل ڈومولین کو جانتا ہوں: وہ ہمیں بغیر کسی پریشانی کے گزرنے دیں گے۔" خوشی اور جوش سے کانپتے ہوئے موریسوٹ نے جواب دیا: "بلکل صحیح میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ وہ اپنا اپنا ماہی گیری کا سامان لینے کے لیے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔۔ ایک گھنٹے بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ مرکزی شاہراہ پر چل رہے تھے۔ آخر کار وہ اس گاؤں پہنچ گئے جہاں کرنل نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا رکھا تھا۔ وہ ان کی من موجی خواہش پر مسکرایا اور انہیں اجازت دے دی۔ اب اجازت کے ساتھ انہوں نے دوبارہ سفر شروع کیا۔ جونہی وہ چوکیوں کی قطار پار کر کے کولمبس کے ویران گاؤں میں سے گزرے تو اپنے آپ کو انگوروں کے باغیچوں کے کنارے پایا۔ جو نیچے دریا میں کھڑے جال تک پھیلے ہوئے تھے۔

دریا کے پار ارجینٹیول گاؤں بلکل مردہ دکھائی دے رہا تھا۔ ارگمونٹ اور سینوائس کی بلندیاں سارے مضافاتی علاقے میں نمایاں نظر آ رہی تھیں۔ وسیع میدانی علاقہ جو نینٹرے تک پھیلا ہوا تھا ننگے چیری کے درختوں اور سرمئی میدانوں کے علاوہ بلکل خالی تھا۔ اونچائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے موسیوسووبج بڑبڑایا: پروشین ادھر اوپر ہیں"۔

اس ویران ماحول کو دیکھتے ہی مفلوج کر دینے والے اضطراب سے دونوں دوست مغلوب ہو گئے۔

"پروشین!" انہوں نے ان میں سے کسی کو اب تک دیکھا نہیں تھا لیکن پیرس کے ارد گرد وہ ان کی موجودگی سے مہینوں سے واقف تھے۔ فرانس میں تباہی، لوٹ مار، قتل، غارت گری اور قحط انہی کی وجہ سے تھا۔ ان فاتحین کے خلاف دونوں کی نفرت میں خوف بھی شامل ہو گیا۔

"فرض کرو ہماری ان سے ملاقات ہو جائے، تو ہم کیا کریں گے؟" موریسوٹ ہکلایا۔

پیرس کے طنزیہ مزاح کے ساتھ جو ان حالات میں بھی قائم تھا موسیوسووبج نے جواب دیا: "ہم انہیں کچھ مچھلی فرائی کرنے کے لیئے دیں گے"۔

اپنے ارد گرد کی خاموشی سے خوفزدہ وہ کھلے عام گھومنے پھرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ آخر کار موسیوسووبج نے فیصلہ کر لیا۔ "چلو چلیں"۔ اس نے کہا: "لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھنا"! اور وہ ایک

باغیچے میں جھکے جھکے داخل ہو گئے۔ان کی آنکھیں اور کان کچھ بھی دیکھنے اور سننے کے لئے تیار تھے۔ ابھی بھی دریا کے کنارے پہنچنے کے لیئے انہیں کھلی جگہ کا کچھ حصہ عبور کرنا تھا۔انہوں نے دوڑ لگائی اور جونہی وہ کنارے پہنچے خشک جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔موریسوٹ نے زمین کے ساتھ کان لگا کر ارد گرد کہیں قدموں کی آواز سننے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔وہ تنہا تھے مکمل تنہا۔مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے مچھلیاں پکڑنا شروع کیں۔ان کے سامنے ویران پڑے جزیرے نے انہیں دوسرے کنارے سے چھپا لیا تھا۔ریسٹورنٹ بند پڑا تھا۔ایسے لگتا تھا جیسے سالوں سے غیر آباد ہو۔موسیوسوویج نے پہلی چھوٹی مچھلی پکڑی۔موریسوٹ نے دوسری۔اس کے بعد ہر دوسرے لمحے وہ اپنی بنسیاں اوپر اٹھاتے جن کے سروں پر سلور رنگ کی مخلوق مچلتی تڑپتی موجود ہوتی۔حیران کن مچھلیوں کا ریلا تھا

محتاط ہو کر وہ مچھلی کو نفاست سے بنے ہوئے جالی کے بیگ میں جوان کے پاؤں کے پاس ہی لٹک رہا تھا ڈال دیتے۔خوشی کی ایک لہر ان کے سارے وجود میں پھیل گئی،ایسی خوشی جو ایک شخص،بہت عرصے کی محرومی کے بعد دوبارہ حاصل ہونے پر محسوس کرتا ہے۔مہربان سورج سے ان کی کمریں گرم ہو گئیں۔انہیں کچھ سنائی نہیں دیا اور نہ ہی انہوں نے کچھ سوچا۔باقی ساری دنیا کا وجود ان کے لیئے معدوم ہو گیا۔وہ صرف مچھلیاں پکڑتے رہے۔

اچانک زمین کے نیچے سے آتی گرج دار آواز سنائی دی جس سے زمین کانپنے لگی۔بڑی گنوں نے فائر کھول دیئے تھے۔موریسوٹ نے سر موڑا۔دریا کے کنارے کے اوپر بائیں جانب مونٹ ویلیرین (قلعہ) کا کافی حصہ دکھائی دیا۔اس کی چوٹی کے سب سے اونچے حصہ پر سفید قلغی نما آرائش کی گئی تھی،وہاں سے دھوئیں کا مرغولہ باہر نکلا۔اگلے ہی لمحے ایک اور دھوئیں کا مرغولہ قلعے کی چوٹی سے نکلا اور چند سیکنڈ بعد ایک اور دھماکے کی گونج ان کی سماعت سے ٹکرائی۔اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔پہاڑی نے قریب المرگ سانسیں لیں۔دودھیا بخارات نکالے،جو آہستہ آہستہ پر سکون آسمان کی جانب اٹھے اور قلعے کے اوپر دھوئیں کے بادل پھیل گئے۔

موسیوسوویج نے کندھے اچکائے اور بولا۔"دوبارہ شروع ہو گئے"۔

موریسوٹ جو بڑی بے چینی سے اپنی بنسی پر لگے پنکھ کو اوپر نیچے ہوتا دیکھ رہا تھا،اچانک اس کا پر امن دل ان جنگی جنونیوں کے خلاف نفرت سے بھر گیا جو ایک دوسرے سے لڑنے پر بضد تھے۔وہ غرایا"اس طرح ایک دوسرے کو قتل کرنا احمقانہ حرکت ہے۔"

"یہ وحشی جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔" مویسوویچ نے کہا۔اور موریسوٹ جو ابھی ابھی یہ تاریک نظارہ کر چکا تھا اعلان کیا،" جب تک ہماری حکومتیں ہیں تب تک ایسا ہی رہے گا۔"

مویسوویچ نے اسکی درستگی کرتے ہوئے کہا،" ریپبلک کبھی بھی جنگ کا اعلان نہ کرتی"۔

موریسوٹ نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا،" بادشاہوں کی موجودگی میں جنگ بیرون ملک ہوتی ہے جب کہ ریپبلکن کی موجودگی میں جنگ ملک کے اندر ہوتی ہے۔"

وہ محدود عقل کے پرامن انسانوں کی طرح سیاسی مسائل پر دوستانہ بحث مباحثہ میں الجھ گئے ۔ایک نقطہ پر وہ باہم راضی تھے ،کہ انسان کبھی بھی آزاد نہیں ہوگا۔اس دوران سارا وقت قلعہ مونٹ ویلیرین گرجتا رہا۔فرانسیسی گھر تباہ ہوتے رہے ۔گولہ باری سے انسانی زندگیاں پستی رہیں۔ انسانی جسم کچلے جاتے رہے۔ان گنت خواہشات،توقعات اور خوشی کی امیدیں دم توڑتی رہیں۔دو شیزاؤں، بیواؤں اور ماؤں کے دلوں پر ایسے زخم لگتے رہے،جو کبھی نہیں بھر پائیں گے۔

"یہی زندگی ہے" ،مویسوویچ نے کہا۔

"بلکہ یہ موت جیسی ہے"۔موریسوٹ نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔تب ہی وہ خوفزدہ ہو گئے ،انہیں محسوس ہوا کہ ان کے پیچھے کوئی حرکت کر رہا ہے۔مڑ کے دیکھنے پر انہیں چار مسلح اشخاص اپنے بلکل پیچھے کھڑے دکھائی دیے ۔چار داڑھی والے تومند اشخاص جو نوکروں کے سے لباس میں تھے،سروں پر ٹوپیاں تھیں،رائفلیں اٹھائے ہوئے تھے۔دونوں کے ہاتھوں سے بنسیاں گر کر دریا میں بہ گئیں۔ایک لمحے میں وہ پکڑ لیئے گئے باندھ کر ایک کشتی میں پھینکے گئے اور جزیرے پر لے جائے گئے۔

جن گھروں کو وہ ویران سمجھ رہے تھے ان کے پیچھے سینکڑوں جرمن سپاہی تھے ۔ایک بالوں والے جسم کے بڑے سے شخص جو ایک کرسی پر براجمان تھا،پورسلین پائپ پی رہا تھا نے بہترین فرانسیسی میں ان سے پوچھا:"بہت خوب جینٹلمین ،کیا اچھا دن ماہی گیری میں گزرا؟۔اسی وقت ایک سپاہی نے وہ جالی دار تھیلا جو مچھلیوں سے بھرا ہوا تھا اس کے قدموں میں رکھا،جسے وہ اپنے ساتھ لانا نہ بھولے تھے ۔افسر مسکرایا،"ہاہا۔تم تو بہت اچھے رہے۔لیکن میں تم سے اس کے علاوہ بات کرنا چاہتا ہوں ۔میری بات سنو! اور خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔جہاں تک میرا خیال ہے۔تم ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو۔میں نے تمھیں گرفتار کیا ہے۔تم اپنی اصلیت چھپانے کے لیئے مچھلیاں پکڑنے کا جھانسہ دے رہے ہو۔میں نے تمھیں پکڑ لیا۔یہ تمھارے لیئے بہت برا ہوا ۔جنگ تو جنگ ہے۔لیکن تم یہاں اپنی لائینز سے گزر کر آئے ہو تو میرا خیال ہے تمھارے پاس

واپس جانے کے لئیے شناختی الفاظ ہوں گے ۔تم مجھے وہ بتادو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔

دونوں دوست زرد پڑتے چہروں کے ساتھ کھڑے تھے ۔ان کے ہاتھ آہستہ آہستہ کانپ رہے تھےلیکن وہ خاموش کھڑے رہے۔

افسر نے بات جاری رکھتے ہوے کہا، "کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا ۔تم واپس چلے جاؤ گے، جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں اور راز تمھارے ساتھ رہے گا ۔اگر تم انکار کرو گے تو مار دئے جاؤ گے ۔ابھی اسی وقت ۔اس لئیے ابھی فیصلہ کرو۔"

وہ بے حس و حرکت کھڑے رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔

پروشین نے پانی کی طرف اشارہ کیا اور بات جاری رکھی، "اب سے پانچ منٹ بعد تم اس دریا کی تہہ میں ہوگے ۔پانچ منٹ! میرا خیال ہے تمھارے رشتہ دار تمھارا انتظار کر رہے ہوں گے ۔"

مونٹ ولیرین سے بدستور فائرنگ جاری تھی۔

دونوں ماہی گیر خاموش کھڑے رہے ۔جرمن نے اپنی زبان میں کوئی حکم دیا ۔پھر اپنی کرسی گھمائی تاکہ وہ قیدیوں کے بلکل قریب نہ رہے اور بارہ لوگوں نے بارہ قدموں کے فاصلے پر پوزیشن سنبھال لی ۔ان کی رائیفلیں حکم کی منتظر تھیں۔

"میں تمھیں ایک منٹ دیتا ہوں" ۔افسر نے کہا، "ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں"۔

یکدم وہ اٹھ کھڑا ہوا، دونوں فرانسیسیوں کے پاس پہنچا، موریسوٹ کو بازو سے پکڑا اور ایک طرف لے گیا۔

"جلدی کرو ۔شناختی الفاظ" اس نے سرگوشی کی "تمھارے دوست کو کبھی علم نہیں ہوگا۔ میں یوں ظاہر کروں گا جیسے مجھے رحم آگیا ہے ۔موریسوٹ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تب پروشین موسیو سوویج کو ایک طرف لے گیا اور اسے بھی یہی کچھ کہا ۔موسیو سوویج نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

دونوں پھر ایک ساتھ کھڑے تھے ۔آفسر نے کوئی حکم دیا ۔سپاہیوں نے اپنی رائیفلیں اوپر کیں، اسی وقت موریسوٹ کی نظریں مچھلیوں سے بھرے جالی دار بیگ پر پڑیں جو کچھ قدم دور گھاس پر پڑا تھا ۔مچھلیوں کا ڈھیر جو ابھی تک مچل رہا تھا، سورج کی دھوپ میں چمک اٹھا ۔وہ وقتی طور پر کمزور پڑنے لگا ۔آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو روکنے کی بھرپور کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"خدا حافظ موسیو سووج" وہ ہکلایا۔

"خدا حافظ ،موسیو موریسوٹ"،اس کے دوست نے کہا۔

انہوں نے سر سے پاؤں تک کانپتے ہوئے آپس میں ہاتھ ملائے۔

"فائر"

افسر چلایا

اکھٹے بارہ فائر ہوئے۔

موسیو سووج درخت کے تنے کی طرح آگے کو گرا۔موریسوٹ لمبا ہونے کے باعث اس کا جسم بل کھاتا لہراتا ہوا اپنے دوست کے جسم پر گرا اس کا چہرہ آسمان کی جانب تھا جب کہ خون اس کے کرتے کے سامنے والے سوراخوں سے ابل رہا تھا۔

جرمن نے ایک اور حکم دیا۔اس کے آدمی ادھر ادھر بکھر گئے ۔اور پھر رسی اور پتھروں کے ساتھ واپس آئے ،جو انھوں نے دونوں لاشوں کے ساتھ باندھ دیئے ۔پھر انہیں دریا کے کنارے لے گئے ۔اس سارے عرصے میں مونٹ ولیرین سے فائرنگ ہوتی رہی ۔دھویں کے بادلوں نے اسے مکمل طور پر ڈھک لیا تھا۔

دو سپاہیوں نے موریسوٹ کو سر اور پاؤں سے اٹھالیا۔دوسرے دو نے موسیو سووج کو اسی طرح اٹھالیا۔انہوں نے پہلے تو انہیں جھولے کی طرح جھلایا اور پھر جتنی دور پھینک سکتے تھے پھینک دیا ۔ان کے جسم ہوا میں کمان کی طرح بلند پھر پتھروں کے وزن کے باعث پاؤں کے بل دریا میں ڈوب گئے ۔ پہلے پانی کے چھینٹے اڑے پھر بلبلے بنے اور پھر پانی میں ہلچل پیدا ہوئی اور بلآخر پانی پرسکون ہوگیا۔کچھ چھوٹی چھوٹی لہریں دونوں کناروں تک پھیلیں ،کچھ خون پانی کی سطح پر تیرنے لگا۔

ہر لحاظ سے پرسکون افسر اپنے آپ سے ہمکلام ہوا،"اب مچھلیوں کی باری ہے"۔اور گھر کی طرف روانہ ہوا۔اچانک اسے تازہ مچھلیوں کا بیگ گھاس پر پڑا نظر آیا۔اسے اٹھایا،غور سے دیکھا ،مسکرایا اور چلایا:"ولیم!" ایک سپاہی سفید ایپرن پہنے بھاگتا ہوا آیا۔دونوں مردہ اشخاص کا تھیلا گھسیٹتے ہوئے اسکی طرف پھینکا اور بولا :

"فوراً انہیں میرے لیئے زندہ فرائی کرو،یہ یقیناً بہت مزیدار ہوں گی"۔اور اس نے اپنا پائپ دوبارہ جلالیا۔

O

میرے انکل جولز
(My Uncle Jules)

ایک سفید داڑھی والے بوڑھے شخص نے ہم سے خیرات مانگی۔ میرے دوست جوزف ڈاورینچ نے اسے پانچ فرانکس دیے۔ مجھے حیران ہوتے دیکھ کر اس نے کہا،" اس بوڑھے غریب کو دیکھ کر مجھے ایک کہانی یاد آ گئی، جسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ تمھیں میں وہ کہانی سناتا ہوں۔"

"میرے والدین کا تعلق لی باروو سے تھا۔ ہم کوئی خاص خوش حال نہ تھے۔ بمشکل گزارہ کرتے تھے۔ میرا باپ زندہ رہنے کے لیے کام کرتا، دفتر سے بہت دیر سے گھر آتا، پھر بھی آمدن بہت تھوڑی ہوتی۔ میری دو بہنیں تھیں۔

حالات کی تلخی سے سب سے زیادہ والدہ متاثر ہوتیں، اور وہ عموماً خاوند سے بدکلامی کر جاتیں۔ غریب خاوند کا ردعمل ایسا ہوتا کہ میرا دل ٹوٹ جاتا۔ وہ کھلی ہتھیلی سے ماتھے کا وہ پسینہ پونچھنے کی کوشش کرتا جو ہوتا ہی نہیں تھا۔ لیکن منہ سے کچھ نہ بولتا۔ میں اسے بے بسی سے یہ اذیت برداشت کرتے دیکھتا۔ ہم کفایت شعاری سے خرچ کرتے، کسی کے گھر کھانے پر نہ جاتے تاکہ ہمیں کسی کو اپنے گھر کھانے پر نہ بلانا پڑے۔ ہم خریداری کے وقت بچی کھچی اشیاء سستے داموں خریدتے۔ میری بہنیں اپنے لباس خود سیتیں۔ سستے ترین جوڑے کی قیمت پر بھی لمبی لمبی بحثیں کرتیں۔ ہمارا کھانا عموماً بیف ہر قسم کی چٹنی کے ساتھ اور گوشت کے شوربے پر مشتمل ہوتا۔ اسے وہ اچھا کھانا قرار

دیتے۔ لیکن میری خواہش ہوتی اس میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہے۔ میری ماں جب کبھی کوئی بٹن ٹوٹ جاتا یا پاجامہ پھٹ جاتا تو خوب ہنگامہ کرتیں۔

لیکن ہم ہر اتوار اپنے بہترین لباس پہن کر جیٹی / گودی تک ٹہلنے ضرور جاتے۔ میرے والد فراک کوٹ، اونچی ٹوپی اور دستانے پہنتے، میری بنی سنوری والدہ کے بازو میں بازو ڈالتے ،میری بہنیں جو پہلے ہی تیار کھڑی ہوتیں، اور روانگی کے اشارے کی منتظر ہوتیں، لیکن آخری لمحے میں کوئی نہ کوئی والد کے کوٹ پر موجود دھبہ دیکھ لیتا، اسے اسی وقت بینزین میں ڈوبے کپڑے سے صاف کیا جاتا۔ والد قمیض اور ٹوپی پہنے صفائی کے اس عمل کے ختم ہونے کا انتظار کرتے۔ میری والدہ عینکیں پہنتی، دستانے اتارتی تاکہ وہ خراب نہ ہو جائیں جلدی جلدی صفائی کا کام سرانجام دیتی۔

پھر ہم سب پر تکلف انداز میں روانہ ہوتے۔ میری بہنیں بانہوں میں بانہیں ڈالے سب سے آگے ہوتیں۔ وہ شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں، اس لیے انہیں گاؤں کے لوگوں کو دکھانا بھی مقصود ہوتا۔ میں والدہ کے بائیں طرف اور والد دائیں طرف ہوتے۔ مجھے اپنے والدین کا شاہانہ رویہ ابھی تک یاد ہے جو وہ اتوار کی ان چہل قدمیوں میں اپناتے۔ چہرے پر سخت تاثرات سجا لیتے، بدن بلکل سیدھے رکھتے، ٹانگیں اکڑی ہوتیں۔ چال میں متانت ہوتی، شاید کوئی اہم معاملہ ان کی ظاہری چال ڈھال پر منحصر ہو۔

ہر اتوار بڑے بڑے جہازوں کو دیکھ کر جو دور دراز اجنبی ممالک سے آتے میرے والد ایک ہی فقرہ دہراتے۔ "کتنی حیرانی کی بات ہوگی اگر جولز اسی جہاز پر ہو۔"

میرے باپ کا بھائی انکل جولز ہمارے خاندان کی تباہ حالی کے بعد آخری امید تھا۔ میں نے بچپن ہی سے ان کے بارے میں سن رکھا تھا۔ ان کے بارے میں سوچ سوچ کے ایسے لگتا تھا کہ جونہی میں انہیں دیکھوں گا پہچان لوں گا۔ میں ان کے امریکہ جانے تک کی زندگی کی ہر تفصیل سے واقف تھا۔ اگرچہ وہ تفاصیل سرگوشیوں میں بیان کی جاتی تھیں۔

یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے بری زندگی گزاری یا یوں کہیں کہ انہوں نے رقم برباد کی جو ایک غریب خاندان کے حوالے سے بدترین جرم ہے۔ امیروں میں جو مست زندگی گزارے اسے لوگ مسکرا کر خوشحال کہہ کر پکارتے ہیں، جو کرنی سو بھرنی لیکن غریبوں میں اس نوجوان کو جو والدین کو بلا وجہ اپنا سرمایہ برباد کرنے پر مجبور کرتا ہے بدمعاش نکما اور لفنگا کہتے ہیں۔ یہ تفریق بلکل درست ہے اگرچہ انسانی رویہ دونوں حالتوں میں ایک جیسا ہے۔ لیکن اچھے برے کا تعین نتائج سے کیا جاتا ہے۔

آل غرض جولز نے وہ وراثتی سرمایہ جس پر میرے والد انحصار کر رہے تھے اپنے حصے کی آخری دمڑی تک خرچ کر کے بہت کم کر دیا تھا۔

اس وقت کے رواج کے مطابق وہ لی ہاروو سے امریکہ بھیج دیے گئے۔ وہاں پہنچ کر اس نے کوئی کاروبار شروع کر دیا اور ہمیں لکھا کہ وہ کچھ رقم کمانے لگے ہیں اور بہت جلد جو نقصان میرے والد کو پہنچا ہے اس کا ازالہ کر دیں گے۔ اس خط سے سارا گھر خوش ہو گیا۔ اور انکل جولز جس کی کوئی وقعت نہیں تھی یکدم معزز ہو گیا۔ ایک ایسا شخص جسے معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے ایک اصلی ڈاور ینچ، قابل اعتماد اور امانت دار۔

ایک جہاز کے کپتان نے ہمیں بتایا کہ اس نے کافی بڑی دوکان کرائے پر لے لی ہے اور اچھا کاروبار کر رہا ہے۔ دو سال بعد انکل کی طرف سے دوسرا خط موصول ہوا، جس میں لکھا تھا، "میرے پیارے فلپ! میں یہ بتانے کے لئے یہ خط لکھ رہا ہوں کہ میری صحت اچھی ہے کاروبار بھی بہت اچھا ہے میں کل جنوبی امریکہ ایک لمبے عرصے کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کئی سالوں تک آپ کو اپنے بارے میں مطلع نہ کر سکوں، اگر میں نہ لکھ سکوں تو پریشان نہ ہونا۔ ایک دفعہ میں قسمت آزمائی میں کامیاب ہو جاؤں تو میں لی ہاروو واپس آجاؤں گا۔ مجھے امید ہے زیادہ دیر نہیں لگے گی، اور ہم سب مل کر خوش رہیں گے۔۔۔۔۔۔"

یہ خط خاندان کے لیے ناقابل تردید سچائی بن گیا۔ چھوٹے سے چھوٹے اشتعال پر اس کا حوالہ دیا جاتا۔ اور ہر خاص و عام کو دکھایا جاتا۔

اگلے دس سال تک انکل جولز کی طرف سے کوئی خبر نہ آئی لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا میرے والد کی امیدیں بڑھتی گئیں۔ میری والدہ بھی یہ دہراتی سنائی دیتیں، "جب جولز گھر آئے گا تو ہمارے حالات مختلف ہوں گے۔ کوئی تو ہے جسے معلوم ہے کہ زندگی میں کیسے آگے بڑھتے ہیں"

ہر اتوار کو جب کالے دخانی جہاز ہوا میں دھواں پھیلاتے افق پر نمودار ہوتے میرے والد اپنا پسندیدہ فقرہ دہراتے، "کتنی حیرانی کی بات ہو گی اگر جولز اس جہاز پر ہو۔"

اور ہم سب اسے رومال ہلاتے، "او۔۔۔ ادھر فلپ" چلاتے ہوئے دیکھنے کی توقع کرنے لگتے۔

اس کی یقینی واپسی کی بنیاد پر سینکڑوں ارادے باندھے گئے۔ انکل کی رقم سے گاؤں میں جگہ خرید کر انگوول کے قریب گھر بنانے کا فیصلہ بھی ہو گیا۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے والد

نے جائیداد کی خریداری کی بات چیت بھی شروع کر دی ہوگی۔

میری بڑی بہن اس وقت اٹھائیس سال کی تھی، دوسری چھبیس سال کی۔ دونوں کی ابھی تک شادی نہیں ہوسکی تھی۔ یہ بات سب کی پریشانی کا باعث تھی۔

آخر کار چھوٹی کے لئے ایک کلرک رشتہ آیا۔ وہ کوئی خاص خوشحال نہیں تھا لیکن مناسب تھا۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ انکل کا خط اسے دکھایا گیا ہوگا۔ جس نے اس نوجوان کی ہچکچاہٹ ختم ہوگئی اور اس نے ارادہ کرلیا۔ رشتہ طے ہوا اور فیصلہ ہوا کہ شادی کے بعد سارا خاندان سیر وتفریح کے لئے جرسی جائے گا۔ جرسی غرباء کے لیئے سستی تفریحی جگہ تھی۔ زیادہ دور نہیں تھی۔ بس چھوٹا سا بحری سفر اس غیر ملکی جگہ کے لئے ضروری تھا۔ یہ جزیرہ انگلینڈ کی عملداری میں تھا۔ کچھ گھنٹے کے سمندری سفر کے بعد ایک فرانسیسی غیر ملکی لوگوں کو جاننے، ان کے رسم ورواج دیکھنے کا دعویدار ہوسکتا تھا۔

جرسی کا یہ سفر ہم سب کی سوچوں، توقعات اور خوابوں کا محور بن گیا۔

آخر کار وہ وقت آگیا جب ہم اس سفر پر روانہ ہوے۔ مجھے وہ سب ایسے یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔ گرین ول گھاٹ پر بھاپ چھوڑتی کشتی۔۔۔۔ میرے والد گھبرائے ہوے ہمارے تین بیگ لوڈ ہونے کی نگرانی کرتے ہوے۔۔۔۔۔۔ میری والدہ میری بن بیاہی بہن کا فکرمندی سے ہاتھ پکڑے، جو اپنی بہن کی روانگی سے اس چوزے کی طرح تنہا محسوس کررہی تھی جو باقی چوزوں سے پیچھے رہ گیا ہو۔ اور دلہا دلہن جو سب سے آخر میں ہمیشہ کی طرح، جس کے باعث میں بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا۔

سیٹی بجی، ہم سوار ہو چکے تھے، جہاز جیٹی سے سمندر میں پہنچا جو سبز سنگ مرمر کی میز کی طرح ہموار تھا۔ جلد ہی ہم نے ساحل دور دھندلاتے ہوے دیکھا۔ ان تمام لوگوں کی طرح جو بہت کم سفر کرتے ہیں ہم بھی خوشی اور فخر کے جزبات سے مغلوب تھے۔

میرے والد کا پیٹ ان کے فراک کورٹ کے نیچے ابھر آیا کوٹ اسی صبح صاف کیا گیا تھا، اپنے اطراف بینزین کی بو پھیلا رہا تھا، جس سے مجھے ہمیشہ پتہ چل جاتا کہ آج اتوار ہے۔

اچانک والد کو دو عمدہ لباس زیب تن کیے خواتین نظر آئیں؛ جنھیں دو معزز مرد کستوری مچھلی کی ضیافت دے رہے تھے۔ ایک بوڑھا چیتھڑوں میں ملبوس چاقو سے گھونگھے کھول کر مردوں کو پکڑا رہا تھا جو آگے خواتین کو پکڑاتے جاتے تھے۔ وہ انہیں بہت نفاست سے کھا رہی تھیں، عمدہ رومال میں گھونگھے پکڑتیں اور سر آگے کرکے کھاتیں تا کہ کپڑوں پر داغ نہ پڑیں، پھر جلدی سے

مشروب پیتیں اور پھر گھونگھے سمندر میں پھینک دیتیں۔

والد کو سمندر میں جہاز پر گھونگھا/کستوری مچھلی کھانے کا خیال بہت اچھا لگا۔انہیں لگا یہ اعلیٰ طبقے کا طریق کار ہے۔فوراً میری والدہ اور بہنوں کے پاس گئے اور انہیں کستوری مچھلی کھلانے کی دعوت دی۔والدہ اخراجات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہچکچائی لیکن میری بہنوں نے فوراً یہ دعوت قبول کر لی۔میری والدہ کی آواز سے پریشانی عیاں تھی بولیں، "کہیں میرا معدہ خراب نہ ہو جائے،بس تھوڑی بہت بچوں کو لے دیں لیکن زیادہ نہیں،کہیں بیمار نہ پڑ جائیں"

پھر میری طرف مڑتے ہوئے اضافہ کیا" جوزف کے لئے رہنے دیں،لڑکوں کو بگاڑنا نہیں چاہیے۔میں والدہ کے پاس رک تو گیا لیکن مجھے یہ امتیازی سلوک ناانصافی لگا۔

میں نے والد کو بڑی شان سے اپنی دونوں بیٹیوں اور داماد کے ساتھ اس چیتھڑوں میں ملبوس بوڑھے کی طرف جاتے دیکھا۔پہلی دونوں خواتین وہاں سے جا چکی تھیں۔میرے والد نے میری بہنوں کو سمجھایا کہ کس طرح مشروب کپڑوں پر گرائے بغیر مچھلی کھانی ہے۔انہوں نے بہتر سمجھا کہ ان کو خود کھا کر دکھایا جائے۔لیکن ان معزز خواتین کی نقل کی کوشش میں مشروب فراک کوٹ پر گرا لیا۔ساتھ ہی والدہ کی بڑبڑاہٹ سنائی دی،"اس نمائش سے باز رہتے تو اچھا تھا"۔

یکدم میرے والد پریشان دکھائی دینے لگے،وہ چند قدم پیچھے ہٹے،اپنی فیملی جو گھونگھے کھولنے والے کے گرد جمع تھی کو گھورا اور اچانک ہماری طرف آ گئے۔چہرہ زرد ہو رہا تھا۔آنکھوں میں عجیب و غریب تاثرات تھے۔بہت آہستہ آواز میں والدہ سے کہنے لگے۔"حیران کن حد تک وہ شخص جولز سے ملتا ہے۔"

"کون جولز؟"میری والدہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیوں؟۔۔۔میرا بھائی اور کون؟"والد نے بات جاری رکھی۔"اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ وہ امریکہ میں خوشحال رہ رہا ہے تو میں یقیناً اسے جولز ہی سمجھتا۔"

ششدر ہوتے ہوئے میری والدہ ہکلائی،"تم پاگل ہو۔۔۔جانتے ہوئے بھی کہ وہ نہیں ہو سکتا،پھر بھی بیوقوفی کی باتیں کر رہے ہو۔" لیکن میرے والد مصر رہے" کلیرس!جاؤ اور اسے ایک نظر دیکھو اور خود فیصلہ کرو۔"

وہ اٹھی،بیٹیوں کے پاس پہنچی،میں نے بھی اس شخص کو دیکھا۔وہ میلا تھا جھریوں بھرا چہرا تھا۔اس نے اپنے کام سے نظریں نہ اٹھائیں۔

والدہ واپس آ گئیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کانپ رہی تھیں، "میرا خیال ہے یہ وہی ہے، جاؤ اور کپتان سے اس کے بارے میں معلوم کرو۔ لیکن خیال رکھنا! ہمیں اس بدمعاش کو دوبارہ اپنے درمیان نہیں دیکھنا"۔

میرے والد چل پڑے لیکن اس دفعہ میں ان کے پیچھے گیا۔ کپتان خوبصورت گل مچھروں والا لمبا دبلا آدمی تھا۔ خود پسندی کے احساس سے بھرا پل پر ٹہل رہا تھا۔ ایسے جیسے وہ انڈیا جانے والی ڈاک کشتی کا انچارج ہو۔

میرا والد رسمی انداز سے اسے ملا، اس سے اس کے پیشے کے بارے میں ل پوچھا، ساتھ ہی اس کے جوابات کو سراہتا رہا۔

"جرسی کتنا بڑا ہے؟ اس کی پیداوار کیا ہے؟ آبادی کتنی ہے؟ مقامی رواج کیا ہیں؟ وہاں زمیں کی خاصیت کیا ہے؟" اسی طرح کے مزید سوالات، جس سے سننے والا یہی سمجھتا کہ وہ امریکہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہے۔ پھر گفتگو کا رخ جس کشتی 'ایکسپریس' میں ہم سفر کر رہے تھے اس کی طرف مڑ گیا۔ اس کے بعد اس کے عملے کی طرف اور پھر آخر میں تھوڑی نروس آواز میں میرے والد نے پوچھا۔ "یہاں ایک بوڑھا آدمی ہے جو گھونگھے کھولتا ہے کچھ عجیب سا انسان لگتا ہے۔ کیا تم اس کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو؟"

کپتان نے جو اس گفتگو سے اکتانے لگا تھا، روکھے پن سے جواب دیا۔ "وہ بوڑھا فرانسیسی آوارہ گرد ہے مجھے پچھلے سال امریکہ میں ملا، میں اسے یہاں لے آیا۔ میرا خیال ہے لی ہارو میں اس کے کچھ رشتہ دار ہیں۔ لیکن وہ ان کے پاس جانا نہیں چاہتا، شاید اس نے ان کی کوئی رقم دینی ہے، اس کا نام جولز ہے۔ جولز ڈارمینچ یا ڈارونیچ یا اسی طرح کا کچھ ...... لگتا ہے کچھ عرصہ اس نے کافی خوشحال گزارا، لیکن اب تم خود ہی دیکھ لو اس کی کیا حالت ہے"۔

میرا والد پیلا پڑ چکا تھا، نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔ گلوگیر آواز میں بڑبڑایا، "آہ ..... یقیناً..... دیکھ رہا ہوں..... مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی...... بہت شکریہ کپتان"۔

یہ کہتے ہوئے وہ وہاں سے چل دیا۔ جب کہ حیران و پریشان جہاز ران کی آنکھیں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

میرا والد واپس والدہ کے پاس آیا، وہ اتنا پریشان حال دکھائی دے رہا تھا، کہ والدہ نے دیکھتے ہی کہا۔ "بیٹھ جاؤ ورنہ لوگ محسوس کریں گے کہ کچھ غلط ہو رہا ہے" وہ بنچ پر گر سا گیا، بڑبڑایا

"یہ وہی ہے۔۔۔۔۔یہ وہی ہے" پھر اس نے پوچھا "اب ہم کیا کریں گے؟"

والدہ نے تیزی سے جواب دیا "سب سے پہلے ہمیں بچوں کو یہاں سے ہٹانا ہے"۔ پھر محسوس کرتے ہوئے کہ جوزف سب کچھ جانتا ہے۔ بولی "وہ جا کر انہیں بلا لائے، جو بھی ہو جائے ہمارے داماد کو بلکل شک نہیں ہونا چاہئے۔" میرا والد گھبراہٹ سے بلکل خاموش ہو چکا تھا۔ بڑبڑایا "کیسی تباہی و بربادی ہے۔"

والدہ یکدم غصے میں آ گئی، "مجھے ہمیشہ سے معلوم تھا کہ وہ چور ہے۔ ہمارے کسی کام کا نہیں ۔۔۔۔مجھے معلوم ہے وہ دوبارہ ہمارے سر پڑ جائے گا، ایک ڈاور پنچ سے سب کچھ توقع کی جا سکتی ہے۔" والد نے پیشانی پر اسی طرح ہاتھ پھیرا جیسے وہ ہمیشہ والدہ کے طعنوں تشنیع پر پھیرتے تھے۔

"جوزف کو پیسے دو، تا کہ وہ گھونگھوں کی ادائیگی کرے، اب ایک بھکاری ہماری پہچان بنے گا، واہ کیا زبردست تاثر بنے گا"

"چلو کشتی کے دوسرے کنارے پر چلیں اور دھیان رہے وہ بوڑھا ہمارے قریب نہ آنے پائے۔"

مجھے پانچ فرانک دے کر وہ وہاں سے چل دیے۔ میری بہنیں والد کی توقع کر رہی تھیں ۔ان کی جگہ مجھے دیکھ کر حیران ہوئیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ سمندر کی وجہ سے والدہ کا جی متلا رہا ہے۔ پھر گھونگھے والے سے پوچھا۔ جناب آپ کو کتنی ادائیگی کرنی ہے۔ مجھے لگا میں انکل کہنے لگا تھا۔

"دو فرانک اور پچاس"۔

میں نے اسے پانچ فرانک دیئے۔ اس نے مجھے بقایا رقم واپس کی۔ میں نے دس ساؤس اسے بخشش دے دی۔ اس نے ایسے بوڑھے کی طرح جسے خیرات دی گئی ہو مجھے دعا دی۔ "خدا آپ کا بھلا کرے"۔ میں یہ سوچے بنا نہ رہ سکا کہ وہ بھیک مانگتا رہا ہے۔۔

میری بہنوں نے مجھے گھورا۔ وہ میری سخاوت پر حیران تھیں۔ جب میں نے والد کو دو فرانک واپس کیے تو والدہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا ان کی قیمت تین فرانک تھی؟ ۔۔۔۔ناممکن ۔۔۔۔۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے دس ساؤس بخشش دے دی۔" والدہ پھر شروع ہو گئی، میری آنکھوں میں دیکھتے ہوے بولی، "پاگل ہو تم! دس ساؤس اس آدمی۔۔۔اس آوارہ گرد کو دے دیے"

والد نے آنکھوں سے داماد کی موجودگی کا اشارہ کیا، تو والدہ خاموش ہو گئی۔ اس کے بعد

ہر شخص خاموش ہوگیا۔

ہمارے سامنے افق پر جامنی سایہ سا سمندر سے ابھرتا نظر آیا۔ یہ جرسی تھا۔ جونہی ہم جیٹی / گودی پہنچے، میرے اندر ایک دفعہ پھر انکل جولز کو دیکھنے، اس کے پاس جانے اور اس سے ہمدردی بھرے کلمات کہنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن چوں کہ اب کوئی بھی کستوری مچھلی نہیں کھا رہا تھا، اس لیے انکل جولز غائب ہو چکا تھا۔

واپسی ہم نے 'سینٹ مالو' نامی کشتی سے کی، تاکہ دوبارہ انکل جولز سے ملاقات نہ ہو۔ والدہ پریشانی سے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔

میں نے اس کے بعد دوبارہ کبھی اپنے والد کے بھائی کو نہیں دیکھا۔ اس وجہ سے تم کبھی کبھار مجھے پانچ فرانک کسی آوارہ گرد کو دیتے ہوئے دیکھ لیتے ہو۔

O

تعارف مصنف: گریگوریولوپیزفوینٹس

میکسیکو کا ناول نگار، شاعر اور صحافی 17 نومبر 1897 میں میکسیکو کی ایک میونسپلیٹی زون ٹیکو ماٹلا کے وسیع میدانی علاقے میں انڈین کے درمیان پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ جوانی میں زیادہ وقت اپنے باپ کے جنرل سٹور پر گزارا جہاں اس کی شناسائی انڈین کسانوں اور مزدوروں سے ہوئی۔

پندرہ سال کی عمر میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ میکسیکن انقلاب میں باقاعدہ طور پر عملی حصہ لیا۔ وہ میکسیکن انقلاب کا سب سے بڑا مؤرخ ہے۔ بعد میں میکسیکو سٹی سکول میں ادب کا استاد تعینات ہوگیا۔ اس نے اپنے ادبی کیریئر کا آغاز دو شعری مجموعوں سے کیا۔ پھر صحافت کا رخ کیا۔ اور پھر نثری افسانہ۔ اس کی کہانیاں پر جوش، علامتی اور مزاحیہ ہوتی تھیں۔ بے شمار افسانے اور نو دس ناول لکھے۔ ان میں سے ایک ناول El Indian پر نیشنل پرائز آف آرٹس اینڈ سائنس حاصل کیا اور 10 دسمبر 1966 میں میکسیکو سٹی میں ہی فوت ہوگیا۔

خدا کے نام خط

(A Letter To God)

پوری وادی میں ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر ایک اکلوتا گھر بنا ہوا تھا۔اس اونچائی سے دریا دکھائی دیتا تھا۔مویشیوں کے باڑے سے آگے مکئی کے کھیت تھے۔مکئی پکی ہوئی تھی۔اس کے ساتھ لوبیے کے پودے تھے۔جن پر پھول لگے ہوے تھے،جو ہمیشہ اچھی فصل دیتے تھے۔

صرف ایک اچھی بارش کی ضرورت تھی یا پھر ہلکی پھلکی پھوار ہی کافی ہوتی۔

لینچو/ Lencho نے جو اپنے کھیتوں سے بخوبی واقف تھا،صبح سے شمال مشرق میں آسمان کا جائزہ لیتے رہنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔

"اب کچھ پانی ملنے کی امید بندھی ہے۔خاتون۔"

خاتون جو شام کا کھانا بنانے میں مصروف تھی،نے جواب دیا۔

"ہاں! ان شاءاللہ"

بڑے لڑکے کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔جب کہ چھوٹے لڑکے گھر کے قریب کھیل رہے تھے۔خاتون نے سب کو آواز دے کر بلایا۔

"کھانے کے لئے آجاؤ۔"

کھانے کے دوران جیسا کہ لینچو نے پیش گوئی کی تھی۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے لگے۔شمال مشرق میں بادلوں کے بڑے بڑے پہاڑ آگے بڑھتے نظر آرہے تھے۔ہوا تازہ اور مزے دار تھی۔مرد باہر باڑے میں کچھ تلاش کرنے نکلا لیکن دراصل وہ بارش کو اپنے جسم پر محسوس کرنے کی خوشی سے ہمکنار ہونا چاہتا تھا۔واپس آکر کہا۔

"آسمان سے بارش کے قطرے نہیں گر رہے بلکہ وہ نئے سکے ہیں۔بڑے قطرے دس سینٹا وو اور چھوٹے قطرے پانچ کے۔بہت پرسکون اور مطمئن انداز میں اس نے کھیتوں میں پکی مکئی اور لوبیے کے پھولوں کو بارش کے پردے میں لپٹے قرار دیا۔لیکن جلد ہی تیز طوفانی ہوا چلنے لگی اور ہوا کے ساتھ ہی بڑے بڑے اولے گرنے لگے۔یہ اولے صحیح معنوں میں نئے سلور کے سکوں جیسے تھے۔لڑکے جو باہر بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ان برفانی موتیوں کو اکٹھا کرنے کے لئے بھاگے۔

"اب تو سب کچھ خراب ہونے لگا ہے۔"مرد نے شرمندگی سے وضاحت کی۔

"امید ہے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا"۔

لیکن یہ جلد ختم نہیں ہوا۔ایک گھنٹے تک اولے گھر، باغ، پہاڑی۔مکئی کے کھیتوں اور پوری وادی پر برستے رہے۔کھیت ایسے سفید ہو رہا تھا جیسے نمک سے ڈھکا ہو۔درختوں پر ایک بھی پتہ باقی نہیں رہا تھا۔مکئی مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی لوبیے کے پھول غائب ہو چکے تھے۔لینچو کی روح کی گہرائیوں تک اداسی بھر گئی۔جب طوفان ختم ہوا تو اس نے کھیت کے درمیان کھڑے ہو کر بیٹے سے کہا۔"ٹڈیوں کے طاعون سے اس سے بہتر بچت ہو جاتی ہے۔اولوں نے کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ اس سال ہمارے پاس نہ مکئی ہے نہ لوبیا۔"

وہ رات بہت اداس رات تھی۔

"ہمارا سارا کام بیکار گیا"

"کوئی بھی تو نہیں جو ہماری مدد کرے"

"اس سال ہم سب بھوکے رہیں گے۔"

اس وادی میں واقع اس اکلوتے گھر کے سارے مکینوں کے دلوں میں ایک ہی امید تھی۔خدا کی مدد" اتنے پریشان نہ ہوں۔اگر چہ بظاہر نقصان بھرپور ہے لیکن یاد رکھو، کبھی کوئی بھوک سے نہیں مرا۔"

"یہی کہاوت ہے: کوئی بھوک سے نہیں مرتا۔۔۔۔۔۔"

ساری رات لینچو اپنی آخری امید کے بارے میں سوچتا رہا۔ خدا کی مدد

"اس کی آنکھیں سب کچھ دیکھ لیتی ہیں۔ وہ بھی جو انسان کے باطن میں دور کہیں پوشیدہ ہوتا ہے۔" یہی اسے سکھایا گیا تھا۔

لینچو بیل کی طرح طاقت ور تھا۔ وہ اپنے کھیتوں میں جانوروں کی طرح کام کرتا تھا۔ تاہم اسے لکھنا بھی آتا تھا۔

اگلے اتوار طلوع فجر کے ساتھ ہی وہ اس یقین پر پہنچ گیا تھا کہ کوئی "محافظ" ہے۔ وہ خط لکھنے بیٹھ گیا۔ جسے وہ خود شہر جا کر ڈاک کے حوالے کرے گا۔ یہ خط خدا کے نام تھا۔

"اے خدا" اس نے لکھا۔

"اگر تم نے میری مدد نہیں کی۔ تو میں اور میرا خاندان اس سال بھوکے رہیں گے۔ مجھے ایک سو پیسوں کی ضرورت ہے۔ تاکہ میں دوبارہ فصل بو سکوں۔ اور فصل کے تیار ہوتے تک گزر بسر کر سکوں۔ کیوں کہ اولوں کے طوفان۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

لفافے کے اوپر اس نے لکھا۔

"خدا کے لئے"

خط لفافے کے اندر رکھا، اور شہر چل پڑا۔ ڈاکخانے پہنچ کر لفافے پر ٹکٹ لگایا اور اسے ڈاک کے ڈبے میں ڈال دیا۔

ڈاک خانے کے ایک ملازم جو ڈاکیا ہونے کے علاوہ ڈاکخانے کے اور چھوٹے موٹے کام بھی کرتا تھا۔ یہ خط لے کر خوشدلی سے قہقہے لگاتا پوسٹ ماسٹر کے پاس پہنچا۔ اسے خدا کے نام کا خط دکھایا۔ بطور ڈاکیا اپنے پیشے کے دوران وہ اس ایڈریس سے واقف نہیں تھا۔۔ پوسٹ ماسٹر ایک موٹا خوش مزاج شخص تھا۔ وہ بھی خوش دلی سے ہنسنے لگا۔ لیکن فوراً" ہی سنجیدہ ہوتے ہوئے خط اپنے میز پر پھینکا اور بولا ۔ "کیا اعتقاد ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرا اعتقاد بھی اس خط لکھنے والے جیسا ہو۔ اتنا اعتماد: اتنی امید کہ خدا کے ساتھ خط و کتابت۔" چنانچہ اس غیر معمولی اعتقاد کو، جو اس خط سے ظاہر ہو رہا تھا۔ جو اپنی منزل پر نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔ مایوسی سے بچانے کے لئے پوسٹ ماسٹر کو ایک خیال سوجھا: خط کا جواب۔

لیکن جب اس نے خط کھولا، تو اس پر واضح ہوا کہ اس کا جواب دینے کے لئے نیک،

خواہشات، سیاہی اور کاغذ سے کچھ زیادہ، کی ضرورت ہے۔ لیکن وہ اپنے ارادے پر ڈٹا رہا۔ اس نے ملازمین سے مطلوبہ رقم میں حصہ ڈالنے کا کہا۔ اس نے اپنی تنخواہ سے رقم ڈالی۔ اس کے بہت سے دوستوں نے بھی اس خیراتی عمل میں تعاون کیا لیکن پھر بھی اس کے لئے لینچو کے طلب کردہ ایک سو پیسے جمع کرنا ممکن نہیں ہوا۔ وہ صرف آدھے سے کچھ اوپر رقم اس کسان کو بھیج سکا۔ اس نے رقم کے بلز لفافے میں رکھے، لینچو کا ایڈریس لکھا اور صرف ایک لفظ بطور دستخط لکھا۔:

"خدا"

اگلے اتوار لینچو معمول سے قبل ڈاکخانے پہنچ گیا۔ اس کے نام آنے والے کسی بھی خط کا پوچھا۔ ڈاکیے نے اسے خط دیا۔ جب کہ پوسٹ ماسٹر اپنے اچھے کام سے مطمئن اپنے دفتر کے دروازے سے اسے دیکھتا رہا۔

لینچو نے رقم دیکھ کر ذرا بھی حیرانی کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا اعتماد اتنا قوی تھا لیکن رقم گننے کے بعد وہ غصے میں آ گیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خدا غلطی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔نہ ہی اس کی درخواست رد کر سکتا تھا۔

فوراً ہی لینچو کھڑکی پر پہنچا، کاغذ اور سیاہی مانگی۔ لوگوں کے لکھنے کے لئے رکھے میز پر اس نے لکھنا شروع کیا۔ ماتھے پر تیوری چڑھائے اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں وہ مشکل سے دوچار تھا۔ کھڑکی سے ٹکٹ لئے۔ انہیں زبان سے چاٹ کر لفافے پر چپکایا اور ڈاک کے ڈبے میں ڈال دیا۔

جونہی لفافہ ڈاک میں پہنچا پوسٹ ماسٹر اسے کھولنے کے لئے بھاگا۔ اس میں لکھا تھا۔

"اے خدا جو رقم میں نے مانگی تھی، مجھے اس میں سے ستر پیسے ملے ہیں، مجھے بقایا رقم بھیج دیں کیوں کہ مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔ لیکن بذریعہ ڈاک نہ بھیجنا، کیوں کہ ڈاکخانے کے ملازمین بدمعاشوں کا گروہ ہیں"

○

نوٹ: ٹڈیوں کا طاعون کا مطلب ٹڈی دل کا حملہ ہے۔ مصنف کی زبان میں کرنسی pesos ہے جسے ترجمہ میں پیسے لکھا ہے۔

تعارف مصنف: اینٹن چیخوف

اینٹن پاولوچ چیخوف 16 / 29 جنوری 1860 کو جنوبی روس میں روسٹوو/Rostove کے قریب تیس ہزار کی آبادی والے قصبے Taganrog / تاگنراگ میں پیدا ہوا۔اس کا باپ پا ویل ییگو رووچ ایک آزاد کردہ غلام کا بیٹا تھا۔چیخوف کا بچپن انتہائی عسرت میں گزرا، وہ اسے ہمیشہ بھلانے کی کوشش میں رہا۔وہ اپنے باپ کو اپنی بیوی ییو گینیا کے ساتھ کنجوسی پر موردالزام ٹھہراتا ہے۔اس کا باپ اپنے بچوں کے ساتھ بھی سختی کرتا۔آدھی رات کو انہیں جگا کر چرچ سروس کی ریہرسل کرنے پر مجبور کرتا۔اپنے باپ کے منافقانہ مذہبی اور مذہب روے کے باعث چیخوف کبھی مذہب کی طرف متوجہ نہ ہوا۔وہ اپنی موت تک Humanitarian agnostic / انسان دوست ملحد رہا۔

چیخوف اور اس کے بھائی کو پہلے یونانی چرچ سکول میں داخل کیا گیا۔لیکن جلد ہی انہیں معمولی مقامی سیکنڈری سکول منتقل کر دیا گیا، تاکہ وہ کچھ عملی فن سیکھ سکیں۔چونکہ شام کو اسے باپ کی کریانہ کی دکان پر منجمد کر دینے والی ٹھنڈ میں بیٹھنا پڑتا تھا، جس کے باعث وہ سکول سے دیا گیا ہوم ورک نہ کر سکتا۔اس وجہ سے اس نے سکول میں آٹھ کی بجائے دس سال لگائے۔اسی عمر سے اسے تھیٹر سے دلچسپی ہو گئی تھی۔چھوٹے موٹے کردار کی ایکٹنگ کر کے وہ اپنے اخراجات خود اٹھانے کے قابل ہو گیا تھا۔1879 میں وہ ماسکو چلا گیا، وہاں یونیورسٹی کے میڈیکل کے شعبے میں داخل ہو گیا۔1884 میں گریجویشن کے بعد بہت سی ادبی شخصیات نے چیخوف کو سنجیدہ ادب لکھنے پر مائل کیا۔1890 میں چیخوف نے سزا یافتہ مجرموں کے جزیرے سخالین کا سفر کیا، جس دوران اس

نے پورا سائبیریا بزریعہ کوچ دیکھا۔اس سفر سے واپسی پر اس نے میلی خوف کے مقام پر کچھ جائیداد خریدی۔چیخوف نے زیادہ تر ادبی کام اس جگہ پر کیا۔1901 میں ایکٹرس اولگا نیپر سے شادی کی۔2 جولائی 1904 میں ٹی بی کے مرض میں مبتلا ہو کر جرمنی کے پر فضا مقام بیڈن ویلر میں فوت ہو گیا۔ چیخوف بطور انسان اور چیخوف بطور مصنف میں تفریق نہیں کی جا سکتی۔سارا یورپ اسے بطور ڈرامہ نویس اور سارا روس اسے بطور افسانہ نگار کے جانتا تھا۔اس کے ادب کا پیغام تھا۔

"خواتین و حضرات آپ غلط زندگی گزار رہے ہیں"

O

غنودگی

(Sleepy)

رات ۔وارکا، چھوٹی سی ۱۳ سالہ نرس، ایک جھولا جھلا رہی ہے جس میں بچہ لیٹا ہوا ہے، وہ زیرلب لوری گنگنا رہی ہے۔

چھوٹا سا سبز رنگ کا لیمپ مقدس شبیہ کے سامنے جل رہا ہے۔کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک رسی بندھی ہے، جس پر بچے کے کپڑے اور ایک بڑا پاجامہ لٹک رہا ہے ۔لیمپ سے چھت پر ایک بڑا سبز دھبہ بن رہا ہے۔ بچے کے کپڑوں اور پاجامہ سے چولھے، جھولے اور وارکا پر سایہ پڑ رہا ہے ۔جب لیمپ ٹمٹماتا ہے، تو سبز دھبے اور سائے میں جان پڑ جاتی ہے، اور اسی طرح ہلنے لگتے ہیں جس طرح تیز ہوا سے ہلتے ہیں ۔فضا بوجھل ہے۔گوبھی کے سوپ اور جوتوں کی دکان والی بو پھیلی ہوئی ہے۔

بچہ رو رہا ہے ۔کافی دیر سے رونے کی وجہ سے اس کا گلا رندھا ہوا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ چیختے جا رہا ہے ۔جبکہ وارکا پر غنودگی چھائی ہے ۔اس کی آنکھوں کے پپوٹے آپس میں چپکے ہوئے ہیں ۔اسکا سر جھکا ہوا ہے، گردن دکھ رہی ہے ۔اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسکا چہرہ خشک اور اکڑا ہوا ہے اسکا سر ایک پن کے سر جتنا چھوٹا ہو گیا ہے

وارکا لوری کے بول بڑبڑاتی ہے

جھینگا چولھے میں چر چر کر رہا ہے۔ ساتھ والے کمرے کے دروازے سے مالک اور اسکے شاگرد آفانسے کے خراٹوں کی آوازیں آرہی ہیں۔

جھولا چرچرا رہا ہے۔ یہ سب اور وارکا کا بڑبڑانا مل کر رات کی وہ موسیقی ترتیب دے رہے ہیں جو بستر میں دراز شخص کے لئے سننا پر لطف ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب اس/ وارکا کے لیئے باعث کوفت ہے، کیونکہ اس سے اسے نیند آرہی ہے، جبکہ اسے ہرگز سونا نہیں، اگر خدانخواستہ وارکا سو گئی تو اس کا مالک اور مالکن اسے ماریں گے

لیمپ ٹمٹماتا ہے۔ سبز دھبہ اور سائے پھر ہلنے لگتے ہیں، جس کا اثر وارکا کی ٹھہری ہوئی ادھ کھلی آنکھوں پر پڑتا ہے۔ غنودگی میں اس کا دماغ دھندلے عکس بناتا ہے

وہ دیکھتی ہے کہ آسمان پر گھرے بادل ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے ہیں اور کسی بچے کی طرح چیخ چلا رہے ہیں۔ تب ہی آندھی چلنے لگتی ہے۔ بادل غائب ہو جاتے ہیں۔ وارکا کو ایک وسیع کیچڑ سے بھری شاہراہ دکھائی دیتی ہے۔ شاہراہ پر ویگنوں کی قطاریں پھیلی ہیں، جبکہ لوگ اپنی پیٹھوں پر تھیلے لٹکائے اپنے آپ کو گھسیٹ رہے ہیں۔ سائے تیزی سے آگے۔ پیچھے ہو رہے ہیں۔ شاہراہ کے دونوں اطراف اسے سرد دھند میں سے جنگل دکھائی دیتے ہیں۔

یک دم لوگ اپنے تھیلوں سمیت اور ان کے سائے زمین پر کیچڑ میں گر پڑتے ہیں

"یہ کیوں ہوا"

وارکا پوچھتی ہے۔ "سونے کے لیئے سونے کے لیئے" وہ اسے جواب دیتے ہیں۔ اور وہ خوب گہری نیند سو جاتے ہیں۔ جبکہ کوے اور نیل کنٹھ ٹیلی گراف کی تاروں پر بیٹھے، بچے کی طرح چلاتے ہیں اور انہیں جگانے کی کوشش کرتے ہیں

وارکا پھر لوری کے بول بڑبڑاتی ہے

اب وہ اپنے آپ کو ایک تاریک متعفن جھونپڑی میں پاتی ہے۔ اس کا پیارا باپ یفیمین سٹیپانوف فرش پر دائیں بائیں تڑپ رہا ہے۔ وہ اسے دیکھ نہیں سکتی، بلکہ درد سے کراہتے ہوئے فرش پر لوٹتے ہوئے سن رہی ہے۔ "اس کا پیٹ پھٹ گیا ہے" وہ کہتا ہے۔ درد اتنا شدید ہے کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں ادا کر پا رہا۔ بمشکل سانس کھینچ رہا ہے۔ دانتوں کے کٹکٹانے سے ڈھول پیٹنے جیسی آوازیں نکال رہا ہے۔ ڈم بی بی۔ ڈم بی بی ڈم

اسکی ماں پلیگیا مالک کے گھر یہ بتانے گئی ہوئی ہے کہ ییفین مر رہا ہے۔ اسے گئے کافی وقت گزر چکا ہے۔ اب تک اسے آجانا چاہیے۔ دارکا چولھے کے پاس لیٹی جاگ رہی ہے اور باپ کے منہ سے نکلنے والی آوازیں سن رہی ہے۔ تب اسے جھونپڑی کے قریب کسی گاڑی کے رکنے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ یہ قصبے کا نوجوان ڈاکٹر ہے، جسے بڑے گھر والوں نے بھیجا ہے۔ ڈاکٹر جھونپڑی میں داخل ہوتا ہے، تاریکی میں اسے دیکھا نہیں جا سکتا، لیکن اسے کھانستے ہوئے اور دروازہ تیزی سے بجاتے ہوئے سنا جا سکتا ہے

"کوئی موم بتی جلاؤ" وہ آواز دیتا ہے۔

ڈیم۔ڈم۔ ییفین جواب دیتا ہے۔ پلیگیا چولھے کے پاس دوڑتی جاتی ہے۔ ٹوٹا ہوا ماچس کا برتن ڈھونڈتی ہے۔ اسی خاموشی میں ایک منٹ گزر جاتا ہے۔ ڈاکٹر اپنے جیب سے ماچس نکال کر جلاتا ہے۔ "ایک منٹ جناب۔ ایک منٹ" پلیگیا یہ کہتے ہوئے جھونپڑی سے باہر بھاگتی ہے، اور جلد ہی موم بتی لئے واپس آتی ہے

ییفین ایسے دیکھتا ہے جیسے وہ ڈاکٹر اور جھونپڑی کے آر پار دیکھ رہا ہو۔ "کیا ہوا تم کیا سوچ رہے ہو؟" ڈاکٹر اسکے اوپر جھکتے ہوئے پوچھتا ہے۔ "کیا؟ مر رہا ہوں عزت مآب، میرا وقت آ پہنچا ہے۔ زندوں میں میرا قیام ختم ہو چکا ہے"

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو ہم تمہارا علاج کریں گے"

"جیسے آپکی خوشی جناب، ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ موت آئی کھڑی ہے"

ڈاکٹر کوئی پون گھنٹہ ییفین کا معائنہ کرنے کے بعد سیدھا کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے، "میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں ہسپتال جانا چاہئے۔ جہاں وہ تمہارا آپریشن کریں گے، جلدی کرو پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے، ہسپتال میں سب سو جائیں گے۔ خیر کوئی فرق نہیں پڑتا، میں تمہیں لکھ دوں گا۔ سن رہے ہو نا!"

"مہربانی جناب! لیکن یہ کیسے جا سکتا ہے؟ ہمارے پاس گھوڑا نہیں ہے" پلیگیا کہتی ہے

"فکر نہیں کرو۔ میں تمہارے مالک سے کہوں گا وہ گھوڑا بھیج دے گا" ڈاکٹر چلا جاتا ہے موم بتی بجھا دی جاتی ہے۔ اور وہی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ ڈم۔ڈم بی بی ڈم۔

ادھ گھنٹے بعد گھوڑا گاڑی ییفین کو ہسپتال لے جانے کے لئے آجاتی ہے وہ تیار ہو کر جاتا ہے۔

اب صبح ہو چکی ہے۔ پلیگیا گھر پر نہیں ہے۔ وہ ہسپتال ییفین کی خیریت دریافت کرنے گئی ہوئی ہے۔ دور کہیں بچہ رو رہا ہے۔ اور وارکا کو اپنی ہی آواز میں کوئی لوری گنگناتے سنائی دیتا ہے۔ پلیگیا واپس آجاتی ہے۔" رات انہوں نے اسے آرام سے سلا دیا تھا لیکن صبح اس نے اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔ آخرت کی بادشاہت اسکی ہو اور اسے ابدی سکون نصیب ہو"

وہ کہتے ہیں " بہت دیر ہو چکی تھی، اسے جلدی آنا چاہیے تھا۔ وارکا سڑک پر نکل کر روتی ہے۔ لیکن اچانک کوئی اسکے سر کے پیچھے سے اتنی زور سے مارتا ہے کہ اسکی پیشانی سندر گے درخت سے جا ٹکراتی ہے۔ وہ اپنی نظریں اٹھاتی ہے اور اپنے مالک جفت ساز کو سامنے پاتی ہے۔" تم کیا چیز ہو چنڈال چھوکری؟ بچہ رو رہا ہے اور تم سوئی پڑی ہو" پھر وہ اسے کان کے پیچھے تھپڑ مارتا ہے۔ وہ اپنا سر جھٹکتی ہے، جھولے کو جھلاتی ہے اور لوری گانے لگتی ہے

سبز دھبہ اور کپڑوں کے سائے اوپر نیچے ہلتے ہیں، اسے ہال کا اشارہ کرتے ہیں اور اس کے ذہن کو پھر اپنے اثر میں لے لیتے ہیں

وہ دوبارہ اسی شاہراہ کو کیچڑ سے ڈھکا دیکھتی ہے، لوگ اپنے تھیلوں سمیت اور سائے گہری نیند سوئے پڑے ہیں، انہیں دیکھ کر وارکا کا بھی سونے کے لئے دل مچلتا ہے۔ وہ بخوشی سو جاتی مگر اسکی ماں اس کے ساتھ چل رہی ہے۔ وہ تیز قدموں سے شہر کی جانب روزگار کی تلاش میں رواں دواں ہیں۔ اسکی ماں لوگوں کو عیسٰی کا واسطہ دے کر بھیک مانگتی ہے" ہمارے اوپر رحم کرو۔ اے رحم دل لوگو"

"بچہ مجھے دے دو۔" مانوس سی آواز سنائی دیتی ہے۔ "بچہ مجھے دے دو" وہی آواز غصے اور سختی سے دہراتی ہے۔" کیا تم پھر سو گئیں؟ کم بخت منحوس لڑکی"

وارکا اچھل کر کھڑی ہوتی ہے۔ ارد گرد دیکھ کر صورتحال کا اندازہ لگاتی ہے۔ وہاں نہ کوئی شاہراہ ہے۔ نہ پلیگیا، نہ اور لوگ، وہاں صرف اور صرف اسکی مالکن ہے، جو بچے کو فیڈ کرانے آئی ہے۔ اور کمرے کے درمیان میں کھڑی ہے۔ جتنی دیر وہ مضبوط، چوڑے شانوں والی عورت بچے کو دودھ پلاتی ہے، وارکا اس کے جانے کی منتظر کھڑی رہتی ہے

کھڑکیوں سے باہر رات کی بوجھل ہوا نسیم سحر میں بدل چکی ہے۔ چھت پر سبز دھبہ اور سائے مدھم ہو رہے ہیں۔ صبح قریب ہے۔

"بچہ اٹھالو" مالکن بچے کو دودھ پلا کر اٹھتی ہے۔ اپنے کپڑے درست کرتی ہے۔ بچہ رو

رہا ہے۔ وارکا بچے کو جھولے میں ڈال کر اسے جھلانا شروع کر دیتی ہے۔ سبز دھبے اور سائے آہستہ آہستہ غائب ہو جاتے ہیں۔ اب وہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اسکی آنکھوں کو بوجھل اور اس کے دماغ کو غبار آلود کرے۔ لیکن پھر بھی وہ پہلے کی طرح غنودگی میں ہے۔ وارکا اپنا سر جھولے کے کنارے ٹکاتی ہے۔ غنودگی سے باہر نکلنے کے لیئے اپنے پورے جسم کو جھٹکتی ہے۔ لیکن پھر بھی اسکی آنکھیں آپس میں چپکی ہوئی ہیں اور اسکا سر بوجھل ہے۔

"وارکا چولھے جلاؤ" دروازے سے اسے مالک کی آواز سنائی دیتی ہے۔ تو اب جاگنے اور کام شروع کرنے کا وقت ہو گیا ہے۔ وارکا جھولے کو چھوڑ کر باہر لکڑی لینے جاتی ہے۔ وہ اب خوش ہے کہ جب انسان بھاگ دوڑ میں مصروف ہو تو اسے نیند نہیں آتی جتنی بیٹھے رہنے سے آتی ہے۔ وہ لکڑی لا کر چولھا جلاتی ہے اور محسوس کرتی ہے کہ اسکا اکڑا ہوا چہرا نرم پڑ گیا ہے۔ اسکے ذہن پر چھائی دھند چھٹ رہی ہے۔ اسکی سوچیں واضح ہو رہی ہیں۔

"وارکا سماوار تیار کرو" اسکی مالکن چلاتی ہے۔ وہ بمشکل لکڑی کے ٹکڑوں کو آگ لگاتی ہے اور انگارے سماوار میں رکھتی ہے کہ نیا حکم سنائی دیتا ہے۔ "وارکا صاحب کے جوتے صاف کرو"۔ وہ فرش پر بیٹھ کر جوتے صاف کرنے لگتی ہے، اور سوچتی ہے، کہ اگر وہ اپنا سر ایک بڑے جوتے کے اندر ڈال کر تھوڑی سی اونگھ لے لے تو کتنا مزہ آئے اچانک جوتا پھول کر بڑا ہو کر پورے کمرے کو بھر دیتا ہے۔

وارکا سے برش گر جاتا ہے۔ فوراً سر کو جھٹکتی ہے آنکھیں کھولتی ہے اور اپنے گرد و پیش پہ نظر ڈالتی ہے تاکہ چیزیں پھیل کر بڑی نہ ہوں۔

"وارکا باہر سیڑھیاں دھو چھوڑو، جب گاھک دیکھتے ہیں تو سخت شرمندگی ہوتی ہے۔" وارکا سیڑھیاں دھوتی ہے، کمروں میں جھاڑو لگا کر گرد پونچھتی ہے۔ پھر چولھا جلاتی ہے، بھاگ کر دکان پر جاتی ہے۔ اتنے بے تحاشا کام ہیں کہ اسے ایک لمحے کی فرصت نہیں۔ لیکن کچن میں ایک ہی جگہ میز کے پاس کھڑے ہو کر آلو چھیلنے سے زیادہ کوئی کام مشکل نہیں، اسکا سر میز پر جھک جاتا ہے آلو اسکی آنکھوں کے آگے ناچنے لگتے ہیں۔ جب اسکی مالکن باز و چڑھائے تیز تیز بولتی اس کے پاس سے گزری، اسکے ہاتھ سے چاقو گر پڑا، اسکے کانوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں

سب سے زیادہ اذیت ناک وہ انتظار ہوتا ہے جو اسے رات کے کھانے کے بعد دھونے اور سینے کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت اسکی خواہش ہوتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھوڑ کے

فرش پر لیٹ جائے اور سو جائے۔ دن گزر جاتا ہے کھڑکیوں میں تاریکی چھانی شروع ہو جاتی ہے۔ وارکا اپنی کنپٹیوں کو سہلاتی ہے جو اسے لکڑی کی بنی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ بلاوجہ مسکراتی ہے۔ شام کا دھندلا اس کی آنکھوں کو سکون پہنچاتا ہے جنہیں کھولے رکھنا محال ہے

شام ہوتے ہی مہمان آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ "وارکا سماوار تیار کرو" مالکن چلائی۔ سماوار بہت چھوٹا ہے۔ تمام مہمانوں کے لئے چائے بننے کے لئے اسے پانچ مرتبہ گرم کرنا پڑتا ہے۔ چائے کے بعد وارکا ایک گھنٹہ ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر مہمانوں کو دیکھتی رہتی اور مزید احکامات کی منتظر رہتی ہے۔

"وارکا بھاگ کر جاؤ اور تین بوتل بیئر لے آؤ"۔ وہ دوڑنے کی کوشش کرتی ہے۔ تاکہ نیند کو بھگا سکے۔"

"وارکا تھوڑی واڈکا لے آؤ"

"وارکا پیچ کس لے آؤ"

"وارکا مچھلی لے آؤ"

آخر کار مہمان رخصت ہو جاتے ہیں۔ روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں۔ مالک اور مالکن سونے چلے جاتے ہیں۔ وہ آخری حکم سنتی ہے۔

"وارکا بچے کو جھولا جھلاؤ"

جھینگر چولہے میں چرچرا رہا ہے۔ چھت پر سبز دھبہ اور کپڑوں کے سائے وارکا کی آدھ کھلی آنکھوں اور دماغ کو بوجھل کر رہے ہیں۔

وارکا لوری کے بول بڑبڑاتی ہے۔ بچہ چلا رہا ہے۔ مسلسل چلانے سے تھک جاتا ہے۔ وارکا دوبارہ کیچڑ زدہ شاہراہ، تھیلے اٹھائے ہوئے لوگ، اپنی ماں اور اپنے باپ کو دیکھتی ہے۔ اسے ہر بات سمجھ آ رہی ہے۔ ہر ایک کو پہچان رہی ہے۔ لیکن غنودگی میں سمجھ نہیں پاتی کہ کوئی قوت ہے جو اسکے ہاتھ پاؤں باندھے ہوئے ہے۔ نیند گراں گزر رہی ہے۔ وہ اپنے اردگرد متلاشی نظروں سے دیکھتی ہے، اس قوت کو تلاشتی ہے تاکہ وہ نجات حاصل کر سکے لیکن ناکام رہتی ہے۔ بلاخر تھکاوٹ سے نیم مردہ، اپنی پوری قوت آنکھوں پر صرف کر کے اوپر جھلملاتے سبز ٹکڑے کو دیکھتی ہے اور چیخ و پکار کو سنتے ہوئے اپنے دشمن کو پا لیتی ہے جو اسے سونے نہیں دیتا

"وہ دشمن یہ بچہ ہے"

وہ ہنستی ہے۔ اسے یہ چھوٹی سی بات پہلے سمجھ آنے پر حیرانی ہوتی ہے۔ سبز دھبے، سائے اور جھینگر بھی ہنستے اور حیران ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔

واہمہ وارکا کو دبوچ لیتا ہے۔ وہ اپنے سٹول سے اٹھتی ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ پھیلائے، بغیر آنکھیں جھپکائے وہ کمرے میں ٹہلتی ہے۔ وہ خوش ہوتی ہے کہ وہ بچے سے جس نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں، نجات حاصل کرے گی.......

بچے کو قتل کرو اور سو جاؤ.........سو جاؤ..........سو جاؤ.....

قہقہے لگاتے ہوئے آنکھیں جھپکتے ہوئے وارکا جھولے کے پاس جاتی ہے۔ بچے پر جھکتی ہے۔ جب وہ بچے کا گلا گھونٹ چکتی ہے تو فوراً فرش پر لیٹ جاتی ہے۔ خوشی سے کھلکھلاتی ہے کہ اب وہ سو سکے گی۔ اور لمحے بعد وہ مردے کی طرح گہری نیند سو رہی تھی

○

ایک بدھو

(Nincompoop)

کچھ دن قبل میں نے اپنے بچوں کی گورنس جولیا ویسلو ینہ کو اپنی سٹڈی میں بلایا۔ "بیٹھ جاؤ جولیا ویسلو ینہ!" میں نے کہا۔

"آؤ ہم آپس میں حساب کتاب کرلیں، اگرچہ تمھیں پیسوں کی سخت ضرورت ہے لیکن تم تکلفاً کوئی تقاضہ نہیں کروگی۔۔ہمارے درمیان تیس روبلز ماہانہ طے پائے تھے۔۔۔۔۔۔"

"چالیس"

"نہیں بی بی تیس میں نے یادداشت کے طور پر لکھ لیا تھا۔ میں ہمیشہ گورنس کو تیس روبلز ہی دیتا ہوں۔۔تمھیں یہاں دو ماہ ہو چکے ہیں"۔

"دو ماہ اور پانچ دن۔۔"

"ٹھیک دو ماہ۔۔میں نے اسے خاص طور پر لکھا تھا۔ اس کا مطلب ہوا کہ تمھیں ساٹھ روبلز ملنے چاہئیں۔

نو اتوار نکال دو۔۔۔۔۔۔تمھیں معلوم ہے کہ تم اتوار کو کولیا کو نہیں پڑھاتی بی بی تم صرف چہل قدمی کرتی ہو۔ اور تین چھٹیاں۔۔۔۔۔۔"

جولیا ویسلو ینا کا چہرہ بے عزتی کے احساس سے سرخ ہوگیا۔ اس نے اپنے لباس کے دامن کو چھوا، لیکن ایک لفظ بھی نہیں بولی۔

" تین چھٹیاں، اس لیئے بارہ روبلز نکال دو۔ چار دن کولیا بیمار تھا اور پڑھائی نہیں ہوئی۔ تم صرف وانیا کے ساتھ مصروف رہیں۔ تین دن تمہارے دانت میں درد رہا اور میری بیوی نے تمہیں لنچ کے بعد کام نہ کرنے کی اجازت دے دی۔ بارہ اور سات منفی کرو تو بچے اکیالیس روبلز۔ درست؟"

جولیا ویسلو ینا کی بائیں آنکھ سرخ ہو کر نم ہو گئی۔ اس کی ٹھوڑی کانپی، مضطرب ہو کر کھانسی، ناک صاف کیا لیکن ایک لفظ نہ بولی۔

" نئے سال کی تقریبات کے دوران تم نے ایک پرچ اور پیالی توڑ دی۔ دو روبلز نکال دو، اگرچہ پیالی کی قیمت زیادہ بنتی ہے۔ کیونکہ وہ موروثی تھی۔ خیر جانے دو میں نے کب نقصان برداشت نہیں کیا۔؟ تمہاری غفلت کی وجہ سے کولیا درخت پر چڑھا اور اپنی جیکٹ پھاڑ لی۔ دس روبلز نکال دو۔ اور پھر تمہاری لاپرواہی کی وجہ سے نوکرانی نے وانیا کے جوتے چرا لیئے۔ تمہیں ہر چیز پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس کا مطلب ہوا کہ پانچ روبلز مزید کم ہو گئے۔ دس جنوری کو میں نے تمہیں دس روبلز دیئے —"

" آپ نے نہیں دیئے۔" جولیا ویسلو ینا بیچارگی سے بولی۔

"لیکن میرے پاس لکھا ہوا ہے"

"چلیں ٹھیک ہے"

" ستائیس روبلز چالیس روبلز سے نکال دو باقی بچے چودہ"

دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ چھوٹی سی خوبصورت ناک پر پسینہ نمودار ہوا۔ بے چاری لڑکی!

" صرف ایک دفعہ مجھے کچھ رقم دی گئی" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ "اور وہ بھی آپ کی بیوی نے دی۔ تین روبلز ۔۔۔ بس۔ اس سے زیادہ نہیں"۔

" واقعی؟ دیکھو ۔۔۔۔ تم ۔۔۔۔ یہ تو میں نے لکھا ہی نہیں۔ چودہ میں سے تین روبلز منہا کرو باقی بچے گیارہ۔ یہ رہے گیارہ روبلز۔" میں نے اسے گیارہ روبلز پکڑا دیئے۔ اس نے وہ لیئے اور کانپتے ہاتھوں سے انہیں جیب میں ڈالا۔

"شکریہ" وہ آہستہ سے بولی۔

میں اچھل پڑا۔ اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میں غصے سے بھر گیا۔ میں نے پوچھا۔

"شکریہ ۔۔۔؟ کس لیئے؟"

"رقم کے لئیے"۔

"لیکن تم جانتی ہو میں تمہیں دھوکا دے رہا ہوں۔اللہ کا واسطہ میں نے تمہیں لوٹا ہے۔ حقیقتن میں تمہارے پیسے چوری کر رہا ہوں۔

"پھر یہ کیسا شکریہ؟"۔

"دوسری جگہوں پر جہاں میں نے کام کیا انہوں۔نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا"

"انہوں نے تمھیں کچھ نہیں دیا؟ کوئی تعجب نہیں"۔

میں نے تم سے مذاق کیا۔ایک تلخ سبق سکھانے کے لئیے۔میں تمہیں پورے اسی روبلز دے رہا ہوں۔یہ رہے اس لفافہ کے اندر پہلے سے موجود۔۔۔۔۔۔۔کیا کوئی اتنا کمزور اور بزدل بھی ہو سکتا ہے؟ تم احتجاج کیوں نہیں کرتیں۔چپ کیوں رہو۔کیا اس دنیا میں کوئی ایسا بھی ہے۔جو اپنا دفاع نہ کرے۔

"اتنا بدھو"

وہ بے چارگی سے مسکرائی اور میں نے اس کے چہرے کے تاثرات پڑھے۔

"یہ ممکن ہے"

میں نے اس سے اس تلخ مزاق کے لئیے معافی مانگی۔اسے اسی روبلز دے کر ششدر کر دیا۔

اس نے بہت دفعہ عاجزانہ شکریہ۔۔۔شکریہ دہرایا اور باہر نکل گئی۔میں نے اسے جاتے ہوے دیکھا اور سوچا!

اس دنیا میں کمزور کو دبانا کتنا آسان ہے۔

○

(اینٹن چیخوف)

لاٹری ٹکٹ

(A Lottery Ticket)

ایوان دمتریچ ایک مڈل کلاس آدمی تھا۔ اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا کل بارہ سو سالانہ آمدنی تھی جس پر وہ صابروشاکر تھا۔ شام کا ہلکا پھلکا کھانا کھانے کے بعد صوفے پر اخبار پڑھنے بیٹھ گیا۔

"میں تو آج صبح اخبار پڑھنا بھول ہی گئی۔" اس کی بیوی نے اسے میز صاف کرتے ہوئے مخاطب کیا۔

"دیکھو کیا قرعہ اندازی کی لسٹ آئی ہے"؟

"او، ہاں رے، لیکن کیا تمھارے ٹکٹ کا وقت ختم نہیں ہو گیا؟"

"نہیں، میں نے منگل ہی کو منافع لیا ہے"

"نمبر کیا ہے"؟

"سیریز 9,499 نمبر 26"

"ٹھیک دیکھتے ہیں"

ایوان دمتریچ لاٹری پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اصولاً وہ لسٹ دیکھنے پر راضی نہ ہوتا لیکن اس وقت وہ بلکل فارغ تھا، اور اخبار اس کی آنکھوں کے سامنے۔ اس نے نمبروں کے کالم پر اوپر

سے نیچے انگلی پھیری. فوراً ہی جیسے اس کے شکوک وشبہات کا تمسخر اڑانے کے لئے اوپر سے دوسری لائین پر اس کی نگاہیں 9,499 پر رک گئیں۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اخبار اس کے گھٹنوں پر سے پھسل گیا۔ ٹکٹ کا نمبر دیکھے بغیر، جیسے اسے کسی نے ٹھنڈے پانی کی پھوارے نہلا دیا ہو، اس نے معدے میں خوشگوار سی ٹھنڈک محسوس کی۔ "ماشا! 9,499 تو یہاں ہے" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بالکل خالی تھی۔

اس کی بیوی نے اس کے حیرت زدہ اور گھبرائے ہوئے چہرے کو دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ مذاق نہیں کر رہا۔

زرد پڑتے ہوئے تہہ کیا ہوا میز پوش واپس میز پر گراتے ہوئے اس نے پوچھا "499,9"

"ہاں...... ہاں... واقعی..."

"اور ٹکٹ نمبر"؟

"او.. ہاں.. ٹکٹ کا نمبر بھی لکھا ہے۔ لیکن رکو.. ذرا انتظار کرو۔ سیریز نمبر تو ہمارا ہی ہے۔ بہر حال—"

بیوی کو دیکھتے ہوئے ایوان دمتریچ مسکرایا، اس بچے کی طرح جسے کوئی روشن چمکدار چیز مل گئی ہو۔ اس کی بیوی بھی مسکرائی، دونوں ٹکٹ نمبر دیکھے بغیر خوش تھے۔ مستقبل کی خوش بختی کی امید تھی ہی اتنی مزے کی اور سنسنی خیز۔

کافی دیر خاموش رہنے کے بعد دمتریچ نے پھر کہا، "سیریز تو ہماری ہی ہے۔ اس لئے امید ہے، ہم جیتیں ہیں۔ یہ محض امید ہی ہے، پر ہے تو سہی۔"

"اچھا دیکھو"!

"ذرا صبر کرو۔ ناامید ہونے کے لئے کافی وقت پڑا ہے، اوپر سے دوسری لائین ہے۔ انعام پچھتر ہزار ہے۔ یہ رقم نہیں، طاقت اور سرمایہ ہے۔ ایک منٹ میں میں لسٹ دیکھوں گا۔ پھر بی بی-26- آہا۔"

"میں کہتا ہوں اگر ہم واقعی جیت گئے تو........"

میاں بیوی ہنسنے لگے اور ایک دوسرے کو خاموشی سے گھورنے لگے۔ جیتنے کی امید نے انہیں حیران و پریشان کر دیا تھا۔

وہ نہ کہہ سکتے تھے نہ خواب دیکھ سکتے تھے کہ انہیں یہ پچھتر ہزار کس لئے چاہئیں؟ وہ کیا خریدیں گے؟ وہ کہاں جائیں گے؟ وہ صرف 9.499 اور پچھتر ہزار کے بارے میں ہی سوچ رہے تھے۔ چشم تصور سے دیکھ رہے تھے لیکن اس خوشی کے بارے میں نہیں سوچ رہے تھے جو ممکن ہو سکتی تھی۔

ایوان دمتریچ اخبار ہاتھ میں پکڑے ایک سرے سے دوسرے تک ٹہل رہا تھا۔ اور جب وہ پہلے جھٹکے سے نکلا تو اس نے خواب دیکھنے شروع کئے۔

"اگر ہم جیت گئے" اس نے کہا: "یہ ایک نئی زندگی ہوگی، مکمل کایا پلٹ۔ ٹکٹ تمہارا ہے اگر یہ میرا ہوتا تو میں سب سے پہلے پچیس ہزار کی جائیداد خریدتا۔ دس ہزار فوری اخراجات کے لئے، جیسے گھر کی نئی سجاوٹ۔۔۔۔۔۔سیر و تفریح۔۔۔۔۔۔قرض کی ادائیگی وغیرہ وغیرہ۔ باقی چالیس ہزار بنک میں رکھ دیتا اور منافع لیتا۔"

"ہاں۔۔۔جائیداد۔۔۔اچھا خیال ہے" اس کی بیوی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہاتھ اپنی گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

"تولا یا اوریول صوبوں میں کہیں۔۔۔سب سے پہلی بات ہمیں دیہاتی بنگلہ نہیں چاہیے۔ بلکہ آمدنی میں اضافہ کا سوچنا چاہیے۔"

اس طرح کے خیالات اس کے دماغ پر چھانے لگے۔ ہر ایک پہلے سے زیادہ دلفریب اور شاعرانہ۔ ان تمام تصورات میں وہ اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ پلا ہوا، پرسکون، صحت مند اور گرم محسوس کرتا۔

گرمیوں کا برف کی طرح ٹھنڈا مشروب پی کر وہ اپنی پشت کے بل ندی کنارے گرم ریت پر یا کسی باغ میں لیموں کے درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اس کا چھوٹا بیٹا اور بیٹی پاس ہی رینگ رہے ہیں۔ یا تو وہ ریت کھود رہے ہیں یا باغ میں تتلیاں پکڑ رہے ہیں۔ وہ پرسکون اونگھ رہا ہے۔ ان احساسات کے ساتھ کہ اسے آج کل یا پرسوں بھی دفتر نہیں جانا۔ یا بے کار لیٹے رہنے سے اکتا کر وہ خشک گھاس کے میدان یا کھمبیوں کے جنگل چلا جاتا ہے۔ یا پھر کسانوں کو جال سے مچھلیاں پکڑتے دیکھتا۔ جب سورج غروب ہوتا وہ تولیہ اور صابن لے کر ٹہلتا ٹہلتا غسل کے لئے چلا جاتا۔ جہاں آرام سے کپڑے اتارتا۔ آہستہ آہستہ اپنے ننگے سینے کو ہاتھوں سے ملتا اور پانی میں گھس جاتا۔ پانی میں شفاف صابن کے دائروں کے قریب چھوٹی مچھلیاں متحرک رہتیں۔ اور آبی پودے سر

اٹھائے ہوتے۔ نہانے کے بعد بالائی والی چائے کے ساتھ ملک رول کا دور چلتا.........
شام میں چہل قدمی یا ہمسایوں کے ساتھ گپ شپ۔

"ہاں، جائیداد خریدنا اچھا رہے گا" بیوی نے کہا۔ وہ بھی خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ اپنے خیالات سے خوش ہے۔

ایوان دمتریچ نے خزاں کی بارشوں کا تصور کیا۔ سرد شاموں کا اور سینٹ مارٹن کی گرمیوں کا۔ اس موسم میں وہ باغ میں یا دریا کے ساتھ زیادہ لمبی چہل قدمی کرے گا تا کہ وہ مکمل طور پر ٹھنڈا ہونے کے بعد ووڈکا کا بھرا ہوا گلاس پیئے گا۔ اس کے ساتھ نمکین مشروم لذیز کھیرا کھائے گا اور پھر ایک اور گلاس.......

بچے کچن گارڈن سے تازہ مولی اور گاجر لئے بھاگتے آئیں گے، جن سے تازہ مٹی کی مہک آ رہی ہوگی.......پھر وہ صوفے پر جسم پھیلا کر لیٹ جائے گا۔ اور وقت گزاری کے لئے کوئی تصویری رسالہ دیکھے گا یا اس سے اپنا چہرہ چھپا کر اپنی واسکٹ کے بٹن کھول کر اپنے آپ کو نیند کے حوالے کر دے گا۔

سینٹ مارٹن کی گرمیوں کے بعد بادلوں والا اداس موسم شروع ہوتا ہے۔ دن رات بارشیں ہوتی ہیں۔ ننگے درخت رو رہے ہوتے ہیں۔ ہوا نم آلود ٹھنڈی ہوتی ہے۔ کتے گھوڑے پرندے سب گیلے ہوتے ہیں افسردہ اور غمگین۔

کہیں گھومنا پھرنا نہیں ہوتا۔ کئی کئی دن باہر نہیں جا سکتے۔ کمرے کے اندر ہی ٹہلنا پڑتا ہے۔ مایوسی سے کھڑکی کو دیکھتے رہو۔

ایوان دمتریچ رکا اور بیوی کو دیکھنے لگا۔

"جانتی ہو میں بیرون ملک جاؤں گا ماشا۔" اس نے کہا

اس نے دوبارہ سوچنا شروع کر دیا کہ خزاں کے آخر میں ملک سے باہر جانا، جنوبی فرانس.....یا اٹلی.......یا انڈیا...کتنا اچھا لگے گا۔

"میں بھی یقیناً باہر جاؤں گی۔" اس کی بیوی بولی، لیکن ٹکٹ کا نمبر تو دیکھو"

"صبر، صبر"

وہ پھر کمرے میں چکر لگانے لگا، اور سوچنے لگا، اگر اس کی بیوی واقعی باہر ملک گئی تو کیا ہوگا؟۔
اکیلے سفر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یا پھر ایسی عورت کے ساتھ جو لاپرواہ سی ہو، حال میں زندہ

رہے نہ کہ ایسی جو سارے سفر کے دوران بچوں کے بارے میں بولتی رہے۔ ہر دھیلے کے خرچنے پر آہیں بھرے۔

ایوان دمتریچ نے اپنی بیوی کا ٹرین میں بہت سارے پارسلوں ٹوکریوں اور بیگوں کے ساتھ تصور کیا۔ کسی نہ کسی چیز پر افسوس کرتی شکایت کرتی کہ ٹرین سے اس کے سر میں درد ہو رہا ہے، بہت زیادہ رقم خرچ ہو چکی ہے۔ سٹیشن پر اسے مستقل ابلے ہوئے پانی، بریڈ، مکھن کے لئے بھاگنا پڑے گا۔ وہ کھانا بھی نہیں کھائے گی کہ مہنگا بہت ہے۔ ہر دھیلے کے لئے مجھ سے بھیک منگوائے گی۔ اس نے بیوی پر نگاہ دوڑانے ہوئے سوچا "لاٹری ٹکٹ اس کا ہے، اس کے بیرون ملک جانے کا فائیدہ۔ اس نے باہر کیا کرنا ہے۔ وہ ہوٹل میں بند ہو جائے گی۔ مجھے بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی"۔

زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا کہ اس کی بیوی کی عمر ڈھل رہی ہے۔ عام سی دکھائی دیتی ہے۔ کھانے پکانے کی بو سے بھری رہتی ہے۔ جب کہ وہ خود ابھی تک جوان تر و تازہ اور صحت مند ہے۔ دوبارہ شادی کر سکتا ہے۔"

"بے شک یہ بیوقوفانہ سوچ ہے پر وہ ملک سے باہر جائے کیوں؟ اس نے کرنا کیا ہے؟ لیکن وہ جائے گی ضرور۔ مجھے معلوم ہے۔ اس کے لئے سب برابر ہے۔ چاہے وہ نیپلس ہو یا کلن۔ وہ ضرور میرے رستے میں رہے گی۔ میں اس کا محتاج رہوں گا۔ مجھے معلوم ہے جونہی رقم ملے گی وہ عام عورتوں کی طرح رقم کو تالے لگا کر رکھے گی۔ اپنے رشتہ داروں پر خرچ کرے گی اور مجھے ہمیشہ رقم کے لئے ترسائے گی۔"

ایوان دمتریچ نے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں سوچا۔ تمام کمینے بہن بھائی، خالائیں، ماموں چچا سب گھسٹتے پہنچ جائیں گے، جونہی انہیں ٹکٹ کی خبر ملے گی۔ بھکاریوں کی طرح روتے پیٹتے، خوشامدیں کرتے چہروں پر منافقانہ مسکراہٹیں سجائے، قابل نفرت لوگ۔ اگر انہیں کچھ دیا جائے تو مزید مانگیں گے اور آگ انکار کرو تو آپ پر لعنت بھیجیں گے اور غیبتیں کریں گے، آپ کو بد دعائیں دیں گے۔

ایوان دمتریچ نے اپنے رشتہ داروں اور ان کے چہروں کو یاد کیا۔ جن کو ماضی میں وہ غیر جانبداری سے دیکھتا تھا اب اسے قابل نفرت اور گھناؤنے لگے۔ اس نے سوچا یہ سب سانپ اور بچھو ہیں۔

اسے اپنی بیوی کا چہرہ بھی قابل نفرت لگا۔اس کا دل و دماغ غصے سے بھر گئے۔اس نے کینے بھرے دل سے سوچا،اسے رقم کی کچھ سوجھ بوجھ نہیں پھر کنجوس بھی ہے۔اگر وہ جیت گئی تو مجھے سو روبل پر ٹرخا دے گی۔اور باقی کہیں تالا لگا کر بند کر دے گی۔اس نے بیوی کی طرف دیکھا مسکراہٹ کے ساتھ نہیں بلکہ نفرت سے۔بیوی نے بھی اسے نفرت اور غصے سے دیکھا،اس کے اپنے خیالی پلاؤ اور پروگرام تھے۔وہ مکمل طور پر خاوند کے خوابوں کو سمجھ رہی تھی۔وہ جانتی تھی کہ کون سب سے پہلے اس کی جیت کو ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا۔

"دوسروں کے پیسے پر خیالی پلاؤ پکانا کتنا اچھا لگتا ہے" اس کی آنکھوں میں صاف پڑھا جا سکتا تھا

"نہ۔۔۔نہ۔۔کوشش بھی نہ کرنا"

اس کے خاوند نے اس کی نظریں پڑھیں۔اس کے دل میں دوبارہ نفرت نے سر اٹھایا۔بیوی کو غصہ دلانے کے لئے اس نے اخبار کے صفحہ چار پر جلدی سے نگاہ دوڑائی اور فاتحانہ انداز سے پڑھا۔سیریز نمبر 9,4990 ٹکٹ نمبر چھبیس/26 نہیں چھیالیس/46.

فوراً نفرت اور امید دونوں غائب ہو گئے۔دونوں میاں بیوی کو اپنے کمرے تاریک چھوٹے لگنے لگے۔اور شام کا جو کھانا کھایا تھا وہ ان کے معدنے پر بوجھ ڈالنے لگا۔شام لمبی اور تھکا دینے والی محسوس ہونے لگی۔

"یہ کیا شیطانی فعل ہے؟"

ایوان دمتریچ بدمزاجی اور چڑچڑاہٹ سے بولا "جہاں قدم رکھو ہر قدم کے نیچے کاغز کے پرزے اور کوڑے کے ذرے آتے ہیں،کمروں کو کبھی صاف نہیں کیا جاتا۔بندہ گھر سے باہر جانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ہر دم روح اذیت میں رہتی ہے۔میں باہر نکل کر پہلے ہی درخت سے اپنے آپ کو لٹکا لوں گا۔

○

(اینٹن چیخوف)

بھکاری

(The Beggar)

رحم دل صاحب!

مہربانی فرمائیں،غریب کے حال پر ترس کھائیں۔بھوکا ہوں۔تین دن سے کچھ نہیں کھایا۔ رات بسری کے لئے پانچ کو پک بھی نہیں ۔اللہ کی قسم پانچ سال تک گاؤں کے مدرسے میں پڑھاتا رہا ہوں۔لوکل گورنمنٹ کی سازشوں کے باعث مجھے نوکری سے ہاتھ دھونے پڑے۔میں جھوٹے گواہوں کا نشانہ بنا۔سال بھر سے بیروزگار ہوں۔"

سکوورٹسوف،جو پیٹرز برگ کا وکیل تھا۔نے اس کے پھٹے پرانے نیلے اور کوٹ کو اس کی میلی شرابی آنکھوں کو،اس کے گالوں پر سرخ دھبوں کو دیکھا۔اسے محسوس ہوا کہ وہ اس شخص کو پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔

"اور اب مجھے کالوگ صوبے میں تعینات کیا گیا ہے،لیکن میرے پاس جانے کے اخراجات نہیں ہیں۔مہربانی فرمائیں میری مدد کریں"

"مجھے مانگتے ہوئے شرم آرہی ہے،لیکن میں اپنے حالات سے مجبور ہوں۔"

سکوورٹسوف نے اس کے جوتا پوش پر نظر ڈالی جن میں سے ایک جوتے ہی کی طرح واجبی سا تھا جبکہ دوسرا بوٹ کی طرح ٹانگوں کے اوپر تک آرہا تھا۔اسے یکدم یاد آیا۔

"سنو! پرسوں تم مجھے ساڈوئی سٹریٹ پر ملے تھے، اس وقت تم نے مجھے یہ تو نہیں بتایا کہ تم گاؤں کے مدرسے کے استاد ہو، تب تم نے اپنے آپ کو طالبعلم بتلایا تھا۔" اس نے بھکاری کو جتلایا۔ "یاد ہے تمہیں؟"

"ن۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں۔۔۔ایسا نہیں ہوسکتا"۔ بھکاری الجھا ہوا بڑبڑایا۔

"میں گاؤں میں استاد ہوں، اور اگر آپ تسلی کرنا چاہیں تو میں آپ کو کاغذات دکھا سکتا ہوں"

"کافی جھوٹ بول لیا تم اس دن اپنے آپ کو طالب علم کہہ رہے تھے، اور سکول سے نکالے جانے کی وجہ بھی بتائی تھی، یاد ہے؟"

یہ کہتے ہوئے سکورٹسوف تھوڑا جذباتی ہوگیا۔ بھکاری کے لئے اپنے چہرے پر حقارت کی نظر سجائے اس بھکمنگے سے منہ موڑ کر پرے ہٹ گیا۔ اور غصے سے چلایا "یہ توہین آمیز ہے،" یہ سراسر دھوکہ ہے، میں تمہیں پولیس کے حوالے کروں گا۔ لعنت ہے تم پر، تم بھوکے اور غریب ضرور ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اس ڈھٹائی اور بے شرمی سے جھوٹ بولو۔"

اس خستہ حال نے دروازے کے ہینڈل کا سہارا لیا پھندے میں پھنسے ہوئے پرندے کی مانند مایوسی سے ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔

"م۔۔۔۔۔میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں دستاویزات دکھا سکتا ہوں" وہ پھر بڑبڑایا

"تمہارا اعتبار کون کرے گا؟" سکورٹسوف نے بات جاری رکھی۔ وہ ابھی تک مشتعل تھا۔ "یہ لوگوں کے استاد اور طالبعلم کے لئے ہمدردانہ جذبات کا استحصال ہے۔ یہ پستی کمینگی اور گندگی کی انتہا ہے، قابل نفرت ہے۔"

سکورٹسوف نے غصے سے بھرے ہوئے بھکاری کو خوب لتاڑا۔ اس بھکمنگے کے دیدہ دلیری سے جھوٹ بولنے سے اسے نفرت اور کراہت محسوس ہوئی۔ نرم دلی، حساس دلی اور ناخوش لوگوں کے لئے خدا ترسی جیسی صفات جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ پر فخر کرتا تھا، ان کو زک پہنچانے پر بھکاری کا رویہ اسے جرم محسوس ہوا۔ اسے بھکاری کا جھوٹ دوسروں کے جذبات سے ظالمانہ کھلواڑ لگا۔

بھکاری نے پہلے تو اپنا دفاع کیا، قسمیں اٹھا اٹھا کر احتجاج کیا، بالآخر خاموش ہوگیا اور شرمندگی سے سر جھکا دیا۔

جھکے ہوئے سر کے ساتھ بولا۔

"جناب! میں واقعی جھوٹ بول رہا تھا۔ نہ تو میں طالب علم ہوں اور نہ ہی استاد۔ یہ سب میری اختراع ہے۔ میں ایک روسی طائفہ میں تھا۔ مجھے میری شراب نوشی کی وجہ سے وہاں سے نکال دیا گیا۔ لیکن یقین کریں جھوٹ بولنے کے سوا میرے پاس کوئی حل نہیں۔ اگر میں سچ بولوں تو مجھے کوئی خیرات نہیں دے گا۔ سچ کے ساتھ بھوکا مر جاؤں، رہائش کے بغیر ٹھنڈ سے منجمد ہو جاؤں۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں، میں سمجھ رہا ہوں لیکن میں کر کیا سکتا ہوں؟"

"تم کیا کر سکتے ہو؟ تم پوچھتے ہو تم کیا کرو؟

"کام" سکورسٹوف اس کے قریب ہوتے ہوئے چلایا "تمہیں کام کرنا چاہیے، ہر حالت میں کام"

"کام۔۔۔۔۔ میں بھی جانتا ہوں، لیکن مجھے کہاں سے ملے گا کام۔۔۔۔۔؟"

"بکواس، تم جوان ہو توانا اور صحت مند۔۔۔۔۔ اگر تم چاہتے تو تم کام ڈھونڈ سکتے تھے ۔۔۔۔۔ لیکن تمہیں پتہ ہے۔۔۔ تم سست ہو۔ بگڑے ہوئے ہو اور نشئی ہو۔ تم سے مے خانے جیسی ووڈکا کی بدبو آرہی ہے۔ جھوٹ اور بے ایمانی تمہاری رگوں میں گھس چکی ہے۔ تم جھوٹ بولنے اور بھیک مانگنے کے قابل ہی رہ گئے ہو۔

اگر تم سنجیدگی سے کام کرنا چاہتے تو تمہیں کسی دفتر میں کسی روسی طائفے میں یا بلیرڈ مارکر کی نوکری ہی مل جاتی۔ جہاں کچھ بھی کئے بغیر تنخواہ ملتی رہتی۔ لیکن تم کیسے جسمانی مشقت کرو؟ میرے خیال میں تم نہ گھر مزدور اور نہ ہی فیکٹری مزدور بن سکتے ہو۔ تم تو اتنے نخریلے ہو کہ تم سے یہ سب نہیں ہوگا۔"

"جو آپ کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ واقعی میں جسمانی مشقت کیسے کر سکتا ہوں؟"
بھکاری نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "دکانداری کے لئے بھی دیر ہوگئی۔ تجارت لڑکپن سے ہی شروع کرنی چاہیے۔ گھر مزدور بھی مجھے کوئی نہیں رکھے گا۔ اس لئے کہ میں اس قسم کا نہیں ہوں۔ فیکٹری میں ملازمت کے لئے کوئی ہنر چاہیے جبکہ مجھے کوئی ہنر نہیں آتا"۔

"بکواس، تم کوئی نہ کوئی بہانہ گھڑ لیتے ہو۔ کیا تم لکڑیاں کاٹنا پسند کرو گے؟"

"میں انکار نہیں کروں گا۔ لیکن باقاعدہ لکڑہارے بھی آج کل بیکار ہیں"

"اوہو تمام بے روزگار ایسے ہی بحث کرتے ہیں۔ جوں ہی تمہیں کوئی کام بتاؤ تم انکار کر

دیتے ہو۔ کیا تم میرے لئے لکڑیاں کاٹ سکتے ہو؟"۔

"یقیناً"

"بہت خوب"! شاندار، چلو دیکھتے ہیں"

سکورٹسوف نے خنداں مسکراہٹ لئے جلدی سے اپنی خانساماں کو باورچی خانے سے بلایا۔

"یہاں، اولگا، اس کو شیڈ میں لے جاؤ اور کچھ لکڑی کٹوالو"۔

بھکاری نے شانے اچکائے۔ کچھ الجھا ہوا اور گومگو کی کیفیت میں خانساماں کے پیچھے چل پڑا۔ اس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ لکڑی کاٹنے پر اس لئے راضی نہیں ہوا کہ وہ بھوکا تھا اور کچھ رقم کمانا چاہتا تھا۔ بلکہ محض شرمندگی مٹانے اور عزت نفس کے لیے کیوں کہ وہ اپنے ہی الفاظ پر پکڑا گیا تھا۔

یہ بھی واضح تھا کہ وہ شراب کے اثر تلے تھا۔ مکمل ٹھیک نہیں ہے اور کام کرنے کی اسے زرا سی بھی خواہش نہیں ہے۔ سکورٹسوف کھانے کے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں کھڑکی سے وہ لکڑی والا شیڈ صحن اور ہر چیز دیکھ سکتا تھا۔ کھڑکی سے اس نے بھکاری اور خانساماں کو پچھلے راستے سے آتے دیکھا۔

اولگا نے ناراضگی سے اپنے ساتھی کا جائزہ لیا۔ کہنی جھٹکتے ہوئے شیڈ کا کنڈا کھولا۔ غصے سے دروازہ جھٹکے سے کھولا۔

"شاید ہم نے اسے کافی پیتے ہوئے ڈسٹرب کیا"۔ سکورٹسوف نے سوچا" کیسی بدمزاج عورت ہے"۔

تبھی اس نے اس خود ساختہ بنے ہوئے استاد/ طالبعلم کو لکڑیوں کے گٹھے پر بیٹھتے دیکھا۔ اپنے سرخ گال ہتھیلیوں پر ٹکائے سوچ میں غرق۔ خانساماں نے لکڑی اس کے پاؤں میں پھینکی، غصے سے زمین پر تھوکا۔ سکورٹسوف نے اس کی ہونٹوں کی حرکت سے اندازہ لگایا کہ وہ اسے برا بھلا کہہ رہی ہے۔ بھکاری نے لکڑی کا ایک شہتیر اپنی طرف کھینچا۔ بے اعتمادی سے اسے اپنے پاؤں کے درمیان رکھا اور جھجکتے ہوئے اس پر کلہاڑی چلائی۔ لکڑی ڈگمگائی اور اچھل کر گر پڑی۔ بھکاری نے اسے پھر اپنی طرف گھسیٹا، اپنے منجمد ہوتے ہاتھوں پر پھونک ماری اور اب کے بہت محتاط انداز سے کلہاڑی کا وار کیا جیسے وہ اپنے بوٹ یا انگلیوں پر ضرب لگنے سے ڈر رہا ہو۔ شہتیر دوبارہ سے گر گیا۔ سکورٹسوف کے غصے کی شدت اب تک کم ہو گئی تھی۔ اسے شرمندگی محسوس ہوئی کہ اس نے ایک عادی شرابی اور شاید ایک بیمار آدمی کو ٹھنڈ میں اتنے سخت کام پر لگا دیا۔

"کوئی بات نہیں"، اس نے ڈائننگ روم سے سٹڈی روم میں جاتے ہوئے سوچا" میں یہ

اسی کے فائدے کے لیے کر رہا ہوں"۔

ایک گھنٹے بعد اولگا آئی اور بتایا کہ لکڑی کاٹی جا چکی ہے۔

"اسے آدھا روبل دے دو" سکورٹسوف بولا "اگر وہ پسند کرے تو ہر مہینے آ کر لکڑی کاٹ جایا کرے۔۔۔۔۔۔۔اسے ہمیشہ کام ملے گا۔"

اگلے مہینے کی پہلی تاریخ کو بھکاری آیا اور آدھا روبل کما کر لے گیا۔ اس کے بعد وہ اکثر آتا اور کام کرتا۔ کبھی برف گھسیٹ کر اس کا ڈھیر لگا دیتا، کبھی شیڈ کی صفائی کر جاتا، کبھی قالین اور دریاں جھاڑ جاتا، اور ہمیشہ اسے تیس سے چالیس کوپک مل جاتے۔ ایک دفعہ پرانا پاجامہ بھی اسے دیا گیا۔

جس دن سکورٹسوف نے گھر بدلنا تھا تو بھکاری کو سامان کی پیکنگ اور فرنیچر اٹھانے کے لیے بلایا گیا۔ اس موقع پر بھکاری کافی سنجیدہ، خاموش اور بغیر نشے کے تھا۔ اس نے شاذ و نادر ہی فرنیچر کو ہاتھ لگایا۔ جھکے سر کے ساتھ فرنیچر وین کے آگے پیچھے ہوتا رہا۔ اور مصروف دکھائی دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ ٹھنڈ سے کانپتا رہا۔ وین والے اسکی کمزوری، بے کاری، اور پھٹے پرانے کوٹ (جو کبھی کسی شریف آدمی کا تھا) کا مذاق اڑاتے رہے۔ آخر میں سکورٹسوف نے اسے بلا بھیجا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ میرے الفاظ کا تم پر مثبت اثر ہوا"۔ یہ کہتے ہوئے اسے ایک روبل دیا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نشے میں بھی نہیں ہو اور کام سے متنفر بھی نہیں۔ تمھارا نام کیا ہے؟"

"لشکوو"

"لشکوو! میں تمہیں اس سے بہتر کام دلوا سکتا ہوں، کیا تم لکھ سکتے ہو۔؟"

"جی جناب"

"تو بس کل میرا یہ رقعہ لے جاؤ میرے ایک ساتھی کے پاس۔ وہ تمہیں کچھ نقول بنانے کے لئے دے گا۔ کام کرنا۔ شراب مت پینا۔ اور جو کچھ میں کہ رہا ہوں اسے بھولنا مت، خدا حافظ"

سکورٹسوف خوش تھا کہ اس نے ایک شخص کو سیدھے رستے پر لگایا۔ اس کے بعد اس کے کندھے پر تھپکی دی، بلکہ رخصت ہوتے ہوئے اس سے ہاتھ بھی ملایا۔

لشکوو نے خط لیا اور چلا گیا اور اس کے بعد کام کرنے نہیں آیا۔ دو سال گزر گئے۔ ایک دن جب سکورٹسوف تھیٹر گھر کے ٹکٹ آفس کے باہر اپنے ٹکٹ کی ادائیگی کے لئے کھڑا تھا تو اس نے اپنے ساتھ کھڑے ایک چھوٹے شخص کو دیکھا، جو بکری کی کھال کا کالر اور خستہ حال بلی کی کھال کی ٹوپی پہنے تھا اس شخص نے کلرک سے ہچکچاتے ہوئے گیلری ٹکٹ مانگا اور کوپک میں ادائیگی کی۔

"لشکو! کیا یہ تم ہو؟" سکورتسوف نے اپنے سابقہ لکڑیاں کاٹنے والے کو پہچانتے ہوئے پوچھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟ تم خیریت سے ہو؟"۔

"بہت اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں ایک نوٹری (دستاویزات کی تصدیق) آفس میں کام کرتا ہوں۔ پینتیس روبلز کمالیتا ہوں۔"

"بہت خوب، شکر خدا کا، خوشی ہوئی۔ تم جانتے ہو تم ایک طرح سے میرے دینی بیٹے (godson) ہو۔ یہ میں تھا جس نے تمہیں سیدھا رستہ دکھایا۔ تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں کتنا ڈانٹا تھا۔ تم شرم سے پانی پانی ہو گئے تھے۔ بہر حال، بہت شکریہ میرے الفاظ یاد رکھنے کا۔"

"آپ کا بھی شکریہ!" لشکو بولا۔ اگر میں اس دن آپ کی طرف نہ آتا تو شاید میں ابھی تک سکول ماسٹر یا طالبعلم ہی بنا ہوتا۔ جی بلکل آپ کے گھر نے مجھے بچایا۔ اور ذلت کے گڑھے سے نکالا۔ میں بہت بہت خوش ہوں آپ کے خدا ترسی والے الفاظ اور عمل کا شکریہ۔ اس دن آپ نے جو کچھ کہا وہ شاندار تھا۔ میں آپ کا ممنون رہوں گا، جب تک زندہ رہوں گا۔ لیکن جس نے مجھے حقیقتاً بچایا وہ آپ کی خانساماں اولگا تھی۔"

"وہ کیسے؟"

"ایسے ہوا کہ میں جب لکڑیاں کاٹنے آتا، وہ کہتی، آہ تم شرابی قابل ترس انسان۔۔۔۔ تمہیں موت بھی نہیں آتی، اور میرے سامنے بیٹھ جاتی۔ افسوس کرتی، میرے چہرے کو دیکھتی اور واویلا کرتی، "تم بدقسمت انسان! تمہارے لئے دنیا میں کوئی خوشی نہیں اور آخرت میں دوزخ میں جلو گے۔ تم غریب شرابی، تم غمزدہ مخلوق"۔ وہ اسی طرح بولتی رہتی، بہت پریشان ہوتی اور میرے لئے آنسو بہاتی۔ میں بتا نہیں سکتا مجھ پر کس کا زیادہ اثر ہوا۔ وہ میری جگہ میرے لئے لکڑیاں کاٹتی۔ آپ جانتے ہیں جناب! میں نے کبھی بھی آپ کی لکڑیاں نہیں کاٹیں۔ وہی ہمیشہ کاٹتی۔ اس طرح اس نے مجھے بچایا۔ اسے دیکھتے ہوئے میں نے شراب چھوڑ دی۔ میں نہیں بتا سکتا، میں اتنا جانتا ہوں جو وہ کہتی اور جس شریفانہ طریقے سے وہ برتاؤ کرتی اس سے میری روح بدلنا شروع ہو گئی۔ میں اسے کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اب جانے کا وقت ہے وہ گھنٹی بجانے لگے ہیں"

لشکو نے جھک کر تعظیم دی اور گیلری کی طرف بڑھ گیا۔

O

(اینٹن چیخوف)

طائفہ کی ہم نوا لڑکی

(The Chorus Girl)

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب وہ جوان اور خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ اور تب اس کی آواز بھی سریلی تھی۔ ایک دن نکولائی پیٹرووچ کولپاکوف اس کا مداح اس کے موسم گرما والی دیہاتی حویلی کے بیرونی کمرے میں بیٹھا تھا۔ بہت گرمی اور حبس تھی۔ کولپاکوف نے ابھی ابھی کھانا کھایا تھا اور سستی سی گھٹیا شراب کی پوری بوتل پی تھی۔ سخت بیزاری اور طبیعت میں بوجھل پن محسوس کر رہا تھا۔ دونوں بور ہو رہے تھے اور انتظار میں تھے کہ گرمی کی شدت کم ہو تو واک کے لئے جائیں۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ کولپاکوف جس کا کوٹ اترا ہوا تھا، پاؤں میں سلیپر تھے اچھل پڑا اور پاشا کی طرف استفہامی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"ضرور ڈاکیا ہوگا، یا پھر لڑکیوں میں سے کوئی ہوگی"۔ گلوکارہ بولی۔

کولپاکوف کو ڈاکیا یا پاشا کی سہیلیوں کے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن پھر بھی احتیاطاً وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ جبکہ پاشا دروازہ کھولنے کے لیئے بھاگی۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ دروازے پر نہ تو کوئی ڈاکیا تھا نہ ہی اسکی کوئی سہیلی بلکہ ایک اجنبی جوان اور خوبصورت خاتون تھی۔ جس نے بیگمات جیسا لباس پہن رکھا تھا اور دیکھنے میں بھی کوئی مہذب خاتون دکھائی دیتی تھی۔ اس اجنبی خاتون کے چہرے کا رنگ پھیکا زرد ہو رہا تھا بھاری سانس لے

رہی تھی جیسے وہ دوڑتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر آئی ہو۔

"یہ سب کیا ہے"؟ پاشا نے پوچھا۔خاتون نے فوراً اسے کوئی جواب نہ دیا اور قدم آگے بڑھایا، کمرے میں دیکھا اور ایسے بیٹھ گئی جیسے شاید کسی بیماری یا تھکاوٹ کے باعث کھڑی نہیں رہ سکتی۔کافی دیر تک اس کے ہونٹ بولنے کی کوشش میں پھڑکتے رہے۔اپنی نگاہیں اٹھا کر پاشا کو آنسوؤں سے بوجھل پلکوں کے ساتھ دیکھا اور بلآخر اس نے پوچھا۔

"کیا میرا خاوند یہاں ہے"

"خاوند؟" پاشا نے سرگوشی کی۔یک دم وہ اتنی خوف زدہ ہوگئی ،اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے۔

"کون خاوند"؟ اس نے دہرایا اور کانپنا شروع کر دیا

"میرا خاوند نکولائی پیٹرووچ کولپاکوف"

"ن۔۔۔۔نہیں۔۔مادام! میں کسی خاوند کو نہیں جانتی"

ایک منٹ خاموشی سے گزر گیا۔اجنبی خاتون نے بار ہا اپنا رومال ہونٹوں پر پھیرا۔اور اپنی اندرونی کپکپاہٹ روکنے کے لیئے اپنا سانس روکا۔جبکہ پاشا اس کے سامنے بے حس وحرکت کھمبا بنی کھڑی رہی اور اسے خوف اور حیرانی سے دیکھتی رہی۔

"تو تمہارا یہ کہنا ہے کہ وہ یہاں نہیں ہے"؟ خاتون نے پوچھا۔اس دفعہ خاتون کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔اور وہ عجیب وغریب انداز سے مسکرا رہی تھی۔

"میں۔۔۔۔۔۔۔۔میں نہیں جانتی تم کس کی بات کر رہی ہو"

"تم خوفناک حد تک گندی ہو" اجنبی خاتون بڑبڑائی— "ہاں۔۔۔۔۔۔۔ہاں تم بھیانک ہو۔میں خوش ہوں کہ آخر کار میں نے یہ سب کہ دیا"۔پاشا کو محسوس ہوا کہ اس کالے لباس میں ملبوس ،غصے سے بھری آنکھوں اور سفید نازک بدن والی خاتون کے سامنے وہ خوفناک اور نظر انداز کیئے جانے کے لائق ہے۔اسے اپنے چکنے ہوئے سرخ گالوں ،ناک پر چیچک کے داغ ،ماتھے پر پھیلی بالوں کی لٹ جو کبھی بھی پیچھے نہیں کی جا سکتی تھی پر شرمندگی محسوس ہوئی۔اس نے سوچا اگر وہ زرا دبلی ہوتی ،اس کے چہرے پر میک آپ کی تہہ نہ ہوتی اور اس کی پیشانی پر بالوں کی لٹ نہ ہوتی تو وہ اپنا آپ چھپا لیتی۔اور پتا نہ چلنے دیتی کہ وہ باعزت نہیں ہے۔اور وہ اس وقت اس اجنبی خاتون کے سامنے خوف زدہ اور شرمندہ کھڑی نہ ہوتی۔

"میرا خاوند کہاں ہے"۔؟ وہ خاتون دوبارہ بولنا شروع ہوئی۔"اگرچہ مجھے اس کے یہاں ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ رقم گم گئی ہے۔اور وہ نکولائی پیٹرووچ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ خاتون کھڑی ہوگئی اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ پاشا نے اسے دیکھا وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"وہ مل جائے گا اور اسے آج ہی گرفتار کرلیا جائے گا"۔خاتون نے یہ کہا اور سسکی بھری۔اس سسکی سے اس کی پریشانی اور تکلیف ظاہر ہو رہی تھی۔"میں جانتی ہوں اسے اس حالت میں پہنچانے کا ذمہ دار کون ہے۔" چھوٹی ذات کی خوفناک قابل نفرت، زر پرست، آوارہ مخلوق"۔ خاتون کے ہونٹ ہلے اور اس نے نفرت سے ناک سکیڑا۔

"میں بلکل بے بس ہوں۔ سنتی ہو، کم زات عورت۔۔۔۔! میں بے بس ہوں، تم مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو لیکن "وہ" ہے مجھے اور میرے بچوں کو تحفظ دینے کے لیئے۔خدا سب دیکھ رہا ہے۔وہ منصف ہے وہ تمہیں میرے ہر آنسو کے لیئے جو میں نے جگ راتوں میں بہائے ہیں سزا دے گا۔وہ وقت آئے گا جب تم میرے بارے میں سوچو گی—!"

دوبارہ خاموشی چھا گئی - خاتون پھر کمرے میں ٹہلنے لگی اور اپنے ہاتھ ملنے لگی۔ پاشا مسلسل حیران و پریشان اسے دیکھتی رہی۔اور کسی خطرناک وقوعہ کے انتظار میں رہی۔

"مجھے اس بارے میں کچھ علم نہیں مادام۔"اس نے کہا اور اچانک رونا شروع کر دیا۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو" خاتون نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔"میں سب جانتی ہوں، میں بہت عرصے سے تمھیں جانتی ہوں۔مجھے معلوم ہے پچھلے ایک مہینے سے وہ روزانہ تمھارے ساتھ ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے تو۔۔۔۔؟ میرے بہت سے ملاقاتی ہیں لیکن میں کسی کو یہاں آنے پر مجبور نہیں کرتی۔وہ جو چاہے کرنے میں آزاد ہے"۔

"میں تمھیں بتا رہی ہوں کہ انہیں معلوم ہو چکا ہے کہ رقم غائب ہے اس نے دفتر سے رقم غبن کی ہے، تمھارے جیسی مخلوق کی خاطر۔۔۔۔۔۔۔تمھاری خاطر اس نے جرم کیا ہے۔سنو—" خاتون نے پرعزم لہجے میں پاشا کے سامنے کھڑے ہو کر کہا

"تمھارے کوئی اصول نہیں۔تم محض نقصان پہنچانے کے لیئے زندہ ہو۔بس یہی تمھارا

مقصد ہے۔لیکن کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تم اتنا گر سکتی ہو۔تم میں ذرا بھی انسانیت نہیں رہی۔اس کے بیوی اور بچے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔اگر اسے سزا ہوئی اور جلاوطن کیا گیا تو ہم فاقے مر جائیں گے ۔میں اور بچے۔۔۔۔۔۔سمجھ آئی تمھیں! لیکن ابھی بھی وقت ہے ہم اسے اور اپنے آپ کو اس تباہی اور بے عزتی سے بچا سکتے ہیں اگر میں آج انہیں نو سو روبلز دے دوں تو وہ اسے کچھ نہیں کہیں گے ۔صرف نو سو روبلز!"

کیا-نو سو روبلز؟"۔پاشا نے نرمی سے پوچھا۔"میں۔۔۔۔۔۔کچھ نہیں جانتی۔۔۔۔۔۔۔ میں نے نہیں لیئے۔"

"میں تم سے نو سو روبلز نہیں مانگ رہی۔تمھارے پاس رقم نہیں ہے اور مجھے تمھاری رقم نہیں چاہیے۔میں تم سے کچھ اور مانگ رہی ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔مرد عموماً تمھارے جیسی عورتوں کو مہنگے تحفے دیتے ہیں۔تم وہ چیزیں جو میرے خاوند نے تمھیں دی ہیں مجھے واپس کر دو۔"

"مادام اس نے مجھے کبھی کوئی تحفہ نہیں دیا"۔پاشا نے بات سمجھتے ہوئے واویلا کیا۔

"رقم کہاں گئی؟ اس نے اپنی،میری اور دوسرے لوگوں کی رقم کہاں برباد کر دی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ سب کدھر گئی۔؟ سنو میں تم سے التجا کرتی ہوں۔میں نے غصے میں تمھیں بہت برا بھلا کہا،میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔تمھیں ضرور مجھ سے نفرت کرنی چاہیے،میں جانتی ہوں لیکن اگر تم ہمدردی کر سکتی ہو تو اپنے آپ کو میری جگہ رکھ کر سوچو! میں تمھاری منت کرتی ہوں،مجھے چیزیں واپس کر دو!"

ہا۔۔مم پاشا کندھے اچکاتے ہوے بولی"مجھے بڑی خوشی ہوتی،لیکن خدا گواہ ہے،اس نے مجھے کبھی کوئی تحفہ نہیں دیا۔میرا یقین کرو۔تاہم اس نے مجھے دو معمولی سی چیزیں دی ہیں،اگر تم چاہو تو۔۔۔۔"

پاشا نے سنگھار میز کا دراز کھینچا،اس میں سے ایک کھوکھلا کڑا اور ایک پتلی سی انگوٹھی جس میں روبی لگا تھا نکالے۔

"یہ لیں مادام!"اس نے دونوں چیزیں خاتون کے سامنے کیں

خاتون کا چہرہ سرخ ہو گیا،کانپنے لگی اور بولی۔"یہ کیا دے رہی ہو؟ میں تم سے خیرات نہیں مانگ رہی،بلکہ جو تمھارا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔جو تم نے ناجائز طور پر میرے خاوند سے بٹورہ ہے۔۔۔۔۔وہ کمزور ناخوش بندہ۔۔۔۔۔جمعرات کو جب میں نے تمھیں اپنے خاوند کے ساتھ بندرگاہ

پر دیکھا تو تم بہت قیمتی بالوں کے کلپ اور کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اس لئے میرے سامنے معصوم بننے کی ایکٹنگ نہ کرو۔ میں آخری بار تم سے پوچھ رہی ہوں، تم یہ چیزیں مجھے دو گی یا نہیں؟—— ؟"

"تم بہت عجیب ہو" پاشا نے ناراضگی سے کہا"۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ اس کپڑے اور انگوٹھی کے علاوہ تمھارے نکولائی پیٹر ووچ نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ وہ میٹھے کیک کے علاوہ کبھی کچھ نہیں لایا"

"میٹھے کیک!" اجنبی خاتون نے قہقہہ لگایا" گھر میں بچوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں اور یہاں تمھارے پاس میٹھے کیک۔ کیا تم تحفے واپس کرنے سے قطعی منکر ہو؟"۔

کوئی جواب نہ پا کر خاتون بیٹھ گئی اور خلاء میں گھورنے لگی۔ سوچتے ہوئے بولی۔" اب کیا کیا جا سکتا ہے؟۔ اگر مجھے نو سو روبلز نہ ملے تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ میں اور بچے بھی تباہ ہو جائیں گے۔ کیا میں اس حقیر عورت کو قتل کر دوں یا پھر میں اس کے سامنے گھٹنوں پہ جھک جاؤں۔؟"

خاتون نے رومال چہرے پہ پھیرا اور سسکیاں بھرنے لگی "۔ میں تمھاری منت کرتی ہوں"۔ پاشا نے اس اجنبی خاتون کو سسکیوں کے درمیان کہتے سنا" دیکھو تم نے میرے خاوند کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب اسے بچا لو۔ تمھیں اس کا کوئی خیال نہیں لیکن بچے۔۔۔۔ بچے۔۔۔۔ بچوں کا کیا قصور ہے"؟۔

پاشا نے تخیل میں بچوں کو سڑک پہ کھڑے بھوک سے کراہتے دیکھا اور وہ بھی سسکیاں بھرنے لگی۔

"میں کیا کر سکتی ہوں مادام؟ تمھارا کہنا ہے کہ میں ایک حقیر عورت ہوں اور میں نے نکولائی پیٹر ووچ کو تباہ کیا ہے۔ میں خدا کو گواہ بنا کر تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ میرے پاس اس کا دیا ہوا کچھ بھی نہیں۔ ہمارے طائفے میں صرف ایک لڑکی ایسی ہے۔ جس کا ایک امیر مداح ہے۔ باقی ہم سب لڑکیاں بڑی مشکل سے گزارہ کرتی ہیں۔ نکولائی پیٹر ووچ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی ہے۔ اس لئے میں نے اسے یہاں آنے کی اجازت دی۔ ہم مہذب آدمیوں کو خوش آمدید کہتی ہیں"۔

"میں تم سے یہ چیزیں مانگ رہی ہوں۔ میں رو رہی ہوں۔ میں اپنی بے عزتی کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ اگر تم چاہو تو میں تمھارے آگے جھک جاؤں گی۔ اگر تمھاری یہی خواہش ہے تو!۔

پاشا خوف سے چلائی ہاتھ ہلائے اسے محسوس ہوا کہ یہ زرد رو خوبصورت عورت جو اتنے خوبصورت انداز میں بات کرتی ہے جیسے سٹیج پہ ہو کہیں سچ مچ اس کے آگے جھک ہی نہ جائے

صرف اور صرف اپنے فخر و غرور، بلند مرتبہ کے باعث اپنے آپ کو مہان اور پاشا کو حقیر ثابت کرنے کے لیے

" ٹھیک ہے میں تمھیں دیتی ہوں"۔ پاشا نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے جذباتی پن کا مظاہرہ کیا۔" تاہم ان میں سے کچھ بھی نکولائی پیٹروچ کا نہیں ہے۔ یہ مجھے دوسرے لوگوں نے دی ہیں۔"

پاشا نے الماری کا اوپر والا دراز کھینچا، ایک ڈائمنڈ کا کلپ، ایک مرجان کا ہار، کچھ انگوٹھیاں اور کڑے نکالے اور سب اس خاتون کو دے دیے۔" اگر تم چاہتی ہو تو یہ لے لو۔ لیکن یہ کچھ بھی تمہارے خاوند کا نہیں۔ لے لو اور امیر ہو جاؤ۔" پاشا خاتون کی اس کے آگے جھکنے والی دھمکی سے طیش میں آ گئی۔" اور اگر تم خاندانی عورت ہو اور اس کی قانونی بیوی ہو تو اسے اپنے پاس روک کے رکھو۔ میں نے اسے نہیں بلایا۔ وہ خود میرے پاس آیا ہے"۔ خاتون نے اپنے بہتے آنسوؤں کے درمیان ان اشیاء کو جو اسے دی گئیں دیکھا اور ان کا جائزہ لیا۔

" یہ وہ ساری چیزیں نہیں ہیں، یہ پانچ سو روبلز سے زیادہ کی نہیں ہیں۔"

پاشا نے فوراً الماری سے سونے کی گھڑی، سگار کیس اور سٹڈ نکالے اور ہاتھ نچاتے ہوئے بولی" اب میرے پاس کچھ نہیں ہے۔۔۔۔ تم تلاشی لے سکتی ہو!"

ملاقاتی خاتون نے ایک آہ بھری، کانپتے ہاتھوں سے ساری چیزیں رومال میں سمیٹیں اور بغیر کچھ کہے باہر نکل گئی۔

دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ کولپاکوف کمرے میں آیا وہ پیلا پڑ رہا تھا اور سر جھٹک رہا تھا جیسے اس نے کوئی بہت کڑوی چیز نگل لی ہو۔ آنسو اس کی آنکھوں میں چمک رہے تھے۔

" تم نے مجھے کون سے تحفے دیے ہیں"؟ پاشا نے اس پر جھپٹتے ہوئے پوچھا۔

" تحفے۔۔۔۔۔۔۔ یہ کوئی بات نہیں" کولپاکوف بولا، پھر اپنا سر جھٹکا" اُف میرے خدا! وہ تمہارے آگے روئی اس نے اپنے آپ کو ذلیل کیا۔"

" میں پوچھ رہی ہوں تم نے مجھے کون سے تحفے دیئے؟" پاشا چلائی۔

" میرے خدا! وہ ایک معزز خاتون اتنی مغرور اور اتنی پاک۔۔۔۔ وہ اپنے گھٹنوں پر جھکنے کے لیے تیار تھی اس۔۔۔۔۔۔ چھوکری کے آگے۔ اور یہ سب میری وجہ سے ہوا"۔ اس نے سر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور کراہنے لگا۔" میں کبھی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گا

"۔۔۔۔۔۔۔ مجھ سے دور ہو جاؤ ۔۔۔ تم حقیر چیز۔" پاشا سے دور پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ناگواری سے چلایا، اور اپنے کانپتے ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیلا۔ "وہ تمہارے آگے جھک جاتی، او ہو، میرے خدا!"

اس نے جلدی جلدی اپنا لباس درست کیا۔ پاشا کو نفرت و حقارت سے ایک طرف دھکیلتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکل گیا۔

پاشا نیچے بیٹھ گئی اور زور زور سے رونے لگی، اپنی چیزیں جذباتی کیفیت میں دے دینے پر پچھتا رہی تھی۔ اس کے جذبات مجروح تھے۔ اسے یاد آیا کہ تین سال قبل ایک تاجر نے بلا وجہ اسے بری طرح پیٹا تھا اور وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں رونے لگی۔

○

(اینٹن چیخوف)

تعارف مصنف: ایچ ایچ منرو (ساکی)

ہیکٹر ہگ منرو اپنے قلمی نام ساکی سے زیادہ پہچانا جاتا ہے۔ برطانوی مصنف ساکی 18 دسمبر 1870 میں میانمر/ برما کے شہر اک یاب/Akyab جس کا پرانا نام Sittwe تھا میں پیدا ہوا۔ اس وقت برما برطانوی تسلط میں تھا۔ اسے برطانوی عالم مختصر کہانیوں کا ماسٹر کہتے ہیں۔ اور عام طور پر اس کا مقابلہ او ہنری اور ڈورتھی پارکو سے کیا جاتا ہے۔ وہ آسکر وائلڈ اور روڈیارا کالنگ سے متاثر تھا اور بہت سے مصنفین کو اس نے متاثر کیا۔ مختصر کہانیوں کے علاوہ ایک مشہور لمبا ڈرامہ The watched pot لکھا۔ ایک مختصر ناول The unbearable Bassington لکھا۔ ایک کتاب اس تصور پر لکھی کہ مستقبل میں جرمنی برطانیہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیتا ہے۔ ایک کتاب The rise of Russian empire اپنے اصل نام سے لکھی۔

اس نے پہلی جنگ عظیم میں حصہ لیا۔ 14 نومبر 1916 میں پینتالیس سال کی عمر میں فرانس میں فوت ہوا۔

○

قصہ گو

(The Story Teller)

یہ ایک گرم سہ پہر تھی ۔ریلوے ٹرین اسی حساب سے گرم تھی ۔اگلا سٹاپ ٹیمپل کومب تقریباً ایک گھنٹے کی دوری پر تھا۔ مسافروں میں ایک چھوٹی لڑکی تھی ،ایک اس سے بھی چھوٹی تھی۔ اور ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ بچوں کی خالہ/ پھوپھی ایک کارنر سیٹ پر براجمان تھی ۔اس کے بلمقابل دوسری کارنر سیٹ پر ایک اجنبی کنوارہ بیٹھا تھا۔ لیکن چھوٹی لڑکی اور لڑکے نے پورے ڈبے/ کمپارٹمنٹ پر قبضہ جمار کھا تھا۔

بچے اور خالہ سب مسلسل محوگفتگو تھے ۔انہیں دیکھ کر گھریلو مکھی یاد آتی تھی ،جو کبھی بھی ہارنے پر تیار نہیں ہوتی تھی ۔خالہ کے زیادہ تر فقرے "نہ" سے اور بچوں کے فقرے "کیوں" سے شروع ہوتے تھے۔ کنوارہ کچھ بھی اونچی آواز میں نہیں بول رہا تھا۔

"نہیں سرل نہیں"، جب چھوٹے لڑکے نے سیٹ کشن پر مکا بازی شروع کی اور ہر مکے کے بعد گرد کا غبار اٹھنا شروع ہوا تو خالہ نے تنبیہ کی۔

خالہ نے لڑکے کو کھڑکی کے پاس آنے اور باہر دیکھنے کا مشورہ دیا۔ بچہ بادل ناخواستہ کھڑکی کے پاس پہنچا اور پوچھا، "بھیڑوں کو میدان سے باہر کیوں نکالا جارہا ہے؟"

"میرے خیال میں انہیں یہاں سے نکال کر دوسرے میدان میں اس لئے بھیجا جارہا ہے کہ وہاں ان کے کھانے کے لئے زیادہ گھاس ہے۔" خالہ نے جواب دیا۔

"لیکن اس میدان میں ابھی بہت ساری گھاس موجود ہے" ادھر گھاس ہی گھاس ہے اور تو کچھ بھی نہیں،" لڑکے نے احتجاج کیا۔

"شاید دوسرے میدان کی گھاس زیادہ اچھی ہے" خالہ نے محتاط سا جواب دیا۔

"وہ کیوں زیادہ اچھی ہے؟" تیزی سے سوال آیا۔

"اچھا، ان گائیوں کو دیکھو" خالہ نے بچے کی توجہ بٹائی

ریلوے لائین کے ساتھ تقریباً ہر میدان میں گائیں اور بیل موجود تھے۔ لیکن خالہ نے ایسے گائیوں کا ذکر کیا جیسے بڑی نایاب چیز ہو۔

"دوسرے میدان میں گھاس کیوں بہتر ہے" لڑکا اپنے سوال پر ڈٹا رہا۔

کنوارے کے چہرے کی تیوری مزید گہری اور خوفناک ہوگئی۔ وہ ایک سخت بے رحم سامرد تھا ،خالہ کے دماغ نے فیصلہ دیا۔ وہ بچے کو دوسرے میدان کی گھاس زیادہ بہتر ہونے کی کوئی اطمینان بخش وجہ بتانے سے قاصر تھی۔ ایسے میں چھوٹی لڑکی کی گنگناہٹ نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔

"مینڈلے کے رستے پر"

اسے صرف پہلی لائین یاد تھی۔ لیکن اس نے اسی کو خوب اچھی طرح استعمال کیا۔ اس نے اس ایک لائین کو بار بار خوابناک لہجے میں، لیکن سنائی دینے والی آواز میں دہرایا۔ کنوارے کو یوں محسوس ہوا، جیسے کسی نے لڑکی سے شرط باندھی ہو کہ وہ یہ لائین اونچی آواز میں بغیر رکے دو ہزار مرتبہ نہیں دہرا سکتی۔ شرط لگانے والا جو کوئی تھا اس کا ہارنا یقینی تھا۔

کنوارے مرد نے دو بار خالہ اور ایک بار گاڑی رکوانے والی زنجیر کی طرف دیکھا تو خالہ نے بچوں کو مخاطب کیا،

"ادھر آؤ، کہانی سنو"

بچے بے زاری سے خالہ کے پاس پہنچے، جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بچوں کے نزدیک وہ کوئی اچھی قصہ گو نہیں تھی۔

آہستہ پر اعتماد آواز میں خالہ نے کہانی شروع کی۔ وقفے وقفے سے سامعین کی جانب سے بلند آواز میں تندو تیز سوالات کہانی میں مداخلت کرتے رہے۔ خالہ نے بددلی اور ناپسندیدگی سے غیر دلچسپ کہانی جاری رکھی۔ کہانی ایک بچی سے متعلق تھی جو بہت اچھی تھی۔ اپنی اچھائی کی وجہ سے بہت جلد ہر ایک کی دوست بن جاتی تھی۔ آخر کار اس کے اخلاق سے متاثر بہت سارے لوگ اسے ایک بیل کے حملے سے بروقت بچا لیتے ہیں۔

چھوٹی لڑکیوں میں سے بڑی والی نے پوچھا،

"اگر وہ اچھی نہ ہوتی تو کیا وہ اسے نہ بچاتے؟"

بلکل یہی سوال وہ غیر شادی شدہ مرد بھی پوچھنا چاہتا تھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ضرور۔۔لیکن میرے خیال میں اگر وہ اچھی نہ ہوتی تو کوئی بھی اتنی سرعت سے اس کی مدد کے لئے نہ بھاگتا" خالہ نے غیر تسلی بخش سا جواب دیا۔

"میں نے آج تک جتنی کہانیاں سنی ہیں، یہ ان سب سے زیادہ بیوقوفانہ کہانی ہے۔" چھوٹی لڑکیوں میں سے بڑی لڑکی نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

"مجھے اتنی بے وقوفانہ لگی کہ میں نے تو تھوڑی سی سن کر بعد میں سنی ہی نہیں۔" سرل بولا۔

سب سے چھوٹی لڑکی نے کہانی پر کوئی تبصرہ تو نہیں کیا لیکن وہ بہت پہلے سے ہی اپنی پسندیدہ لائین دہرانا شروع ہوگئی تھی۔

"تم کوئی کامیاب قصہ گو معلوم نہیں ہوتی۔" کنوارہ اچانک بول اٹھا۔

اس غیر متوقع حملے پر خالہ فوری دفاع کے لئے کھڑے ہو کر بولی، "بچوں کو ایسی کہانی سنانا جسے وہ سمجھ بھی لیں اور پسند بھی کریں انتہائی مشکل کام ہے۔"

"میں نہیں مانتا" کنوارے نے جواب دیا۔

"شاید تم انہیں کہانی سنانا پسند کرو گے" خالہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"ہمیں کہانی سناؤ" چھوٹی سے بڑی لڑکی نے پرزور مطالبہ کیا۔

"ایک دفعہ کا زکر ہے" اس نے کہانی شروع کی۔ "ایک چھوٹی بچی تھی، جس کا نام برتھا تھا۔ جو غیر معمولی طور پر اچھی تھی" بچوں کی فوری دلچسپی کم ہونے لگی۔ ساری کہانیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، چاہے کوئی بھی سنانے والا ہو۔

"وہ سب کچھ کرتی جو اسے کرنے کے لئے کہا جاتا۔ وہ ہمیشہ سچ بولتی۔ اپنے کپڑے صاف رکھتی۔ ملک پڈنگ اس طرح کھالیتی جیسے جام یا ٹارٹ ہو۔ اپنے اسباق یاد رکھتی اور اپنے رویے میں نرم خو تھی۔"

"کیا وہ خوبصورت تھی؟" چھوٹی سے بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں، وہ تم سب جتنی خوبصورت تو نہیں تھی لیکن وہ حد سے زیادہ اچھی تھی۔" کنوارے نے وضاحت کی۔

کہانی کے لئے پسندیدگی کی فضا پیدا ہوگئی۔ "حد سے زیادہ اچھی" بلکل انوکھی بات تھی

۔اسے سراہا گیا۔اس نے خالہ کی نسبت بچوں کی زندگی سے متعلق کہانیوں میں صفائی کا عنصر پیش کیا۔

آدمی نے کہانی جاری رکھی۔"وہ اتنی اچھی تھی کہ اس نے اچھائی کے بہت سے تمغے جیت لئے تھے۔جنہیں وہ اپنے لباس کے ساتھ ہمیشہ پہنے رکھتی۔ان میں سے ایک تمغہ فرمانبرداری کا دوسرا وقت کی پابندی کا اور تیسرا اچھے رویے کا تھا۔یہ سب بڑے بڑے دھاتی تمغے تھے،اور جب وہ چلتی تو وہ آپس میں ٹکرا کر آواز پیدا کرتے۔اس کے شہر میں کسی اور بچے نے تین تمغے حاصل نہیں کئے تھے۔سارا شہر جانتا تھا کہ وہ غیر معمولی طور پر اچھی بچی ہے"

"غیر معمولی طور پر اچھی" سرل نے دہرایا۔

"ہر کوئی اس کی اچھائی بیان کرتا تھا۔یہ بات ملک کے شہزادے تک پہنچ گئی۔اس نے کہا،چونکہ وہ بہت اچھی ہے اس لئے اسے ہفتے میں ایک بار میرے پارک میں گھومنے پھرنے کی اجازت ملنی چاہیے۔یہ باغ شہر سے باہر تھا۔یہ بہت خوبصورت باغ تھا۔بچوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔وہاں گھومنے پھرنے کی اجازت ملنا بہت بڑا اعزاز تھا۔"

سرل نے پوچھا،"کیا وہاں بھیڑیں تھیں؟"

"نہیں" کنوارے نے جواب دیا۔"وہاں بھیڑیں نہیں تھیں"۔اس جواب پر لازماً پوچھا جانے والا سوال تھا۔"وہاں بھڑیں کیوں نہیں تھیں؟"

خالہ زیرلب مسکرائی،یہ کوئی خوش گوار مسکراہٹ نہیں تھی۔

"وہاں بھیڑیں نہیں تھیں کیوں کہ شہزادے کی والدہ نے خواب دیکھا تھا،کہ اس کے بیٹے کو یا تو کوئی بھیڑ مار دے گی یا پھر چوغہ اس پر گرے گا اور وہ مر جائے گا۔اس وجہ سے شہزادے نے کبھی بھی اپنے باغ میں بھیڑ نہیں رکھی اور نہ ہی اپنے محل میں چوغہ رکھا۔" خالہ نے تعریفی سانس روکا۔سرل نے پوچھا،

"کیا شہزادے کو بھیڑ یا چغے نے مار دیا؟"

"شہزادہ ابھی زندہ ہے اس لئے ہم کچھ کہہ نہیں سکتے کہ خواب کی تعبیر کیا ہوگی" کنوارے نے لاتعلقی سے جواب دیا۔

"بہر حال پارک میں کوئی بھیڑ نہیں تھی۔لیکن بہت سارے چھوٹے سؤر تھے،،جو جگہ جگہ بھاگتے پھرتے تھے۔"

"ان کا رنگ کیسا تھا؟"

"سفید منہ والے کالے اور کالے دھبوں والے سفید، مکمل کالے، سفید دھبوں والے سرمئی اور بعض مکمل سفید تھے۔"

قصہ گو نے توقف کیا تاکہ پارک کا مکمل خاکہ بچوں کے ذہن جذب ہو جائے۔ پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

"برتھا کو جب علم ہوا کہ باغ میں پھول نہیں ہیں تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ برتھا نے اپنی خالاؤں سے روتے ہوئے وعدہ کیا تھا کہ وہ باغ کے پھول نہیں توڑے گی۔ اس کا وعدہ نبھانے کا پورا پروگرام تھا۔ اس لئے اسے باغ میں پھولوں کا نہ ہونا بہت بیوقوفانہ بات لگی۔"

"باغ میں پھول کیوں نہیں تھے؟"

"اس لئے کہ باغ کے سارے پھول سؤر کھا گئے تھے۔ آدمی نے فوراً وضاحت کی۔ باغبانوں نے شہزادے کو بتادیا تھا کہ وہ پھول اور سؤر اکٹھے نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ شہزادے نے سؤر رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔"

شہزادے کے اس اعلیٰ فیصلے کو بہت سے لوگوں نے سراہا۔ بہت سے لوگ اس سے مختلف فیصلہ بھی کر سکتے تھے۔ پارک میں اور بھی بہت سی اچھی چیزیں موجود تھیں۔ تالاب تھے، جن میں گولڈن، نیلی اور سبز مچھلیاں تھیں۔ درخت تھے، جن پہ خوبصورت طوطے تھے۔ جو دن بھر دانائی کی باتیں سناتے تھے۔ شکر خورے (دنیا کا سب سے چھوٹا پرندہ) تھے۔ جو ہر دلعزیز دھنیں گنگناتے رہتے تھے۔ برتھا اوپر نیچے ہر جگہ گھومتی رہی۔ اور خوب لطف اندوز ہوئی۔ اس نے سوچا اگر میں غیر معمولی طور پہ اچھی نہ ہوتی تو مجھے اس خوبصورت پارک میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی۔ اور نہ یہاں کی تمام خوبصورتی سے لطف اندوز ہوتی۔ جب وہ ایسا سوچتے ہوئے چل رہی تھی تو اس کے تینوں تمغے آپس میں ٹکرا کر جھنکار پیدا کر رہے تھے۔ عین اسی وقت پارک میں ایک بھیڑیا سرگشت کرتا یہ دیکھنے آگیا کہ آیا وہ ایک موٹا تازہ چھوٹا سؤر اپنے رات کے کھانے کے لئے پکڑ سکتا ہے؟"

"اس کا رنگ کیسا تھا؟" بچوں نے فوراً دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"مٹیالہ رنگ اور کالی زبان، سرمئی آنکھیں جو غیض و غضب سے چمک رہی تھیں۔ پارک میں سب سے پہلے اسے برتھا دکھائی دی۔ اس نے بے داغ چمکدار سفید لباس پہن رکھا تھا جو دور سے دکھائی دیتا تھا۔ برتھا نے بھیڑیے کو دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ چپکے چپکے اسی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس وقت اس نے خواہش کی کہ اسے کبھی پارک میں آنے کی اجازت نہ ملی ہوتی۔ وہ جتنا تیز

دوڑ سکتی تھی دوڑی اور بھیڑیا بھی چھلانگیں لگاتا اس کے پیچھے آیا۔ وہ بھاگ کر مہندی کی جھاڑیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ اور سب سے گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپ گئی۔ بھیڑیا جھاڑیوں کو سونگھتا ہوا آیا۔ اس کی کالی زبان منہ سے باہر لٹک رہی تھی۔ ہلکی سرمئی آنکھیں غصے سے چمک رہی تھیں۔ برتھا بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔ اس نے سوچا اگر وہ غیر معمولی طور پر نیک نہ ہوتی تو وہ اس وقت بہ حفاظت اپنے گھر ہوتی۔ تاہم مہندی کی جھاڑیوں کی خوشبو اتنی تیز تھی کہ بھیڑیا برتھا کی پوشیدہ جگہ کا پتہ نہیں چلا پا رہا تھا۔ اور جھاڑیاں اتنی گھنی تھیں کہ بھیڑیے کو برتھا کو ڈھونڈنے میں بہت زیادہ تگ و دو کی ضرورت تھی، اس لئے بھیڑیا نے سوچا کہ اسے جا کر کسی چھوٹے سؤر کو آسانی سے پکڑ لینا چاہیے۔ بھیڑیا سونگھتا ہوا برتھا کے بہت قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ ڈر اور خوف سے کانپ رہی تھی، اس کے کانپنے سے اس کا تمغہ برائے فرمانبرداری اس کے تمغہ برائے اچھے رویے اور تمغہ برائے پابندی وقت سے ٹکرایا۔ بھیڑیا اس وقت وہاں سے جانے لگا تھا جب اسے تمغوں کے ٹکرانے کی آواز سنائی دی، وہ وہیں رک گیا۔ اس کے قریب کی جھاڑی سے تمغوں کی ٹکرانے کی دوبارہ آواز آئی، اس نے اس جھاڑی پر چھلانگ لگا دی۔ اس کی آنکھیں غصے اور فتح کے احساس سے چمک رہی تھیں۔ اس نے برتھا کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور چیر پھاڑ ڈالا۔ صرف اس کے جوتے، کپڑوں کے کچھ حصے اور اچھائیوں کے تین تمغے پیچھے رہ گئے۔"

"کیا چھوٹے سؤروں میں سے کوئی مارا گیا؟"

"نہیں وہ سب بچ گئے۔"

"کہانی کی ابتدا اچھی نہیں تھی، لیکن اختتام اچھا تھا"۔ چھوٹی لڑکیوں میں سے چھوٹی نے کہا۔

"یہ ان تمام کہانیوں میں سے جو میں نے سنیں، سب سے خوبصورت کہانی تھی۔" چھوٹی لڑکیوں میں سے بڑی نے کہا۔

خالہ نے ان آراء سے اختلاف کیا، "چھوٹے بچوں کو سنانے کے لیے انتہائی نامناسب کہانی تھی۔ تم نے سال ہا سال سے بچوں کی سکھلائی پر کی گئی محنت برباد کر دی۔"

کنوارے نے ٹرین سے اترنے کے لئے اپنا سامان اٹھاتے ہوئے کہا، "بہر حال میں نے انہیں پورے دس منٹ خاموش بٹھائے رکھا، جو تم کبھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"ناخوش خاتون"۔ ٹیمپلکومب سٹیشن پر اترتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا، "اگلے چھ ماہ تک یہ بچے اس سے پبلک میں نامناسب کہانی سنانے کے لئے دباؤ ڈالتے رہیں گے۔"

○

تعارف مصنف: پیڈرو۔اے،ڈی۔الارکن

انیسویں صدی کا ہسپانوی ناول نگار 10 مارچ 1883 کو پین میں غرناطہ کے قریب گواڈکس شہر میں پیدا ہوا۔اس کا مشہور ترین ناول Trespicos.El.Sombero,de / تین کونوں والی ٹوپی ہے۔یہ ایک روایتی ناول ہے جس میں اندلس میں واقع اس کے آبائی گاؤں الا رکن کی زندگی کی تصویر کشی ہے۔مصنف کا زمانہ سپین میں رومانس سے حقیقت نگاری کی طرف سفر کا درمیانی دور تھا۔سپین میں یہ 1870 کا وقت تھا۔الا رکن کے ہاں دونوں ہی مزاج ملتے ہیں۔اس نے انتہائی جذبات سے بھرپور تحریریں بھی لکھیں اور ماڈرن ٹرینڈ بھی اپنایا۔اس ناول کے علاوہ ایک مختصر ناول کیپٹن وینیٹو لکھا،اس کے علاوہ چار ناول،سفرنامے اور بے شمار مختصر کہانیاں لکھیں۔اس کی پہلی ادبی شناخت Diary of a witness to African war / افریقی جنگ کے (1859 تا1860) گواہ کی ڈائری سے بنی۔یہ سپین کی مراکش سے جنگ کے حوالے سے اس کے اپنے مشاہدات پر مبنی تھی کہ اس نے خود اس جنگ میں عملی حصہ لیا تھا۔جوانی میں وہ کلیسا مخالف اور بادشاہت مخالف نظریات رکھتا تھا۔لیکن اٹلی کے سفر کے بعد وہ قدامت پسند کیتھولک ہو گیا۔الا رکن 19 جولائی 1891 میں اٹھاون سال کی عمر میں میڈرڈ سپین میں فوت ہو گیا۔

راہبہ

(The Nuh)

حصہ اول

یک صدی قبل مارچ کے مہینے میں صبح گیارہ بجے سورج انتہائی خوشگوار اور پیار و دلار کرنے والا تھا جتنا کہ آج 1868 کے موسم بہار کی آمد پر ہے۔ اور آج سے ایک صدی بعد (اگر تب تک دنیا کا خاتمہ نہ ہو گیا ہو تو) ہمارے پڑ پڑ پوتوں کی زندگیوں میں بھی ایسا ہی ہو گا۔

یہ غرناطہ کے دریائے البازین (Darro) کے کنارے واقع جاگیرداروں کی حویلی کی بالکونیوں سے جھانکتا اس کے مرکزی ملاقاتی کمرے / بیٹھک تک پہنچ رہا تھا۔ اس کی چمکدار روشنی اور خوشگوار گرمائش اس وسیع و عالی شان بیٹھک کو نہلا رہی تھی۔ اس کی دیواروں پر ٹنگی محوِ خواب صوفیانہ تصاویر میں جان ڈال رہی تھی۔ قدیم فرنیچر اور ان پر پھیلائے گئے مدھم رنگ کپڑوں کو نئی زندگی بخش رہی تھی۔ وہاں موجود تین لوگوں کے لئے بچھائے گئے آتش دان کی جگہ لے رکھی تھی۔ وہ تین لوگ جو اس وقت زندہ اور راہم تھے۔ لیکن جنھیں آج ڈھونڈا بھی نہیں جا سکتا۔

ایک بالکنی کے قریب ایک محترم بوڑھی خاتون بیٹھی تھی۔ جس کے معزز اور توانا چہرے (جو کبھی بہت ہی خوبصورت رہا ہو گا) سے کرختگی اور تفاخر عیاں تھا۔ وہ چہرہ یقیناً کبھی نہیں مسکرایا۔ سخت احکامات جاری کرتے رہنے کی طویل عادت کے باعث ہونٹوں کے گرد سخت تہیں بن چکی

تھیں۔اگرچہ اس کا سر کانپتا رہتا تھا لیکن وہ جھکتا صرف خدا کی قربان گاہ پر ہی تھا۔اس کی آنکھیں سماجی قطع تعلقی کی دھمکی کے بھڑکتے شعلے اگلتی رہتی تھیں۔اور اگر آپ مسلسل ٹکٹکی باندھ کر دیکھیں تو آپ کو پتہ چل جائے کہ جب بھی وہ حکم دیتی تو تعمیل کرنے والے کے پاس دو ہی اختیارات ہوتے ، یا تو حکم مانو یا اسے قتل کر دو۔لیکن پھر بھی اس کے تاثرات میں ظلم اور بدنیتی کا اظہار نہیں تھا، بلکہ سخت اصول پسندی اور عدم برداشت تھی، کہ کسی بھی قیمت پر سمجھوتا نہیں کرنا۔وہ ملکہ کی نقل میں کالی بمبزین کی چولی اور سکرٹ پہنتی تھی۔اپنے گھنے سرمئی بالوں کو پیلی بلجیئن لیس کی ٹوپی سے ڈھانپے رکھتی۔

اس کی گود میں دعائیہ کتاب کھلی پڑی تھی۔لیکن اس کی نظریں کتاب سے ہٹ کر چھ یا سات سالہ چھوٹے سے لڑکے پر مرکوز تھیں۔وہ بچہ اپنے آپ سے باتیں کرتے ہوئے قالین پر بالکونیاں سے آنے والی شعاؤں سے بننے والے مستطیلوں میں سے ایک میں لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

یہ بچہ فلپ چہارم کے بچوں کی ویلاکوز کی بنائی گئی تصویر کی طرح دبلا پتلا نازک پیلا ،سنہرے بالوں والا بیمار دکھائی دیتا تھا۔اس کے بڑے سے سر پر سوجی ہوئی نیلی آنکھیں اور ابھری ہوئی رگوں کا جال نمایاں تھا۔تمام دبلے پتلے بچوں کی طرح یہ بھی غیر معمولی طور پر پرجوش، ہیجانی مزاج اور زبردست قوت متخیلہ کا حامل بچہ تھا۔ہمیشہ حکم عدولی کے مواقع تلاش کرتا رہتا۔

اسے مردوں جیسا لباس پہنایا گیا تھا۔کالی ریشمی جرابیں، بکسوؤں والے جوتے، نیلی ساٹن کی نیکر، اسی کپڑے کی واسکٹ جس پر بہت سارے رنگوں کی کڑھائی تھی اور کالی مخمل کا ڈریس کوٹ۔

اس وقت وہ شجرہ نسب والی شاندار کتاب سے اپنی دبلی پتلی انگلیوں سے ورق پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر کے خوش ہو رہا تھا۔ساتھ ہی ساتھ وہ مایوسی اور چڑچڑاہٹ میں بے ربطی سے بڑبڑا رہا تھا کہ "کل وہ یہ کرے گا۔آج وہ یہ نہیں کرے گا۔مجھے یہ چاہیے۔مجھے یہ نہیں چاہیے"۔ایسا لگتا تھا کہ اس کا مقصد محض اس خوفناک بوڑھی عورت کی حکم عدولی تھا۔

بے چارہ بچہ بھی اپنی دادی کی طرح دہشت پھیلانے کا ماہر تھا۔

کمرے کے ایک کونے میں (جہاں سے آپ آسمان اور الحمرا کے سرخ مینارے دیکھ سکتے ہیں لیکن جہاں سے آپ کو صرف دریائے البازین کے اوپر ہوا میں قلابازیاں لگاتے پرندے ہی دیکھ سکتے ہیں) اونچی نشست والی کرسی پر ایک راہبہ بے حس وحرکت بیٹھی تھی۔اس کی نگاہیں لامحدود نیلگوں فضا میں کھوئی تھیں۔انگلیاں لمبی تسبیح پھیر رہی تھیں۔یہ راہبہ سینٹ جیمز آرڈر کی ممبر تھی۔وہ تیس سال کی تھی اور اس نے تھوڑا ترمیم شدہ غیر مذہبی لباس پہنا ہوا تھا، جو عام طور پر

اس آرڈر کی راہبات اپنے حجروں میں نہیں پہنتی تھیں۔

اس نے لباس میں ہسپانوی چمڑے کے موزہ نما جوتے، نفیس اونی کپڑے کی چولی اور کالے رنگ کی سکرٹ پہن رکھی تھی۔ بڑی سی شال جو شانوں پر پنوں سے ٹکائی گئی تھی جسے عام رواج کے مطابق تکون کی شکل نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ دو سرے ایک طرف اکھٹے کیے گئے تھے اور دوسرے دو اس کی پشت پر جھول رہے تھے۔

راہبہ کی کمر کا اوپر والا حصہ ننگا تھا۔ اور بائیں جانب مقدس حواری کا سراخ کراس تھا۔ نہ تو اس نے سفید چوغہ/ گاؤن پہنا ہوا تھا اور نہ ہی طوق (بغیر چھجے والی ٹوپی) ۔ اس کے بال چمکیلے تھے، انہیں اوپر کی سمت کنگھی کر کے پیچھے کی طرف اکھٹا کر کے اندلسی کسان عورت کے جوڑے کی طرح باندھا گیا تھا۔

اس کا لباس پرکشش نہیں تھا، پھر بھی پتہ چل رہا تھا کہ خاتون خوبصورت ہے۔ بلکہ لباس کی طرف سے برتی گئی لاپرواہی اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہی کر رہی تھی۔ اس کی فطری کشش نمایاں ہو رہی تھی۔

راہبہ لمبی مضبوط پھرتیلی اور متناسب جسم کی مالک تھی بلکل ان عورت نما ستونوں کی طرح جن کی تعریف کرنے کے لئے ہم ویٹکن کی آرٹ گیلریوں میں داخل ہوتے وقت رک جاتے ہیں۔ اس کا اونی گاؤن اس کے جسم سے چپکا ہوا اتنا چھپا تا نہیں تھا جتنا اس کے شاندار جسم کی بے عیب خوبصورتی کو نمایاں کرتا تھا۔

اس کے بے رونق سفید لمبے ہاتھ کالی سکرٹ پر مسحور کن طور پر نمایاں تھے۔ وہ ان قدیم سنگ مرمر کے ہاتھوں کی یاد دلاتے تھے، جو نیپلز کے جنوب مشرق میں واقع شہر پومپیئ سے دریافت ہونے والے مجسموں کے تھے جنہیں یونانی چھینیوں سے تراشا گیا تھا۔

اس شاہانہ خوبصورتی کی تصویر مکمل کرنے کے لئے سوچیں ایک دبلا پتلا گندمی بیضوی چہرہ، Titian / ٹیٹیان کے مجسمے میگڈالین کی طرح جسے ہلکا زردی مائل رنگا گیا تھا (کسی بھی گہرے احساس سے عاری لیکن بے حسی کی ہر رمق مٹا کر کچھ جذباتی پن کا اشارہ دیا گیا)۔ آنکھوں کے گرد دو جاندار حلقے ڈالے گئے، جس سے دھند میں لپٹی پر اسرار گہری اداسی جھلکتی تھی۔

یہ آنکھیں تقریباً ہر وقت جھکی رہتیں۔ اٹھتیں تو صرف آسمان کی طرف اٹھتیں۔ شاید وہ دنیا کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ جب وہ آنکھیں جھکاتی تو لمبی پلکیں ابدی رات کا سایہ بن کر بے

مقصد اور بیکار گزری زندگی پر چھا جاتیں۔ جب وہ انہیں اٹھاتی تو لگتا اس کا دل بادلوں کے ساتھ خدا کی گود میں پناہ لینے کے لئے اڑ رہا ہے۔ لیکن اگر اتفاقاً کسی زمینی مخلوق یا چیز پر نظر پڑ جاتی تو وہ آنکھیں دہکنے لگتیں، کانپتیں اور ادھر ادھر بھٹکتیں جیسے شدید بخار کا اثر ہو یا آنسوؤں کا سیلاب سے سوجی ہوں۔

حصہ دوئم

یہ خاندان کون تھا؟ چلیں آپ کو مختصراً بتاتے ہیں۔ بوڑھی عورت سانتو خاندان کے ساتویں نواب کی ریاست دار بیوہ تھی، اس کے دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے دونوں بچے بہت چھوٹے تھے جب نواب فوت ہو گیا۔ تھوڑا اور پیچھے چلتے ہیں۔

سانتو خاندان نے اس بوڑھی عورت کے سسر کے زمانے میں خوب دولت اور طاقت حاصل کی۔ چونکہ اس کا صرف ایک بیٹا تھا اور کوئی نزدیکی خونی دشتہ داری بھی نہیں تھی، اس وجہ سے وہ خوف زدہ رہتا کہ کہیں اس کی نسل ختم نہ ہو جائے۔ اس نے اپنی وصیت میں لکھا کہ اگر میرے کسی وارث کے ایک سے زیادہ بچے ہوں تو وہ بڑے دونوں بچوں میں جائیداد برابر برابر تقسیم کرے گا۔ تاکہ ہمارا نام ونصب دو شاخوں میں پھیلے۔ (ہپانوی جنگ برائے جانشینی کے دوران فلپ پنجم سے اپنے خصوصی تعلقات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے یہ مراعات حاصل کیں)

اس وصیت پر اس کے بیٹے کی اولاد نے جو اس بوڑھی عورت (جس کا تعارف کروایا گیا ہے) کے بچے تھے عمل کرنا تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس عورت نے اس یقین کے تحت کہ بڑے نام کی امتیازی حیثیت دو کی بجائے ایک ہی طاقتور شاخ سے قائم رہ سکتی ہے۔ اور اپنی سوچ کو خاندان کے بانی کی سوچ سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس نے اپنی بیٹی کو راہبہ بنانے کا سوچ لیا، تاکہ وہ تمام دنیاوی جائیداد سے لاتعلق ہو جائے اور سانتو خاندان کی تمام دولت اس کے بیٹے کو مل جائے۔

اس مقصد کے تحت اس نے بیٹی کو جب وہ بمشکل آٹھ سال کی تھی سینٹ جیمز کی خانقاہ برائے خواتین بھجوا دیا۔ تاکہ وہ جو اس وقت ڈونا ازابیل کہلاتی تھی اپنی مستقبل کی زندگی یعنی خانقاہی زندگی کی عادی ہو جائے۔ اس طرح وہ بچی خانقاہی فضاء میں سانس لیتی پروان چڑھی۔ اس سلسلے میں اس کی خواہش کبھی کسی نے نہ پوچھی۔ یہاں تک کہ وہ عمر کے اس حصے میں آپہنچی جب سب ذی شعور اپنے مستقبل کو تصوراتی کینوس پر تلاشتے ہیں۔ اس نے ایسے رہبانیت کو منتخب کر لیا گویا اسے معلوم ہی نہ ہو کہ انسان اپنے بارے میں خود بھی کچھ کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے

ہیں کہ ڈونا ازابیل کو اس وقت ان وعدوں کا جن کا اس نے ابھی ابھی اقرار کیا تھا مکمل طور پر ادراک ہی نہیں تھا (وہ دنیا اور خود اپنے دل کے بارے میں بلکل بے خبر تھی)۔ تاہم اسے یہ اندازہ ضرور تھا (جیسا کہ اسے اپنے حسب نسب ہر فخر تھا) کہ اس کا یہ پیشہ اس کے نام کی شان وشوکت میں اضافے کا باعث بنے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ راہبہ بنتے وقت فخر محسوس کر رہی تھی لیکن خوش تھی اس کا کوئی اظہار نہیں ملتا۔

سال گزرتے گئے۔ سسٹر ازابیل جو نازک اور ناتواں تھی یک دم شاداب اور قابل ذکر خوبصورت دکھائی دینے لگی۔ لیکن اس خوبصورتی کا اس شاندار بہار سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا جو اس عرصے میں اس کے دل اور روح پر کھل رہی تھی۔ تب یہ نوجوان راہبہ نہ صرف اپنی خانقاہی برادری بلکہ خانقاہ سے متعلق تمام افراد کے لئے ایک معجزہ اور مورتی بن گئی۔ کوئی اسے ریبقہ قرار دیتا تو کوئی سارہ۔ کوئی اسے رتھ کہتا تو کوئی جیوڈتھ سے اس کا مقابلہ کرتا۔ خانقاہ کی سربراہ نے اسے سینٹ سیسیلیا کا لقب دے دیا۔ خانقاہ کا منتظم اسے سینٹ پالیس بلاتا۔ الغرض سب اس بات پر متفق تھے کہ وہ دوسری سینٹ خواتین سے مشابہ ہے، چاہے وہ کنواری، بیوہ یا شادی شدہ تھیں۔

جن عظیم خواتین، ہیروئن، ملکاؤں، ماؤں اور بیویوں کے مثل سسٹر ازابیل کو قرار دیا جا رہا تھا ان کے بارے میں جاننے کے تجس کے تحت سسٹر ازابیل نے ایک سے زائد بار بائیبل پڑھی اور کئی بار مقدس حرم خانہ جا کے ان کی کہانیاں پڑھیں۔ اس مطالعہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ خانقاہ سے باہر کی دنیا کی خود نمائی، غرور، تمنائیں اور تجس اتنی تیزی سے اس کے تصورات میں داخل ہوئے کہ اس کے روحانی پیشوا کو اس کی سرزنش کرنی پڑی۔ اسے سمجھانا پڑا کہ اس کے خیالات اور جذبات جس سمت جا رہے ہیں وہ اسے جہنم کے عذاب کا حقدار نہ ٹھہرا دیں۔

یہ سنتے ہی سسٹر ازابیل اپنے اندر فوراً مکمل اور واضح تبدیلی لے آئی۔ اس دن کے بعد وہ اپنے اعلیٰ نصب کے غرور میں مبتلا پر جوش بلند حوصلہ اور رب کی کنواری (مثل مریم) نواب زادی بن گئی۔ اس کی روحانی، عارفانہ وصوفیانہ رستے پر چلنے کی کوشش میں اتنی وارفتگی اور دیوانگی تھی اور اس کی کفارہ ادا کرنے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ ذہنی خلفشار کا شکار ہوگئی۔ اس کی خانقاہ کی منتظم اعلیٰ اور اس کا اعتراف گناہ سننے والا دونوں پریشان ہو گئے۔ اور اسے یقین دلانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ ایسے کسی گناہ کی مرتکب نہیں ہوئی کہ وہ اسے معاف کروائیں۔

اس دوران راہبہ کے دل اور روح پر کیا گزری وہ روح اور دل جو اتنا اچانک جو بن

پرآئے تھے؟ ہم یقیناً نہیں جانتے ۔ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ پانچ سال بعد (اس دوران اس کے بھائی کی شادی ہوئی ،بیٹا پیدا ہوا اور پھر بچے کی ماں فوت ہوگئی) مسٹر ازابیل پہلے سے زیادہ خوبصورت لیکن مرجھائے ہوئے للی کی طرح ہو چکی تھی ۔ڈاکٹروں کی ہدایات پر اور اس کی والدہ کے اثر ورسوخ کے تحت اسے گھر بھیج دیا گیا۔تاکہ وہ اپنی جائے پیدائش کے علاقے ڈارو کی صحت مند آب وہوا میں سانس لے ،تاکہ جو پراسرار بیماری اسے اندر ہی اندر ختم کر رہی تھی اس کا علاج ہوسکے ۔ بعض نے اس کی بیماری کو مذہبی شدت پسندی قرار دیا اور دوسروں نے اسے گہری اداسی کہا۔لیکن وہ اس کی ایسی تشخیص نہ کر سکے جسے کا طب علاج کر سکے ۔وہ صرف اس کی علامات بیان کر رہے تھے ،جس میں شدید ناتوانی ،اضمحلال اور مسلسل رونے کا رجحان تھا۔

گھر منتقل ہونے سے اداسی دور تو نہیں ہوئی لیکن صحت اور توانائی بحال ہونے لگی ۔لیکن عین اسی وقت اس کا بھائی الفانسو تین سال کا بیٹا چھوڑ کر مرگیا۔راہبہ کو گھر پر ہی ٹھہرنے اور اپنی بوڑھی ماں کا ساتھ دینے اور چھوٹے بچے (جو کہ سانتو خاندان کا اکلوتا وارث تھا) کی دیکھ بھال کے لئے گھر کو ہی خانقاہ سمجھنے کا مشورہ دیا گیا۔

تو اب ہم جان چکے ہیں کہ وہ چھوٹا بچہ جو شجرہ نسب والی کتاب پھاڑ رہا تھا،کون تھا۔اب ہم با آسانی اندازہ لگا سکتے ہیں وہ بچہ اپنی دادی کی جان ،روح ،زندگی ،محبت ،فخر اور بہ یک وقت ستم گر بھی تھا۔اور اس کی پھپھو اس کی نہ صرف انفرادی حیثیت دیکھتی تھی بلکہ اسے اپنی اعلیٰ نسل کی بقا کی امید بھی سمجھتی تھی۔

حصہ سوئم

اب ہم اپنے تینوں کرداروں جنہیں ہم اچھی طرح جان چکے ہیں کے پاس واپس چلتے ہیں۔

لڑکا اچانک کھڑا ہوتا ہے ۔بچی پھٹی کتاب کو پرے پھینکتا ہے ،اونچی آواز سے گاتا ہوا کسی اور چیز کی تلاش میں جسے وہ برباد کر سکے باہر نکل جاتا ہے ۔دونوں خواتین جہاں ہم نے انہیں چھوڑا تھا وہیں بیٹھی ہیں ۔بوڑھی عورت اپنی کتاب دوبارہ پڑھنے لگتی ہے ۔لیکن راہبہ تسبیح رولنا بند کر دیتی ہے۔

راہبہ کیا سوچ رہی تھی؟ کون جانتا ہے۔؟

موسم بہار شروع ہو چکا ہے ۔کمرے کے باہر لٹکتے پنجروں میں بند بلبل اور چڑیاں الحمرا

کی جھریوں میں آزاد رہنے والے پنچھیوں سے محو گفتگو تھیں۔ شاید قیدی پرندے انہیں محبت سے محروم زندگی کی اداسی اور بوریت کے بارے میں بتا رہے تھے۔

بالکونی میں سجے گلی فلاور (شب بو) میٹھی گل بقاؤلی کے پودوں پر پھول کھلنے والے تھے۔ ہوا خوشبودار اور گرم تھی۔ محبت بھرے دل شہروں سے نکل کر کھیتوں کھلیانوں کی تنہائیوں اور جنگلوں کی پراسراریت کی طرف کھینچے چلے آرہے تھے۔ جہاں وہ آزادی سے ایک دوسرے کو دیکھ سکیں اور اپنی دلی خواہشات ایک دوسرے کو بتا سکیں۔

گلیوں میں آتے جاتے زندگی کی دوڑ دھوپ میں مصروف لوگوں کے قدموں کی آوازیں گونجتی رہتیں۔ جن کی خوش قسمتی پر، اپنی خستہ حالی کے بوجھ تلے دبے لوگ جب انہیں دیکھتے ان پر رشک کرتے۔

وقتاً فوقتاً گانے کے کچھ بول بھی سنائی دے جاتے جن میں کوئی اپنی اتوار کی مہم جوئی کی داستان سنا رہا ہوتا یا کسی دوکان کا کاریگر شام کی ملاقات کے انتظار میں وقت گزاری کے لئے گا رہا ہوتا۔

اس سب فلسفیانہ گفتگو کے ساتھ، بہتے دریا کی سرسراہٹ، دارالحکومت کا شور شرابہ، بیٹھک میں لگے پینڈولم کی موسیقی بھری آواز، دور کہیں کسی جشن، کسی جنازے کسی اور راہبہ کی حلف برداری کی تقریب کا اعلان کرتی گھنٹیوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

یہ سب کچھ اور اس کے ساتھ سورج جو واپسی کے سفر پر ٹھنڈے کونے تلاش کر رہا تھا اور نیلے آسمان کا دکھائی دینے والا حصہ آنکھ اور روح میں سما رہا تھا۔ الحمرا کے موسیقی اور رنگین یادوں سے بھرے مینار، پھولوں سے لدے پھندے درخت جیسے وہ مسلمانوں کے دور حکومت میں ہوتے تھے۔ یہ سب مل کر اس تیس سالہ خاتون کی روح کو بوجھل کر رہے تھے۔ جس کا وجود ہمیشہ سے ایک جیسی یکسانیت کا شکار رہا تھا، اور جس کا مستقبل بھی ایسے ہی اداس لمحوں کی سست اور بے مقصد تکرار کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

لڑکے کی بیٹھک میں واپسی سے راہبہ کو تصوراتی دنیا سے واپس آنا پڑا۔ اور بیگم نواب کی پڑھائی بھی متاثر ہوئی۔

"دادو" بچہ زور سے چیخا۔ "وہ اطالوی جو نچلی منزل پر سیڑھیوں پر پتھر کی سل نصب کر رہا ہے نے ابھی ابھی اس بوڑھے سے جو چھت کو رنگ کر رہا ہے۔ بہت ہی مزاحیہ بات کہی ہے۔ میں نے وہ بات سن لی۔ لیکن انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ ٹوٹی پھوٹی ہسپانوی زبان میں سنگ تراش نے

جو بات کی وہ میں سمجھ گیا ہوں۔ اگر آپ سن لیں جو اس نے کہا۔"

"کارلوس"، بوڑھی عورت نے ایسی نفاست سے جواب دیا جس سے بزدلی ظاہر ہوتی تھی۔"میں تمھیں بارہا سمجھا چکی ہوں کہ ایسے مردوں کے ساتھ تمہارا کوئی لینا دینا نہیں، یاد رکھو تم نواب سانتو ہو۔"

"لیکن وہ مجھے پسند ہیں" بچے نے جواب دیا،" مجھے رنگ ساز اور سنگ تراش اچھے لگتے ہیں۔مین اس وقت ان کے پاس جارہا ہوں۔"

"کارلوس" راہبہ نے پیار سے اسے پکارا،" تم اپنے والد کی والدہ سے بات کر رہے ہو۔تم ان کی اسی طرح عزت کرو جیسے وہ اور میں کرتے ہیں۔۔۔۔۔"

بچہ کھلکھلا کر ہنس پڑا اور بات جاری رکھی،" لیکن پھپھو، اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ سنگ تراش نے کیا کہا۔۔۔۔وہ آپ کے بارے میں بات کر رہا تھا"۔

"میرے بارے میں؟"

"خاموش رہو! کارلوس!" بوڑھی عورت نے سختی سے بچے کو ٹوکا۔

بچے نے اسی لب و لہجے میں بات جاری رکھی،" سنگ تراش نے رنگ ساز سے کہا: "دوست، راہبہ بلکل ننگی کتنی خوبصورت لگے گی! بلکل یونانی مجسمہ نظر آئے گی! یونانی مجسمہ کیا ہوتا ہے،؟ پھپھو ازابیل!

ازابیل نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے چھوٹے نواب کو بازو سے پکڑا اور غصیلے لہجے میں بولی،" چھوٹے بچے نہ تو ایسی باتیں سنتے ہیں اور نہ ہی انہیں دہراتے ہیں! سنگ تراش تو فوراً" گھر سے نکالا جائے گا۔جہاں تک تمہارا تعلق ہے پادری تمہیں بتائے گا کہ تم سے کیسا گناہ سرزد ہوا ہے اور اس حساب سے تمہیں سزا دی جائے گی۔۔۔۔۔"

"کون پادری؟ پادری یہ سب کچھ مجھ سے کہے گا۔میں اس سے زیادہ بہادر ہوں۔میں اسے اٹھا کر باہر گلی میں پھینک دوں گا۔لیکن سنگ تراش ادھر ہی رہے گا۔"

پھر راہبہ کی طرف مڑتے ہوئے بچہ بولا،" پھپھو میں آپ کو ننگا دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔۔"

"او عرش پر مقیم مقدس باپ!" دادی نے اپنے ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے پکاری۔سسٹر ازابیل نے کسی قسم کے جذبات ظاہر نہیں کئے۔

بچے نے دادی کے سامنے کھڑے ہو کر دہرایا،" میں پھپھو کو بلکل ننگا دیکھنا چاہتا ہوں۔۔"

"گستاخ بچے!" وہ اپنا ہاتھ پوتے پر اٹھاتے ہوئے چلائی۔

اسی لمحے بچہ چکندر کی طرح لال سرخ ہو گیا۔ غصے سے پاؤں پٹخے، ایسا دکھائی دیا جیسے وہ نواب بیگم پر حملہ کرنے لگا ہے۔ اس نے دوبارہ اسی آواز میں کہا، "میں نے کہا، مجھے پھپھو کو ننگا دیکھنا ہے۔ اگر جرات ہے تو مجھے مار کر دکھاؤ۔"

راہبہ حقارت بھرے تاثرات کے ساتھ اٹھی، بچے پر کوئی توجہ دیئے بغیر دروازے کی طرف بڑھی۔ کارلوس اچھل پڑا۔ اس کا رستہ روکا اور پاگلوں والے انداز میں اپنا مطالبہ دہرایا۔ سسٹر ازابیل بلکل نہ رکی۔ بچے نے اسے پکڑنے کی کوشش کی لیکن پکڑ نہ سکا۔ اسی کوشش میں فرش پر گر پڑا شدید دورہ پڑ چکا تھا۔ دادی ایسے خوفناک انداز میں کراہی کہ راہبہ کو مڑ کر دیکھنا پڑا۔ وہ ادھر ہی روش پر رک گئی۔ بھتیجے کو فرش پر گرے دیکھ کر ڈر گئی بچے کی آنکھیں عجیب انداز سے گھوم رہی تھیں۔ منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ شدید ہکلاتے ہوئے کہہ رہا تھا "۔۔۔۔۔۔پھپھو۔۔بلکل ننگی۔۔۔۔۔۔"

"شیطان" راہبہ، ماں کی طرف بے تابی سے دیکھ کر ہکلائی۔ بچے نے فرش پر سانپ کی طرح بل کھایا، نیلا پڑ گیا۔ پھپھو کو ایک دفعہ پھر پکارا اور ٹھنڈا پڑ گیا اس کا دم گھٹنے لگا۔

"سانتو خاندان کا واحد وارث مرنے لگا ہے۔" دادی ناقابل بیان خوف سے چلانے لگی۔
"پانی۔۔۔۔۔پانی۔۔۔۔ڈاکٹر" ملازمین جلدی سے پانی اور سرکہ لئے بھاگے آئے۔ نواب بیگم نے بچے پر باری باری پانی اور سرکہ چھڑکا۔ بے تابی سے اس کا چہرہ چوما اسے فرشتہ کہہ کر پکارا روتے ہوئے دعا مانگنے لگی۔۔۔۔۔۔ لیکن سب بے اثر رہا۔ بچہ آسیب زدہ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی بولائی پتھرائی آنکھیں کھولیں اور پھر سے اس کا جسم اکڑ گیا۔

راہبہ کمرے کے وسط میں منجمد کھڑی تھی۔ جانے کے لئے تیار لگتی تھی۔ سر نیچے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ آنکھیں بھائی کے بچے پر ٹکی تھیں۔

آخر کار بچے نے کچھ سانس لئے۔ اس کے بھینچے ہوئے دانتوں کے درمیان سے کچھ مبہم الفاظ نکلے "ننگی۔۔۔۔۔پھپھو۔۔۔۔۔۔۔"

راہبہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ کچھ مزید قدم اٹھائے۔ دادی نے اس ڈر سے کہ ملازمین کو پتہ نہ چل جائے انتہائی غیر مہذب انداز میں چلا کر حکم دیا۔ "سب باہر نکل جائیں! تم رکو ازابیل!" حیرت زدہ ملازمین نے حکم کی تعمیل کی۔ راہبہ اپنے گھٹنوں پر جھک گئی۔

"میرے پیارے بچے! کارلوس، بوڑھی عورت نے بچے کو لاش سمجھ کر لپٹایا ہوا تھا، بین کیے،" ردلو، ردلو میرے بچے، ناراض مت ہو، جو تم چاہتے ہو ہم ویسے ہی کریں گے۔"

"ننگی" کارلوس کی مردہ آواز سنائی دی۔ جیسے موت کی خرخراہٹ شروع ہو چکی ہو۔

"بیٹی" بوڑھی عورت نے راہبہ کو عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا،" سانتو خاندان کا وارث مر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہماری نسل ختم ہو جائے گی"۔

راہبہ کا پورا بدن کپکپایا۔ اپنی ماں کی طرح اعلیٰ نسب، پاکباز اور شریف، صورتحال کی سنگینی کو سمجھ گئی۔ اسی وقت کارلوس تھوڑا ہوش میں آیا۔ دونوں عورتوں کو دیکھا، اٹھنے کی کوشش کی لیکن دل خراش چیخ کے ساتھ دوسرا دورہ پڑ گیا جو پہلے سے زیادہ خطرناک تھا"۔۔۔۔۔۔ پھپھو کو ننگا دیکھنا ہے ۔۔۔۔۔۔" دوبارہ اکڑنے سے پہلے وہ دھاڑا، دھمکی آمیز انداز میں اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

بوڑھی عورت نے اپنے اوپر کراس کا نشان بنایا، کتاب اٹھائے دروازے کی طرف بڑھی۔ راہبہ کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھاتے ہوئے تکلیف دہ سنجیدگی سے بولی،" بیٹی، خدا کی یہی مرضی ہے۔" اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

حصہ چہارم

کوئی آدھے گھنٹے بعد نواب سانتو دادی کے کمرے میں ہانپتا کانپتا، ہنستا ہوا داخل ہوا۔ بوڑھی عورت کی طرف دیکھے بغیر اسے کہنی سے ٹھوکا دیتے ہوئے وحشیانہ سی آواز میں بولا "میری پھپھو بہت موٹی ہے۔"

نواب بیگم عبادت چوکی پر جھکی دعا مانگ رہی تھی، اپنا سر اپنی دعائیہ کتاب پر ٹکا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

بچہ سنگ تراش کی تلاش میں باہر نکل گیا۔ وہاں اسے مقدس دفتر کے حکام کے گھیرے میں دیکھا۔ جو اس کے لئے حکم نامہ لائے تھے کہ وہ ان کے ساتھ تفتیش کے لئے جیل چلے۔ اس پر کافر ہونے اور مذہبی بے حرمتی کا الزام سانتو نواب کی ریاست دار بیوہ نے لگایا تھا۔ اپنی تمام تر دلیری کے دعووں کے باوجود طاقت ور عدالتی بیلف کو دیکھ کر کارلوس نہ تو کچھ بولا اور نہ ہی سنگ تراش کی مدد کی۔

حصہ پنجم

رات کی تاریکی چھانے پر جب روشنیاں جلا دی گئیں تو نواب بیگم اپنی بیٹی کے کمرے کی جانب گئیں، اس میں اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی بس اسے تسلی دینا چاہتی تھیں۔ یہاں اسے سسٹر ازابیل کی ملازمہ نے مندرجہ ذیل عبارت کا حامل خط پکڑایا۔

"بہت پیاری امی جان!

مجھے زندگی میں پہلی بار آپ کے مشورے کے بغیر اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے پر معاف کر دینا لیکن میرا دل کہتا ہے کہ آپ اس سے ناخوش نہیں ہوں گی۔ میں واپس خانقاہ جا رہی ہوں، جسے مجھے چھوڑنا نہیں چاہیے تھا اور جسے میں آئندہ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں آپ کو مزید غم سے بچانے کے لئے خدا حافظ کہے بغیر جا رہی ہوں۔

خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے

آپ کی تابعدار بیٹی

سسٹر ازابیل۔ ڈی۔ لاس اینجلس

جونہی بوڑھی عورت نے یہ غمگین خط پڑھا، اس نے گاڑی کے پہیوں کی آواز سنی جو گھر کے صحن سے نکل کر پلازہ دی نیوا کی جانب بڑھ رہی تھی۔ اسی میں اس کی بیٹی اس سے دور جا رہی تھی۔

حصہ ششم

چار سال بعد سینٹ جیمز کی خانقاہ کی گھنٹیاں سسٹر ازابیل ڈی۔ لاس۔ اینجلس کے لئے بجائی گئیں جب اس کا جسم دھرتی ماں کو واپس سونپ دیا گیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد نواب بیگم فوت ہو گئی۔

پندرہ یا بیس سال بعد نواب کارلوس بغیر وارث چھوڑے مینورقہ کے معاصرے کے دوران ہلاک ہو گیا

اور اس کے ساتھ ہی سانتو کی اعلیٰ نسل بھی ختم ہو گئی۔

○

تعارف مصنف: خورخے ایل بورخس

خورخے 24 اگست 1899 میں بیونس آئرس ارجینٹائن میں پیدا ہوا۔ 1914 میں اپنے خاندان کے ساتھ سوئٹزرلینڈ منتقل ہوگیا۔ وہاں کالج ڈی جنیوا میں تعلیم حاصل کی۔ 1921 میں ارجنٹینا واپس آکر اپنی شاعری شائع کروائی۔ لائبریرین اور پبلک لیکچرر کے طور پر بھی کام کیا۔
1955 میں نیشنل پبلک لائبریری کا ڈائریکٹر مقرر ہوا۔ بعد میں یونیورسٹی آف بیونس آئرس میں انگریزی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ پچپن سال کی عمر میں مکمل اندھا ہوگیا۔ 1960 میں اس کے ادبی کام کا انگریزی میں ترجمہ ہوا تو اس کی شہرت امریکہ اور یوروپ میں پھیل گئی 1961 میں اسے پہلا پرائز ملا۔ 1971 میں اسے یوروشلم پرائز برائے انفرادی آزادی سے نوازا گیا۔ 1987 میں مرنے کے بعد سپین کا سب سے باعزت ادبی آوارڈ میگوئل ڈی سروِنٹس دیا گیا۔ 14 جون 1986 کو جنیوا سوئٹزرلینڈ میں فوت ہوا۔

تلوار کی شکل

(The Shape of the Sword)

اس کے چہرے پر راکھ کے رنگ کا ایک بدنما زخم کا نشان تھا۔ تقریباً مکمل قوس نما جس کے ایک طرف کنپٹی اور دوسری طرف رخسار کی ہڈی تھی۔ اس کے اصل نام سے کسی کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ ٹاکوریمبو میں سب اسے لاکولوراڈو کا انگریز کہتے تھے۔ کھیتوں کا مالک کارڈوسا اپنے کھیت کسی کو بیچنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ اس انگریز نے ایسی غیر متوقع حکمت عملی اپناتے ہوئے اپنے زخم کے نشان کا راز بتایا کہ مالک نے اسے کھیت بیچ دیے۔ یہ انگریز سرحدی علاقے ریو گرینڈ ڈی سل سے آیا تھا۔ سب کی رائے تھی کہ وہ برازیل میں سمگلر تھا۔ خریدے گئے کھیتوں میں ہر وقت گھاس کی بہتات اور پانی موجود رہتا۔ انگریز نے ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے اپنے ملازمین کے ساتھ مل کر ان جتنی محنت کی، کہا جاتا ہے وہ ظالمانہ حد تک سخت گیر تھا لیکن محتاط حد تک منصف مزاج بھی تھا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ بہت زیادہ شراب پیتا تھا۔ سال میں کئی دفعہ وہ اپنے موسم گرما کے لئے بنائے گئے گھر کے ایک کمرے میں بند ہو جاتا۔ دو یا تین دن بعد ایسی حالت میں برآمد ہوتا گویا محاذ جنگ سے آیا ہو۔ مدہوش، زرد، متزلزل، خوف زدہ اور پہلے جیسا مطلق العنان۔ مجھے اس کی جذبات سے عاری آنکھیں، توانائی سے بھرپور دبلا پن، سرمئی مونچھیں یاد ہیں۔ وہ کوئی دوست نہ بناتا۔ ہسپانوی زبان بس واجبی سی جانتا تھا۔ برازیلین ازم کا شکار تھا۔ ماسوائے کبھی

کبھار کاروباری فائلوں کے علاوہ کوئی ڈاک اس کے نام نہ آتی۔

پچھلی دفعہ جب میں شمالی اضلاع کا سفر کر رہا تھا تو کاراگواٹا (برازیل کا ایک شہر) میں سیلاب کے باعث مجھے لاکولوراڈو میں شب بسری کے لئے رکنا پڑا۔ کچھ لمحوں بعد ہی میں نے محسوس کرلیا کہ یہاں میری آمد نامناسب تھی۔ میں نے اس انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے حب الوطنی کے موضوع پر بات شروع کر دی۔ کہ انگریز قوم کو بخشی گئی حب الوطنی کی روح ناقابل شکست ہے۔ جس پر میرے میزبان نے مری بات سے اتفاق کیا لیکن مسکراتے ہوئے مجھے بتایا کہ وہ انگریز نہیں ہے بلکہ ڈنگروان/ Dungarvan کا آئرش ہے۔ یہ کہتے ہی وہ رک گیا جیسے وہ اپنا کوئی راز فاش کر بیٹھا ہو۔

کھانے کے بعد ہم کھلے آسمان کے نیچے باہر آگئے۔ بارش ختم ہو چکی تھی۔ لیکن جنوبی پہاڑیوں پر بجلی کی کڑک و چمک سے شگاف پڑ رہے تھے۔ ایک اور طوفان کی آمد آمد تھی۔ خستہ حال ڈائننگ روم میں ملازم شراب کی بوتل رکھ آیا تھا کافی دیر ہم خاموشی سے پیتے رہے۔

مجھے صحیح طرح یاد نہیں کہ کیا وقت تھا، جب میں نے محسوس کیا کہ میں مدہوش ہو چکا ہوں۔ نہ ہی مجھے یہ یاد ہے کہ کس تحریک، خوشی یا بوریت کے تحت میں نے زخم کے نشان کی بات کی۔ تو انگریز یکدم چوکنا ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے گھر سے اٹھا کر باہر پھینکنے والا ہے۔ کافی وقفے کے بعد بالآخر اس نے اپنی نارمل آواز میں کہا: "میں تمھیں ایک شرط پر اپنے زخم کے نشان کی کہانی سناؤں گا کہ تم مجھے حقیقت جاننے کے بعد شرمندگی اور رسوائی سے بچاؤ گے نہیں۔

میں راضی ہو گیا۔ یہ وہ کہانی ہے جو انگریزی، ہسپانوی اور کچھ پرتگیزی بھی ملاتے ہوئے اس نے مجھے سنائی۔

"1922 میں یا اس کے قریب قریب کناٹ (آئرلینڈ کے اندر مغرب میں واقع صوبہ) Connaught/ کے ایک شہر میں اپنے بہت سارے ساتھیوں کے ہمراہ میں بھی آئرلینڈ کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے کچھ بات چیت برائے امن کے باعث زندہ بچ گئے۔ بقایا حیران کن طور پر برطانوی جھنڈے کے نیچے سمندر اور صحراؤں میں جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایک دن ایک بہت ہی نفیس ساتھی کو صبح دم بیرک کے صحن میں نیند کی مدہوشی میں ایک سکواڈ نے گولی مار دی۔ بہت سارے رفیق خانہ جنگی کے دوران ایسی ہی بدقسمتی کا شکار ہو گئے۔ ہم ریپبلکن کیتھولک تھے۔ مجھے شک ہے کہ ہم رومان پسند تھے آئرلینڈ ہمارے لئے

یوٹوپئین مستقبل اور نا قابل برداشت حال تھا۔ بلکہ ایک تلخ، بے وقوفانہ دیو مالائی قصہ بھی تھا۔ آئر لینڈ ہمارے لئے سرخ دلدلیں اور گول مینار تھا۔ یہ پارنیل (آئرش نیشنلسٹ سیاست دان جس نے گرفتاری کے بعد پر تشدد سیاست سے لا تعلقی اختیار کر لی تھی) کی لا تعلقی اور طویل منظوم کہانیاں تھا جن میں بیلوں، مچھلیوں اور پہاڑوں کے قصے بیان کئے گئے جو کسی دوسرے اوتار میں ہیرو تھے۔ ایک شام جسے میں کبھی بھول نہیں سکتا۔ ہماری تنظیم کا ایک رکن جان ونسنٹ مون/ John Vincent Moon جرمنی کے شہر Munster / منسٹر سے آیا تھا۔ وہ بمشکل بیس سال کا تھا نرم اور دبلا پتلا۔ اسے دیکھ کر پریشان کن حد تک تکلیف دہ احساس ہوتا کہ کم ہمت ہے۔ اس نے جوش و جذبے سے کمیونسٹ کتابچوں کا ہر صفحہ پڑھ رکھا تھا۔ اس کے نزدیک جدلیاتی مادیت ہر بحث کا اختتام تھا۔ اس کے خیال میں کسی دوسرے انسان سے محبت یا نفرت کرنے کی بے شمار وجوہات ہیں۔ مون دنیا کی تاریخ کو معاشی تنازعہ قرار دیتا۔ اس کا دعوی تھا کی آخری فتح انقلاب کی ہوگی۔ میرا جواب تھا کہ کچھ معزز ین ایسے مقاصد کا پیچھا بھی کرتے ہیں جو نا قابل حصول ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

لیکن رات ہو چکی تھی ہماری بحث ہال میں، سیڑھیوں پر، اور گلیوں میں مٹر گشت کرتے ہوے جاری تھی۔ مون کی رائے سے زیادہ میں اس کے غیر متزلزل، اٹل اور بے جھجھک لہجے سے متاثر تھا۔ یہ نیا کامریڈ بحث نہیں کرتا تھا بلکہ تحکمانہ غصے سے قانون نافذ کرتا تھا۔

جب ہم آخری گھر تک پہنچے تو غیر متوقع اچانک فائرنگ کی آواز سے ہکا بکا رہ گئے۔ (ہم نے جلد ہی فیکٹری کی بغیر کھڑکی والی دیوار کی اوٹ میں پناہ لے لی۔) ساتھ ہی کچی گلی میں گھوم گئے۔ ایک سپاہی جلتی ہوئی جھونپڑی کی چکا چاند روشنی میں منڈلاتا ہوا برآمد ہوا۔ اس نے ہمیں چلا کر رکنے کا حکم دیا۔ میں چلتا رہا لیکن میرا ساتھی میرے ساتھ نہیں آیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ جان ونسنٹ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ جیسے خوف سے پتھر بن گیا ہو۔ تب میں واپس مڑا، سپاہی کو ایک ہی ضرب سے مار گرایا۔ مون کو جھنجھوڑا، اسکی بے عزتی کرتے ہوے اسے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ لیکن خوف کی شدت سے وہ وہیں منجمد ہو چکا تھا۔ مجھے اسے پکڑ کر گھسیٹنا پڑا۔

ہم آگ اگلتی رات میں کھیتوں میں چھپ گئے۔ لیکن گولیوں کی بوچھاڑ نے ہمیں ڈھونڈ لیا۔ ایک گولی مون کے دائیں کندھے کو چھوتی ہوئی نکل گئی۔ جب ہم درختوں کی آڑ لینے کے لئے بھاگ رہے تھے تو مون ہلکی آواز میں کراہ رہا تھا۔

انیس سو بائیس (1922) کے موسم خزاں میں جنرل بارکلے کے مضافاتی مکان میں

مجھے جگہ مل گئی (میں جنرل سے کبھی نہیں ملا تھا) اس وقت جنرل وہاں نہیں تھا۔ وہ سرکاری کام سے بنگال گیا ہوا تھا۔ وہ عمارت صدی سے کچھ کم ہی پرانی تھی۔ لیکن مخدوش اور تاریک تھی۔ بہت سے بے مقصد ہال اور پیچیدہ روشیں تھیں۔ لائبریری اور میوزیم پورے گراؤنڈ فلور پر پھیلے ہوئے تھے۔ متنازعہ اور بے مقصد کتابیں جو انیسوی صدی کی جنگوں کی تاریخ پر مبنی تھیں۔ نیشاپوری تلواریں جن کے نامکمل دائروں میں آج بھی ہوا اور خون ریزی ٹھہری ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ہم وہاں داخل ہو گئے۔ مون کو آواز دی۔ اس نے کانپتے خشک ہونٹوں سے سرگوشی کی کہ رات کے واقعات دلچسپ تھے۔ میں نے اسے طبی امداد دی، چائے کا پیالہ پکڑایا اور اس کا زخم دیکھا، جو بلکل سطحی تھا۔ یکدم وہ پریشانی سے بڑبڑایا، "تم نے خوف ناک خطرہ مول لیا"

میں نے اسے سمجھایا کہ پریشان نہ ہو۔ خانہ جنگی نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا کہ تنظیم کے ایک بھی رکن کی گرفتاری ہمارے مقصد کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔

اگلے دن تک مون کے حواس بحال ہو چکے تھے۔ اس نے مجھ سے سگریٹ لیتے ہوئے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی، کہ ہماری انقلابی تنظیم کے مالی وسائل کیا ہیں؟ اس کے سوالات قابل غور تھے۔ میں نے جو سچ تھا اسے بتا دیا کہ صورتحال بہت نازک ہے۔ بندوق کا ایک فائر پورے جنوب کو ڈسٹرب کر سکتا ہے۔ ہمارے ساتھی ہماری واپسی کے منتظر ہیں۔ میرا اوورکوٹ اور ریوالور کمرے میں تھے۔ جب میں واپس آیا تو مون کو صوفے پر آنکھیں بند کئے لیٹا پایا۔ اسے شک تھا کہ اسے بخار ہے، ساتھ ہی کندھے میں تکلیف دہ درد کی شکایت بھی کی۔

تب مجھے احساس ہوا کہ اس کی بزدلی ناقابل علاج ہے۔ میں نے اسے اپنا خیال رکھنے کا کہا اور نکل پڑا۔

مجھے اس خوف زدہ آدمی پر شرم آ رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا شاید ونسنٹ نہیں میں بزدل ہوں۔ ایک انسان کا عمل پوری انسانیت کا عمل ہے۔ اس لئے یہ غیر منصفانہ نہیں کہ بہشت میں ایک کی حکم عدولی پوری انسانی نسل کو ناپاک کر دے۔ اسی طرح ایک یہودی کا مصلوب ہونا سب کو بچانے کے مترادف ہے۔ شاید شوپن ہار یہ کہنے میں حق بجانب تھا کہ میں ہر ایک ہوں اور ہر آدمی سب آدمی ہیں۔ اسی طرح شیکسپیئر بدنصیب جون ونسنٹ مون ہے۔

نو دن تک ہم جنرل کے وسیع گھر میں ٹھہرے رہے۔ اس وقت میں جنگ کی اذیتوں اور شان و شوکت کے حوالے سے کوئی بات نہیں کروں گا۔ میرا مقصد صرف اس توہین آمیز زخم کی

کہانی سنانا ہے۔ یہ سارے نو دن ماسوائے آخری سے پہلے دن کے ایک جیسے تھے۔ اس خاص دن ہمارے ساتھیوں نے بیرک میں گھس کر ایک شخص سے ان سولہ کامریڈوں کا جنہیں ایلفن / Elphin (آئرلینڈ کا ایک مقام) کے مقام پر مشین گن کا نشانہ بنایا گیا تھا، انتقام لیا۔ ان دنوں میں طلوع فجر کے وقت گھر سے نکلتا اور رات گئے گھر واپس آتا۔ میرا ساتھی اوپری منزل پر میرا انتظار کرتا۔ وہ اپنے زخم کی وجہ سے نیچے نہیں آتا تھا۔ مجھے یاد ہے اس کے پاس ایف این، ماوڈ آف کلوز وُس کی "حکمت عملی کے بارے میں کوئی کتاب ہوتی تھی۔ ایک رات اس نے میرے سامنے تسلیم کیا، "میں جس ہتھیار کو ترجیح دیتا ہوں، وہ توپ خانہ ہے۔ وہ اکثر ہمارے ارادوں کے بارے میں پوچھتا، ان پر تنقید یا ترمیم کرتا۔ وہ ہماری افسوسناک مالی حالت کی مذمت کرتا۔ اپنے مخصوص نظریاتی اداس لہجے میں ہمارے تباہ کن انجام کی پیش گوئی کرتا۔" یہ بہت حساس معاملہ ہے" وہ بڑبڑایا۔ یہ دکھانے کے لئے کہ وہ اپنی بزدلی پر نادم نہیں، وہ اپنی دماغی طاقت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا۔ اس طرح اچھے یا برے دس دن گزر گئے۔

دسویں دن شہر ہمیشہ کے لئے سیاہ فاموں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ لمبے خاموش گھڑسوار شہر کی سڑکوں پر گشت کرتے رہتے۔ ہوا راکھ اور دھوئیں سے بھری رہتی۔ گلی کی نکڑ پر پڑی لاش سے زیادہ، مجھے عوامی چوک میں موجود اس ڈمی سے زیادہ دلچسپی تھی جسے سپاہی نشانہ بازی کی مشق کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس دن میں حسب معمول طلوع آفتاب کے ساتھ گھر سے نکل گیا تھا، لیکن دوپہر میں واپس آ گیا۔ مون لائبریری کے فون سے کسی سے بات کر رہا تھا، کچھ توقف سے میں نے اپنا نام سنا، پھر یہ سنا کہ میں سات بجے تک واپس آؤں گا۔ اور پھر مجھے گرفتار کرنے کی ہدایات۔ میرا دوست مجھے بیچ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنی ذات کی حفاظت کی گارنٹی مانگتے سنا۔ یہاں سے میری کہانی الجھ جاتی ہے۔ مجھے معلوم ہے میں نے مخبر کا تاریک، ڈراؤنے، خواب ناک برآمدوں اور کھڑی سیڑھیوں میں تعاقب کیا۔ مون مجھ سے زیادہ گھر کا واقف تھا، ایک دو دفعہ تو میں نے اسے کھو ہی دیا۔ لیکن آخر کار سپاہیوں کے مجھے گرفتار کرنے سے قبل میں نے اسے گھیر ہی لیا۔ جنرل کے ایک زرہ بکتر سے میں نے ایک چھوٹی چوڑی سی تلوار کھینچ لی اس آدھے چاند کی شکل کے سٹیل سے میں نے اس کا چہرہ ہمیشہ کے لئے نشان زدہ کر دیا۔"

"بورجس تم ایک مکمل اجنبی ہو جس کے سامنے میں اعتراف کر رہا ہوں۔ تمہاری نفرت سے مجھے زیادہ دکھ نہیں ہو گا۔"

یہاں تک پہنچ کر وہ رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"اور مون؟" میں نے پوچھا

"اس نے غداری کی قیمت وصول کی اور برازیل چلا گیا"۔

میں نے کہانی جاری رہنے کا انتظار کیا۔ پھر میں نے اسے کہانی جاری رکھنے کا کہا۔ اس نے گہری آہ بھری، نرم اور میٹھے لہجے میں مجھے خم دار زخم دکھایا۔

"کیا تمہیں مجھ پر اعتبار ہے؟" وہ ہکلایا۔ "تم دیکھ نہیں رہے کہ بدنامی کا وہ داغ میرے چہرے پر ہے۔ میں نے تمہیں کہانی جان بوجھ کر اس انداز سے سنائی تا کہ تم اسے آخر تک سنو۔ میں نے اپنے محسن جس نے مجھے پناہ دی کو دھوکا دیا۔ میں ونسنٹ مون ہوں۔ اب مجھ سے نفرت کرو"

تعارف مصنف: گیبریل میرو

میرو 28 جولائی 1879 میں سپین کے شہر ایلی کانٹے میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم سانتو ڈومنگو کے عیسائی سکول سے حاصل کی۔ موجودہ افسانہ اسی دور کی یادوں پر ہے۔ 1892 میں غرناطہ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1901 میں شادی کی۔ 1914 میں بارسلونا کی صوبائی اسمبلی میں کام کیا۔ 1920 میں میڈرڈ میں منسٹری آف لاء میں کام کیا۔ 1925 میں ماریانو ڈی کاویا پرائز جیتا۔ ہسپانوی ادب کے مؤرخین اسے ماہرفن اور صاحب ذوق قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں اس کی نثر میں مقامی علاقائی شوخ رنگ موجود ہیں۔ اس کا سب سے مشہور ناول چیری قبرستان ہے۔

جناب کونیکا اور اس کا جانشین

(Senor Cuenca and His Successor)

ٹرین اوریولہ کے باغات کی ہموار زمین سے گزر رہی تھی۔ ٹرین سے باہر کے مناظر یکے بعد دیگرے تبدیل ہو رہے تھے۔ لمبے، گھنے، گہرے پٹ سن کے پودوں کو پیچھے چھوڑتے ہوئے شاندار مالٹوں کے درخت ان کی جگہ لے چکے تھے۔ اور اب سرسبز ٹیلوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے رستے کھردری پیوند زدہ سفیدی پھری جھونپڑیوں جن کے چھت ناتراشیدہ لکڑی کے تختوں سے بنائے گئے تھے جن میں زندہ درختوں کی ناہمواری موجود تھی اور ان کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث تھی کو جگہ دے رہے تھے۔ اب تنگ سڑکیں اور دور کچھ فاصلے پر سبزی سے لدی پھندی گاڑی نظر آنے لگی۔ جنگلی درخت کے سائے میں دو گائیں گوبر کی غلاظت کے ساتھ زمیں پر بیٹھی مکئی کے نرم ڈنٹھلوں کی چگالی میں مصروف تھیں۔ ان سے آگے بنجر پہاڑی چوٹیاں جن کی ننگی پسلی نما چٹانیں نرم گیلی زمین میں دبی، پھلوں کے درختوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دریا کے نشانات، بطخوں میں گھری پرانی پن چکی بھی ٹرین سے نظر آنے والے مناظر میں شامل تھی۔ تھوڑا آگے سیاہ پاپولر اور شہتوت کے درختوں کا جھنڈ، اکلوتا پام پھر ایک خانقاہ جس کے مخروطی تکونی حصے پر ندر کا کراس لٹکا ہوا تھا۔ دکھائی دیے۔ افق پر پھیلا نیلا دھواں، ایک تنگ نہر، ایپرن پہنے دو مالی پٹ سن کو موگری سے پیٹتے نظر آئے۔ دریا پھر نظر آنے لگا۔ پس منظر میں پہاڑوں کے پیچھے سفید میناروں والا بے ترتیب سا

بچوں کا مدرسہ نظر آرہا تھا۔اس سے نیچے پہاڑ کے ساتھ شہر شروع ہو جاتا تھا۔جس کے سرخ ،سفید ،نیلے اور براؤن مینار ،مقامی چرچ کی محرابیں اور بڑے گرجا گھر اور خانقاہوں کے گنبد چمک رہے تھے ۔داہنی طرف پہاڑی سلسلے کے اوپر تنہا ،گہرا جسیم ،متشکل میزاب ،کھڑکیاں ،بالائی کمرے ،چوکور مینار سے مشابہ گھنٹہ گھر والا سانتوڈومنگو کا کا مسیحی مدرسہ دھندلا دھندلا نظر آنے لگا۔

باغات ،دریا اور شہر کے اوپر ایک باریک چھدرا سا بادل پھیلا ہوا تھا۔اس سارے ہیت ارضی میں گوبر اور اصطبل کی بدبو ،آبپاشی کی تازہ مہک ،نرم گیلی پٹ سن کے جوہڑوں کی تیز بدبودار سڑاند اور مخروطی ڈھیروں کی شکل میں خشک ہونے کے لیئے رکھی گئی پٹ سن کی ناخوشگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔

سیگوینزا اس سہہ پہر اداس سوچوں میں غرق رہا۔وہ بہت اداس اور بور تھا۔اداسی اتنی تلخ اور اتنی شدید تھی کہ یہ محض وقتی نہیں تھی بلکہ بذات خود ایک حقیقت تھی ،اس کی روح سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور۔یہ ہر اس چیز پر جو وہ دیکھتا چھا رہی تھی ۔دھوپ ،درختوں ،وادی ،پہاڑ اور آسمان ہر شے اداسی کا روپ دھارے ہوئے تھی۔

یہی اداسی بچپن میں بھی اس پر ظلم ڈھاتی تھی ،جب وہ سکول یونیفارم پہنے چھوٹے بچوں کے ساتھ انہی رستوں پر مارچ کرتا ٹرین کے گزرنے کا انتظار کرتا تھا۔

اب ٹرین میں بیٹھے ہوئے اس کی وہ یادیں واپس آگئیں اور وہ پہلے سے بھی زیادہ اداس ہو گیا۔اس سارے ہیت ارضی اور سانتوڈومنگو کے کالج واپسی نے بھی اداسی میں اضافہ کر دیا تھا۔

سیگوینزا اپنے ساتھی مسافر ،جو اپنے بیٹے کو مسیحی سکول میں داخل کروانے آیا تھا کی طرف متوجہ ہوا اور اسے اس سکول میں بطور طالبعلم اپنی یادیں بتانے لگا۔

ساتھی مسافر نے اسے ٹوکتے ہوئے پوچھا ،" تو کیا آپ ان بیتے سالوں سے نجات چاہتے ہیں؟ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ ان دنوں کا دکھ بھی کتنی خوشگوار یاد ہے؟ ۔آپ نہیں چاہتے ؟مگر کیوں؟ اگر آپ کے بیٹے ہیں تو کیا آپ انہیں اسی سکول میں جہاں آپ تھے نہیں بھیجیں گے؟"۔

سیگوینزا نے جواب دیا کہ وہ اپنے بیٹوں کو ہرگز اس سکول میں نہیں بھیجے گا۔اگر ماضی کے وہ دکھ خوشگوار ہیں تو اس وقت بالغان کے لئے ہیں ۔بچوں کے لیئے خشک اور ٹھٹھرا دینے والے ہوتے ہیں ،اس وقت ان میں وہ خوشبو نہیں ہوتی جو وقت اسے بعد میں عطا کر دیتا ہے۔

جب وہ سانتوڈومنگو میں تھا تو وہ گاؤں کے لوہار کی زندگی پر رشک کرتا تھا جس کے

گانوں اور ہتھوڑے کی ضربات کی آواز تمام کھڑکیوں سے خوشگوار احساس لیے آتی اور مطالعاتی اوقات کی بوجھل خاموشی کو توڑتی۔

اس وقت وہ ایک چاکلیٹ فروش جناب ریبولو پر بھی رشک کرتا، جب سارے لڑکے اس کی دکان کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے حیرانی سے دیکھتے۔ اس کے بیلنوں کی آواز کے شور اور گرم ناریل کی مہک سے خوش ہوتے۔ وہ دریا کنارے بیٹھے سگریٹ پیتے اور لہروں سے بنتے بلبلوں کو دیکھتے شخص پر بھی رشک کرتا۔ وہ اس کوچوان سے بھی حسد کرتا جو سٹیشن آتے جاتے اپنا کوڑا لہراتا یہاں تک کہ اس میں سے چھٹیوں میں کی گئی ہوائی آتش بازی جیسی آواز آنے لگتی۔ ساتھ ہی کوچوان دیہاتی عورتوں پر نازیبا فقرے کستا۔ بچپن میں سیگوینزا اس کوچوان کو ہر گھر کے مقدس جذبات کا ترجمان سمجھتا کیوں کہ اس کی گاڑی میں عموماً سارے طلباء کے والدین سکول آتے تھے۔ وہ کوچوان کو پن آپ روڈر کہتے تھے۔ یہ شاندار افسانوی لقب اسے اس کی گاڑی کے دروازے پر کی گئی بھاری سرخ نقاشی اور آرائشی شکل جو کسی شاخ سے لٹکتے بندر جیسی تھی، کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ رات کے وقت جب سیگوینزا Aeneid / اینیڈ (ورجل کی رزمیہ نظم) کے مصرعوں کا ترجمہ کر رہا ہوتا تو پن آپ روڈر ایسے جاہ و جلال سے گزرتا جیسے وہ سیرگاہ سے گزرنے والا کوئی سیاح ہو۔ یا کوئی برگزیدہ بندہ جو اس کی کتاب کے صفحات کو دلکش، خوشبودار، سحرزدہ قدیم صنوبر کے باغ میں تبدیل کر دے۔

"تو اس سب کا کیا مطلب ہوا؟۔ اور اس کی اہمیت بھی کیا ہے؟"۔ ہمسفر نے سوال کیا۔ "ان سب چیزوں کا بچوں کی پرورش اور تعلیم سے کیا تعلق؟۔ تمھارے کتنے بچے ہیں؟۔ او ہو تو تمھاری بیٹیاں ہیں؟۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ پھر بھی میرا یہی خیال ہے کہ تم انہیں کسی سکول میں داخل کروا دو۔"

"تا کہ ان کی بری پرورش ہو"، یہ سیگوینزا کا جواب تھا

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو، خدا کی پناہ"۔

ہاں شاید سیگوینزا اپنی بچیوں کی درست پرورش نہیں کر رہا تھا۔ یا پھر بعض کے نقطہ نظر سے بظاہر ایسا ہی لگ رہا تھا۔

اسے ہر وہ لمحہ یاد تھا کہ جب بھی اس نے اپنی بچیوں کی انہونی خواہشات پر انہیں تنبیہ کے لیے سخت الفاظ استعمال کیے تو وہ پچھتایا اور اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

"یہی تو!"، ساتھی مسافر چلایا، "اگر تم انہیں کسی سخت نظم و ضبط والے سکول میں بھیج دو، تو سب

کچھ درست ہو جائے گا۔"

"اقامتی مدرسہ! کبھی نہیں"

اس جواب پر اپنے بچے کو سکول داخلے کے لیئے لے جانے والا باپ اتنا برہم ہوا کہ اس کا گول چہرہ سرخ ہو گیا۔

اس کے بعد وہ اوریولہ پہنچے اور بزریعہ کوچ سرائے تک پہنچے۔ اکھٹے کھانا کھایا اور اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔

"اگر تم سینور/ جناب کیونیکا کو جانتے ہوتے!"۔۔۔۔ یگوینزا نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے اپنے ہم سفر سے کہا۔

"کیوں وہ شخص کون ہے"

"عیسائی مدرسے میں ان کا طرز مخاطب بہت ملائم اور شائستہ اور مہذب ہے۔ وہ ہر طالبعلم کو حتی کہ چھوٹے سے بچے کو بھی" جناب "یا" "صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ جب میں سانتو ڈومنگو میں داخل ہوا تھا تو آٹھ سال کا تھا، تو اپنے لیئے اتنے بڑے عالم کے منہ سے لفظ جناب سن کر دنگ ہی رہ گیا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ حیرانی اس وقت ہوئی جب میرے ساتھ کھڑے چھوٹے سے بچے کو بھی انہوں نے جناب کہہ کر بلایا۔ میں لمبا پاجامہ پہنے ہوئے تھا لیکن وہ نیکر پہنے ہوئے تھا۔ اس نے جرابیں پہن رکھی تھیں۔ وہ مجھ سے کافی چھوٹا تھا۔ وہ نازک اور زرد تھا۔ ہر وقت خواب کی سی کیفیت میں رہتا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ سیاہی سے داغدار رہتے۔ اس کی نیکر کی ڈوریاں اور جوتوں کے تسمے ہمیشہ کھلے اور لٹکتے رہتے۔ اس کا نام کیونیکہ تھا۔ لیکن وہ اسے جناب کیونیکہ بلاتے تھے۔ معائنے والے بھائی اپنی خشک حاکمانہ آواز سے چیختے، جناب کیونیکہ! میں اپنے ساتھی پر نگاہ ڈالتا، اس کا سر ڈیسک پر رکھے اس کے بازوؤں میں چھپا ہوتا۔ ناظر بھائی بڑبڑاتا، جناب یگوینزا کیونیکہ صاحب سو گئے ہیں انہیں جھنجھوڑ کر جگا دیں۔ میں اسے جگاتا۔ وہ اپنی بڑی بڑی نیند سے مخمور آنکھیں کھولتا، حیرانی سے مجھے دیکھتا، انگڑائی لیتا، معافی طلب مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل جاتی۔ ناظر بھائی کی آواز گونجتی، کیونیکہ صاحب کندھے اچکاتے۔ "بھائی کیا کہہ رہے ہیں"؟ وہ تمہیں گھٹنوں پر جھکنے کا کہہ رہے ہیں۔ "گھٹنوں پر مگر کیوں؟۔"

کیونیکہ صاحب جھک جاتے۔ کیونیکہ صاحب! کیونیکہ صاحب! میں تمہیں صفائی میں بہت برے نمبر دوں گا۔ تمہیں دکھائی نہیں دیتا کہ تمہاری جرابیں نیچے گر رہی ہیں۔

تقریباً ہر دفعہ میں انہیں اوپر کھینچتا۔ وہ موٹی سفید اونی جرابیں تھیں جو لامنچہ میں واقع اس کے گھر میں موجود اس کی نرس نے بنی تھیں۔ اسے موزہ بند کا استعمال نہیں آتا تھا۔ جناب کیونیکہ کے ساتھ میں اپنے آپ کو بڑا آدمی اور اس کا محافظ سمجھتا۔ اور اسے والدین والی مسکراہٹ سے دیکھتا۔

پھر مقدس توبہ کا ہفتہ آگیا۔ یہ ہفتہ ہمیں خاموش رہ کر گزارنا تھا۔ اپنے ضمیر کا معائنہ کرنا تھا اور گناہ، موت، دوزخ اور نجات پر وعظ سننے تھے۔ اس عرصے میں گرجے کی زیادہ تر کھڑکیاں بند کر دی گئیں اور قربان گاہ پر کالے پردے پھیلا دئے گئے۔ جب ہم یا خدا معاف کرنا گاتے تو گلا پھاڑ کر چلاتے۔ اس لئے نہیں کہ ہم حقیقتاً" خدا کے فضل و کرم کے خواہشمند تھے بلکہ جو طویل خاموشی ہم پر مسلط کی گئی تھی اس کے خلاف احتجاجاً" چیختے اور چلاتے۔ لیکن کیونیکہ گاتا نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں بند کر لیتا۔ اپنا سر میرے بائیں کندھے پر ٹکا لیتا۔ میں اسے کہتا، میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ ہم دونوں کو سزا دیں گے۔ میری طرف دیکھے بغیر وہ مسکراتا۔ وہ بلکل سفید پڑ گیا تھا۔ ہونٹوں کے پاس دو جھریاں پڑ گئی تھیں جیسے کہ وہ ابھی زارو قطار رونا شروع کر دے گا۔" میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔ وہ بڑبڑاتا۔

ہفتہ توبہ کے آخری دن کیونیکہ صاحب کی بجائے کوئی اور لڑکا میرے ساتھ موجود تھا۔ موٹا، سرخ، پر سکون اور دیندار۔ میں نے اس سے کیونیکہ کے بارے میں استفسار کیا۔ لیکن اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے ناظر بھائی سے اپنے دوست سے بات کرنے کی اجازت مانگی، لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بلآخر ہفتہ خاموشی اختتام کو پہنچا، سب لڑکوں نے مل کر خوشی سے بھرپور آزادی کا نعرہ لگایا۔ میں ناظر کے پاس دوڑ کر گیا اور کیونیکہ کے بارے میں پوچھا۔" کیا تمہیں نہیں معلوم کہ سوال پوچھنا کتنا بڑا عیب ہے، دوبارہ یہ غلطی نہ دہرانا۔'' اس نے مجھے متنبہ کیا۔

ذلت کا احساس لئے میں واپس آگیا۔ میرے دماغ پر صرف اور صرف کیونیکہ کا تصور چھایا ہوا تھا۔ کہ وہ زرد رو بچہ ہمارے درمیان کیوں نہیں ہے۔ پیارا، اداس چھوٹا جب مسکراتا تھا تو زیادہ قابل رحم محسوس ہوتا تھا بہ نسبتاً" جب وہ روتا تھا۔

میرا چھوٹا ساتھی اپنی زردی مائل سبز نیکر، سفید نرم شکن زدہ جرابیں جنہیں اپنی جگہ رکھنا نہیں آتا تھا۔ جو کسی ماں یا آیا کے ہاتھوں کی محتاج تھیں کے ساتھ کہاں جا سکتا ہے۔؟

دو دن گزر گئے۔ تب سہہ پہر کے پڑھائی سے وقفے کے بعد ہم سٹڈی ہال میں جانے کی بجائے اپنے رہائشی کمروں میں بھیج دئے گئے۔ جوں ہی ہم کمروں میں داخل ہوئے، ناظر نے

چھٹیوں کے کپڑے، اوورکوٹ اور ٹوپیاں پہننے کا حکم دیا۔

ہم حیران و پریشان حکم کی تعمیل میں لگ گئے۔ کیا ہونے لگا ہے؟ کیا قابل احترام صوبائی آرچ بشپ تو نہیں آرہے۔؟۔ ضرور ضرور وہی آرہے ہوں گے۔ ان کی عزت افزائی میں ہمیں چھٹی ملے گی۔ پکنک منائیں گے۔ لیکن جناب کیونیکہ کہاں غائب ہے۔ اس کے بغیر کیا مزہ آئے گا۔ لیکن وہ ہے کہاں؟۔

ہم چرچ میں داخل ہوئے۔ میں خوف سے کانپنے لگا۔ میرے بال اور پیشانی ٹھنڈے پسینے سے شرابور تھی۔

صدر کلیسا میں موم بتیوں میں گھرا ایک تنگ سفید کفن پڑا تھا۔ جس کے اندر مجھے کیونیکہ دکھائی دیا۔ بہت لمبا اور بہت پتلا۔ میری طرف مسکرا کر دیکھتا ہوا۔ میں حلفاً کہتا ہوں وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ ایسے مسکرا رہا تھا جیسے وہ مجھے اپنی چھٹیوں کے یونیفارم کا لمبا پاجامہ دکھا رہا ہو۔

ہم سفر جو اپنے بیٹے کو عیسائی سکول میں داخل کروانے آیا تھا نے سگار سلگایا۔ اپنے آپ کو دھوئیں کے مرغولے میں لپیٹا۔ ہلکا سا کھانستے ہوئے اکھڑپن سے بولا "یہ سب کچھ دیکھ بھال کے فقدان کا نتیجہ تھا۔ یہ — اپنی ٹھوڑی سے اپنے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے — اس نے کبھی تسموں والے جوتے نہیں پہنے بلکہ ہمیشہ دوسری طرح کے جو پورے کے پورے ایک ہی ٹکڑے سے بنے ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی جرابیں، موزہ بند اور بٹن والی نیکر۔ ایسا ہی ہے نا؟ میرے بیٹے!

O

تعارف مصنفہ: یی یوآن لی

مصنفہ 4 نومبر 1972 کو چین کے شہر بیجنگ میں پیدا ہوئی۔اس کی ماں ٹیچر اور باپ physicistNuclear تھا پیکنگ یونیورسٹی سے 1996 میں BS کی ڈگری لی،اسی سال اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ شفٹ ہوگئی۔ 2000 میں یونیورسٹی آف لوواسے امیونالوجی / میں ایم ایس کی ڈگری لی۔ 2005 میں ایم ایف اے کی ڈگری تخلیقی فکشن اور نان فکشن میں حاصل کی۔۔بعد میں وہ فکشن کی طرف متوجہ ہوگئی۔اس کی کہانیاں اور مضامین،نیویارکر اور دی پیرس ریویو میں چھپتے رہے۔جب اس کا بیٹا سولہ سال کی عمر میں خودکشی کر کے مرگیا تو اس نے بھی دو دفعہ خودکشی کرنے کی کوشش کی ۔یونیورسٹی آف کیلیفورنیا،ڈیوس میں فکشن پڑھایا۔اور اب پرنسٹن یونیورسٹی کے Lewis centre for the arts میں تخلیقی تحاریر کی پروفیسر ہے۔۔اسے اس کے ناولوں اور کہانیوں پر بہت سارے آوارڈ ملے۔اس کی دو کہانیوں پر فلمیں بھی بنیں۔

چھوٹا سا شعلہ

(A Small Flame)

جب بیلا اور پیٹر ریسٹورنٹ سے اس کی مشہور ڈِش (کھانا) بیکنگ ڈک کھا کر نکل رہے تھے تو ایک دس سال سے کم عمر کی لڑکی نے انہیں مخاطب کیا۔ ایڈرین، پیٹر کا بوائے فرینڈ پیچھے رہ گیا تھا۔ تاکہ وہ اس تفریحی سفر کے اختتام پر آخری دفعہ منڈرین/چینی زبان کی مشق کر سکے۔

"اپنی گرل فرینڈ کے لئے گلاب کا پھول خرید لیں۔" لڑکی نے پیٹر سے انگریزی میں التجا کی۔

"بہت شکریہ، پیاری لڑکی لیکن وہ میری گرل فرینڈ نہیں ہے۔" پیٹر کے انگریزی میں دے گئے جواب کی اس بچی کو سمجھ نہیں آئی۔ اس نے اپنا رٹا ہوا فقرہ پھر دہرایا۔

"خاموش! وہ میرا بوائے فرینڈ نہیں ہے۔" بیلا کا جواب مینڈرین/چینی میں تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے، بہن جی؟ وہ خوبصورت ہے، اور تم بھی خوبصورت ہو۔"

"بہن ۔۔۔۔؟ میں تمہاری آنٹی کی عمر کی ہوں"

"تو پھر انکل سے کہو، تمہارے لئے گلاب خریدے" لڑکی نے اس کارڈ بورڈ جو اس نے

گلے میں بب کی طرح لٹکایا ہوا تھا اور جس پر 10 آر ایم بی لکھا تھا. کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیلا کو جواب دیا۔ پیٹر نے سر جھکاتے ہوئے دونوں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں ڈال لئے۔

"سنو، میں تمہیں ایک گلاب کی قیمت دوں گی اور تم یہاں سے چلی جاؤ گی۔" بیلا نے لہجے میں تھوڑی سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں،" لڑکی بولی، "تم بے شک ایک خرید لو لیکن جب تک سارے گلاب بک نہیں جاتے میں گھر نہیں جا سکتی۔"

بیلا نے تین سو آر ایم بی گنے اور پوچھا" کافی ہیں؟" لڑکی نے پورا گلدستہ بیلا کے حوالے کیا۔ بیلا نے اسے ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے کے ساتھ صنوبر کی جھاڑیوں کی بنی باڑ میں پھینکتے ہوئے لڑکی سے گھر جانے کا کہا۔

لڑکی نے احتیاط سے رقم سنبھالی اور پنجوں کے بل کھڑی ہو کر پھولوں تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگی۔

ایڈرین نے، جو اسی وقت ریسٹورنٹ سے نکلا تھا باڑ کے اوپر سے چھلانگ لگائی اور گلدستہ اٹھا کر لڑکی کو پکڑا دیا۔ لڑکی گلدستہ لے کر فوراً چھوٹی مچھلی کی سی چابکدستی سے رات کی تاریکی میں غائب ہوگئی۔

اپریل کی اس رات میں خنکی تھی لیکن شفاف نہیں تھی۔ سموگ سے بیلا کی آنکھیں نم آلود ہوگئیں۔

"کیا ہوا؟" ایڈرین نے پوچھا

"تم میرے تین سو یوآن کے مقروض ہو۔" بیلا نے جواب دیا۔ ایڈرین اور پیٹر نے آنکھوں کے اشارے سے آپس میں بات کی۔ بیلا سمجھ گئی تھی کہ وہ آپس میں وہ زبان استعمال کر رہے ہیں جسے بے وقوف عاشق اپنی سمجھتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو سمجھا رہے تھے کہ وہ اپنی دوسری طلاق کی وجہ سے غضبناک ہے اور اپنا غصہ ان پر نکال رہی ہے اور انہیں بس ایک گھنٹہ مزید اسے برداشت کرنا ہے۔

بیلا پیٹر کو پچھلے پچیس سالوں سے جانتی تھی۔ وہ پیٹر اور دو اور لوگ مل کر بوسٹن میں ایک مشترکہ رہائشگاہ پر رہ چکے تھے یہ وہ وقت تھا جب دونوں لاء سکول میں پڑھتے تھے۔ تب سے دونوں دوست تھے۔ تب سے مل کر چین کی سیاحت کا پروگرام بناتے رہتے تھے۔ یہ وہ وعدہ تھا جس کی ایفاء مجبوری نہیں تھی۔ بلکل انٹارکٹکا کے اس تفریحی سفر کی طرح جو وہ اپنی سوچوں میں جب اس کی

شادی مشکلات میں گھری تھی تو بناتی رہتی تھی۔لیکن چین انٹارکٹکا کی طرح دور دراز اور ناقابل پہنچ نہیں تھا۔اس لئے جب پیٹر کی آڈرین سے دوستی ہوئی تو یہ ممکن ہوگیا۔ایڈرین ایک فرنچ۔کینیڈین تھا۔ جس کے پردادا ان چینی مزدوروں میں سے تھے جنہوں نے 1918 میں مغربی محاذ پر لاشیں اکٹھی کیں اور ان کے لئے قبریں کھودیں۔ایڈرین ایک مصنف تھا اور اپنے کثیر النسل ،بین البر اعظمی خاندان کی تاریخ پر مبنی رزمیہ نظم لکھ رہا تھا۔پہلے دو ہفتوں کے دوران تینوں مشرقی چینی سمندر کے ساحل پر واقع بہت سے گاؤں گھوم چکے تھے جن میں وہ مقامی محفوظ شدہ دستاویزات کی جانچ پڑتال کرتے رہے۔اور ناقابل رسائی دستاویزات کا پتہ چلاتے رہے۔ایڈرین نے اپنے پردادا کا خاندانی نام لی بتایا تھا۔اور یہ بھی کہ اس کا خاندان قنگ بادشاہت کے دوران جیاؔنگ سو سے شان ڈانگ ہجرت کر گیا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ چین میں اس خاندانی نام لی کے کتنے لوگ ہیں؟۔بیلا نے کہا تھا۔

"نو سے لاکھ"

بیلا جھنجھلائی ہوئی تھی کہ ایڈرین خواہ مخواہ اپنے اور اپنے کرداروں کو افسانوی بنا رہا ہے۔ان جگہوں ،مارسیلز ،ولیان ،جیانگین ،نیویارک ،مونٹریال ،بیولنکورٹ اور پیرس سے اس کا دور دور تک کوئی تعلق نہیں بنتا۔یہ نیلی آنکھوں زرد رنگت والا مرد افسانوی یقین میں مبتلا ہے کہ وہ اور اس کا چینی پردادا جذباتی طور پر دوبارہ مل جائیں گے۔

بیلا سوچ رہی تھی کہ حسب نسب کے بغیر لوگ گھاس پھونس کی طرح ہوتے ہیں جنکی موجودگی گھاس پھونس صاف کرنے والوں کے علاوہ کسی کے لئے اہم نہیں ہوتی۔اسی لئے ہر سمجھدار شخص اپنی جڑیں/ حسب نسب شناخت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔جڑوں سے پھلوں اور پھولوں تک کاشتکاری کا رجحان ،ایک باغ ،ایک رومانوی تعلق ،ایک خاندان ،ایک دوستی ،طویل رزمیہ شاعری کی تخلیق یہ سب اچھی ،صحت مندانہ اور تعمیری عادت دکھائی دیتی ہے۔لیکن بیلا باغبان یا کاشتکار نہیں تھی۔کام کے دوران بھی وہ قانونی دستاویزات اور معاہدات کا مطالعہ اور تجزیہ اتنی باریک بینی سے کرتی گویا وہ ان سے شدید نفرت کرتی ہو۔

ہوٹل واپسی کے دوران ٹیکسی میں کسی نے کوئی بات نہیں کی۔پیٹر اور ایڈرین نے بیلا کو ہال میں ہی خدا حافظ کہہ دیا۔انہیں کل صبح کی فلائیٹ پکڑنی تھی۔"تب تک کے لئے خدا حافظ"۔

جواباً بیلا نے اپنی سریلی آواز میں جواب دیا adieu adieu to you and

youالوداع تمہیں اورالوداع تمہیں۔

بیلا کا نیویارک جانے کی بجائے کچھ دن مزید بیجنگ میں رکنے کاارادہ تھا۔اس کا خیال تھا کہ ان دونوں کے لئے سیاحتی رہنما کا کردار نبھانے کے بعد اسے کچھ دن ستانے کا موقع ملنا چاہیے۔لیکن اب اسے ان کی فوری واپسی پر غصہ آنے لگا۔اسے تنہائی کا اثر کہہ سکتے ہیں۔تاہم اس کے یہ احساسات محض تنہائی کی وجہ سے نہیں تھے۔پیٹر امریکہ میں اس کا پرانا دوست تھا۔یہ دوستی اکھٹے رہنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔لیکن وہ نایاب دوست ثابت ہوا۔اس کی یادداشت ناقابل بیان حد تک اچھی تھی۔وہ اپنے کسی بھی دوست کی زندگی کا کوئی بھی واقعہ انتہائی تفصیل کے ساتھ اپنی یادداشت کی بنیاد پر بیان کرسکتا تھا۔جب کہ اس کے دوست بھی بے شمار تھے۔اگر کبھی بیلا نے خود آپ بیتی لکھنے کی کوشش کی تو وہ بہت مختصر اور بور کتاب ہوگی۔لیکن پیٹر اس کے لئے بہترین کرائے کا مصنف ثابت ہوسکتا ہے۔اور اگر وہ اپنی زندگی کا ڈرامہ سٹیج پر کرنا چاہتی تو وہ اس کو اس کے ڈائیلاگ یاد دلانے والا ہوتا۔لیکن دوسرے کی یادداشت میں اپنی زندگی محفوظ کرنے کا اسے اس سفر پر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔پیٹر بیلا کی تنہائی کا ساتھی نہیں تھا۔اور شاید پیٹر اور ایڈرین بھی اس کے بارے میں ایسا ہی سوچ رہے تھے۔

بھلا چین میں کیا غلط ہے۔یہ میرا اپنا ملک ہی تو ہے۔بیلا نے سوچا۔"تم ایک مشکل انسان ہو"لیکن تمہارا ساتھ مزہ دیتا ہے۔"

مطلب،میں بیزار کرتی ہوں۔"

دراصل ایڈرین کے کھوج کو تفریحی چھٹیوں کے ساتھ منسلک کرنا ہی غلط تھا۔بیلا کی یادداشت صرف ایک ہی مسافر برداشت کرسکتی تھی۔

باتھ ٹب میں بیلا گنگنانے لگی۔"میں پھرتیلی ہوں،میں تیرتی ہوں،میں تیز بھاگتی ہوں ،میں اڑتی ہوں"

اپنے ہائی سکول میں انگریزی کی کلاس میں ہر ہفتے کی سہ پہر جتنے گانے وہ ایک سال تک مجبوراً دیکھتی رہی تھی انکی صرف موسیقی ہی سن کر شروع سے آخر تک گا سکتی تھی۔وہ ان سے اتنی بیزار ہوگئی تھی کہ جب انگلش کلب نے انہیں سٹیج پر کرنا چاہا تو اس نے کلب چھوڑنے کی دھمکی دے دی۔اس کے ہم جماعت سب اس کے ساتھ تھے۔آہ انگلش کلب اس کی جوانی کا خلاصہ۔

بے شک تب اس کا نام کچھ اور تھا۔لیکن پچھلے پچیس سالوں سے وہ بیلا تھی۔یہ اس کا

امریکہ میں قانونی نام تھا۔ یہی نام اس کے پاسپورٹ پر لکھا تھا اور شادی کے لائسنس پر بھی۔ اور پھر طلاق ناموں پر بھی۔ تاہم اس کے والدین کی قبروں کے کتبوں پر یہ نام کندہ نہیں کیا گیا۔ وہاں اس کا چینی نام درج تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔

اس نے والدہ کی قبر کے کتبے پر اپنے خاوند کا نام درج نہیں کیا تھا۔ والدہ نے اسے شادی کی اجازت نیم رضامندی سے دی تھی۔ اور جب بیلا کا باپ فوت ہوا تو وہ دوسری شادی کر چکی تھی۔ اس میں بھی علیحدگی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ جن کو توجہ دے کر حل کیا جا سکتا تھا۔ والدین کی قبروں کے کتبوں پر خاوند کا نام درج نہ کرنا دانشمندی ہی تھی۔ کہ اس کے والدین ہمیشہ کے لئے اپنے سابقہ داماوں میں پھنسے رہتے۔ کالج کی پڑھائی کے دوران اس نے روسی ناولوں میں پڑھا تھا کہ انگلش کلب ضیافتیں دیتے اور سماجی رتبے کی شیخیاں بگھارتے تھے لیکن ان کے ہائی سکول میں انگلش کلب مختلف دلچسپیوں اور ضروریات کے حامل طلباء کو جمع کرتے ان کی ضروریات مہیا کرتے، مثلاً بعض کی دلچسپی سکول کے اکلوتے ٹائپ رائیٹر میں ہوتی یا پھر کوئی چارلس ڈکنز، جین آسٹن، جیک لنڈن اور ارنسٹ ہیمنگ وے کو سکول کی لائبریری میں پڑھنا چاہتا۔ کچھ کو اساتذہ سے اضافی تعلیم کی ضرورت ہوتی۔ مس چو اور دوسرے اساتذہ نے اس مقصد کے لئے انگلش کلب کا انتخاب اس لئے کیا کہ یہ سائنس کلب اور میتھ کلب کی طرح زیادہ محنت طلب نہ ہو۔ بلکہ ایسی جگہ ہو جہاں طلبا سکول کی پڑھائی کے بوجھ سے کچھ دیر کے لئے آزاد محسوس کریں۔

بیلا مس چو کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ اس کی اس کلب میں شامل ہونے کی بس یہی وجہ تھی۔ وگرنہ یہ جگہ کسی بھی طرح اس کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ خاص طور پر وہ انگلش ڈرامے جن میں ہمیشہ مرکزی کردار اسے ہی کرنا ہوتا تھا وہ بمشکل برداشت کرتی تھی۔ اسے سکول کا پھول کہا جاتا تھا۔ یہ اعزاز خوبصورت ترین لڑکی کو ملتا تھا۔ وہ سب سے بہتر انگلش بولتی تھی۔ جب وہ سات سال کی تھی تب سے اسے ٹیوٹر انگلش پڑھاتا تھا جب کہ ایسا کچھ بھی اس کے بیجنگ کے سکول کے ساتھی 1985 میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بیلا ریڈ رائڈنگ ہڈ اور سنڈریلا کی جگہ ماچس والی چھوٹی لڑکی پر ڈرامہ کرنا پسند کرتی تھی۔

"ماچس، ماچس، برائے مہربانی ماچس خریدیں، بی بی جی ماچس خرید لیں۔"

"پھول خریدو۔ اپنی گرل فرینڈ کے لئے پھول خریدو"

لیکن بیلا کی خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی، کہ ماچس والی لڑکی کی کہانی میں نہ تو بہت

سارے کردار تھے اور نہ ہی بہت سارے ڈائیلاگ۔ اگرچہ ہائی سکول کے طلباء کے لئے پریوں کی کہانیوں پر ڈرامہ کرنا بے وقوفی تھا۔لیکن اس کے ہم جماعت اچھی انگریزی نہیں جانتے تھے۔ ایک دفعہ موپساں کے افسانے نیکلس پر کوشش کی گئی تو ریہرسل کے دوران اس نے ایک لڑکے کو جو اس کے خاوند کا کردار کر رہا تھا، جب تصوراتی دروازے کو ٹھوکر مار کر کھولنے کی ایکٹنگ کرتے دیکھا تو سخت نفرت محسوس کی۔ جب اس نے متھیلڈا پکارا تو بیلا کو بائیسکل مرتی کے سٹینڈ پر لٹکی چکنی آنتوں جیسی اندرونی ٹیوب کا خیال آگیا۔

"میتھلڈا، پیاری دیکھو تمہارے لئے میرے پاس کیا ہے۔" اسے وہ کارڈ کھولنا پڑا جو اس نے اسے پکڑایا تھا، کیوں کہ یہ کھیل کا حصہ تھا۔لیکن وزارت تعلیمات کی جانب سے پارٹی کے دعوت نامے کی بجائے اس لڑکے کی جانب سے نظمیہ محبت نامہ تھا۔ اسے بعد میں بقایا حصہ یاد آیا۔ ایک تہہ خانہ تھا جس میں فلوریسنٹ ٹیوب، کچھ کرسیاں اور کرٹن جن سے وقتی سٹیج بنایا گیا تھا اور لڑکے نے اس کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے ڈرامے کے حصے کے طور پر۔ بیلا کی ہائی سکول کی یادیں بھی پراگندہ تھیں۔ جگہ لوگ اور نہ ختم ہونے والے سال۔لیکن یہاں وہ ناانصافی کر رہی تھی۔ اس کی ابتدائی درسگاہ کو یونیسکو کا تعاون حاصل ہوا۔غیر ملکی سیاحوں کے لئے وہ ایک ماڈل سکول تھا۔اس کی سفید سنگ مرمر کی عمارت مغرور ہنس کی طرح سرمئی گلیوں کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔

بیلا کے ساتھ سب اساتذہ اور طلباء کا سلوک بہت اچھا رہا۔ایک دفعہ کچھ امریکی سیاستدان سکول دیکھنے آئے تو ہیڈ مسٹریس کے علاوہ بیلا ان کے ساتھ رہی۔ اس دن اس نے اپنا پسندیدہ لباس پہنا ہوا تھا جس کا ارغوانی رنگ سائنس بلڈنگ اور آرٹس بلڈنگ کے درمیان رستے پر پھیلی وسٹیریا بیل کے رنگ جیسا تھا۔ہیڈ مسٹریس اور وفد کے ارکان نے اس کی تعریف کی تھی۔ بیلا ترجمانی کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس وقت وہ جو چاہے حاصل کرسکتی تھی۔لیکن اس کے یہ خوشگوار لمحات مس چو کی وجہ سے دیرپا نہ رہ سکے۔ مس چو نے وفد پر یا بیلا پر اچٹتی نگاہ ڈالنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا

بیلا چھوٹی ماچس والی لڑکی بننا چاہتی تھی۔ بھوکی ،ٹھٹھرتی ہمیشہ بھیک مانگتی مرتی ہوئی ۔لیکن وہ اس کے بلکل برعکس تھی۔ اس نے ایک باعزت خاندان میں پرورش پائی تھی اس کا باپ ڈپلومیٹ تھا۔ اس کی ماں اوپیرہ سنگر تھی۔ اس کا نانا انقلابی گروپ سے تعلق رکھتا تھا ،جنھوں نے 1930 میں عوامی جمہوریہ چین کی بنیاد رکھی تھی صرف ایک کمی تھی وہ بھی باہر کے لوگوں کی نظر میں۔ کہ

بیلا کا اس خاندان سے خون کا رشتہ نہیں تھا۔ اس کی ماں نے اپنے کیریئر اور خوبصورتی کو بچانے کے لئے اپنے پیدائشی صوبے سے ایک خوبصورت بچی گود لے لی تھی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بچی گونگی، بہری ہے۔ اس بچی کو اس کے حقیقی والدین کو واپس کرنے کی بجائے آیا کو دے دیا گیا جس نے ان سے اچھی خاصی رقم وصول کی تا کہ وہ کسی بھی دیہات میں آرام دہ زندگی گزار سکے۔ اس کے بعد بیلا کو حاصل کیا گیا۔ بیلا کا انتخاب بھی اس کی خوبصورتی کی وجہ سے کیا گیا اور یہ سچائی اس سے کبھی چھپائی بھی نہیں گئی۔

ایک حساس دل اس سے پہلے والی بچی کے بارے میں ضرور متجسس ہوتا اور ہمدردی بھی رکھتا کہ اس کی جگہ اس نے لی تھی۔ ایک اختراعی دماغ اپنے آپ کو اس کی جگہ بہرا گونگا سمجھتے ہوئے خاموشی سے بڑھتا دیکھتا، لیکن ایک دفعہ بیلا کے گرینڈ پا (نانا یا دادا) کا دور پار کا رشتہ دار انہیں ملنے آیا۔ اس کے ساتھ بیلا کی ہم عمر ایک لڑکی تھی۔ بیلا اس وقت دس سال کی تھی۔ لیکن اس نے فوراً محسوس کر لیا کہ وہ غریب رشتہ دار ہیں۔ ہمدرد روح ضرور اس بچی سے رشتہ داری قائم کر لیتی جس نے سرمئی رنگ کا گھسا ہوا بلاوز پہنا ہوا تھا۔ لیکن بیلا حاکمانہ انداز میں اسے گھر میں گھماتی رہی۔ اسے اپنے سوس چاکلیٹ، جاپانی سٹیشنری اور اپنے مختلف ریشمی ملبوسات دکھاتی رہی اور اسے صرف ایک انگلی سے اپنے کپڑے چھونے کی اجازت دی۔ بیلا اس گونگی بہری بچی کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتی اگر کبھی اسے اس گھر میں آنے کی اجازت ملتی، یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ بیلا کی کسی بات کو سمجھ نہ سکتی۔ ہوسکتا ہے بیلا اسے کسی آلماری میں بند کر دیتی۔ کیا وہ خوفزدہ ہو کر دروازہ پیٹتی یا نہیں، کہ اسے آواز کا شعور ہی نہیں تھا۔ کیا وہ خاموشی سے موت کے آنے کا انتظار کرتی؟

ایک دفعہ کی ویسٹ (فلوریڈا کا شہر) میں ایک چھت پر منعقدہ ضیافت میں ایک شخص نے ایک لڑکے کے بارے میں بتایا جسے وارث بنانے کے لئے گود لیا گیا تھا۔ ڈنر کے وقت اسے سب سے ملوایا گیا۔ وہ تین سال کا تھا اس نے سفید جیکٹ پہنی ہوئی تھی۔ میں حلفاً کہتا ہوں، اس سے زیادہ موزوں بچہ کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن اگلے سال اسے واپس بھیج دیا گیا، وجہ؟۔ یہ فیصلہ ماں کا تھا کہ وہ موزوں نہیں ہے۔ میں اسے کبھی بھول نہیں سکا۔ ایک سال تک وہ ملک کے امیر ترین لوگوں میں سے تھا۔ قسمت کی کیسی ستم ظریفی ہے۔؟ آہ بدلتی دنیا۔ ہم اس دنیا کی سرکس میں سیڑھیاں چڑھتے اترتے رہتے ہیں۔ مسخرے سے زیادہ تفریح پہنچاتے ہیں، پاگلوں سے زیادہ مضحکہ خیز ہیں۔ پیٹر نے اسے بور کہنے کی جرات کیسے کی؟۔

بیلا نے اپنے آپ کو خشک کیا، ریشمی لباس پہنا، وائین کی بوتل کھولی، پیٹر اور ایڈرین کو بلانے کا سوچا۔ لیکن پھر سوچا کہ وہ یہ کہتے ہوئے انکار کر دیں گے کہ انہیں صبح اپنی فلائیٹ کے لئے جلدی جاگنا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے وہ فون ہی نہ اٹھائیں۔

دوسرا گلاس بھرتے ہوئے بیلا اپنے آپ کو ماچس والی چھوٹی لڑکی محسوس کر رہی تھی ہمیشہ مانگتی ہوئی ہمیشہ مرتی ہوئی۔ لیکن مس چو کبھی اس چھوٹے سے بھڑکتے شعلے سے آگاہ نہیں ہو گی جب بیلا اس کے لئے ماچس جلائے گی۔ مس چو وہ روشنی کی لکیریں بھی نہیں دیکھ پائے گی جب بیلا ٹوٹتا ہوا ستارہ بن جائے گی۔

مس چو نہ جانے کس حال میں ہے؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔ایک بیوی؟۔۔۔۔۔۔یا ایک ماں؟

اگلے دن اکیلے ناشتہ کرتے ہوئے بیلا سوچ رہی تھی، اس وقت جب مس چو انگلش کلب کی مشیر تھی تو وہ ستائیس سال کی تھی۔ اب مس چو ساٹھ سال کے قریب ہوگی ساس بننے کی عمر میں۔ بیلا کے ریاضی کے علم میں گڑبڑ تھی۔ اس نے اپنی بڑھتی عمر کے بارے میں کبھی نہیں سوچا وہ اپنے تئیں آج بھی وہی تھی جو وہ چھ سال یا سولہ سال کی عمر میں تھی۔ جوں کی توں ویسی کی ویسی ناقابل ترمیم۔ لیکن دوسرے لوگ تبدیل ہونے چاہئیں۔ وہ اپنی یادداشت سے جس طرح انہیں دیکھنا چاہتی تھی وہ ویسے ہی ہونے چاہیں۔

وہ اپنے سکول کے وقت کے دوستوں سے معلوم کر سکتی تھی لیکن اسے یہ پسند نہیں تھا۔ وہ جب بھی چین آتی، اسے صرف اپنے آنے کی اطلاع دینی ہوتی، اس کے دوست اور آشنا گلدستے لئے ہوئے اس کو خوش آمدید کہنے کے لئے پہنچے ہوتے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی کو بھی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ انہیں اپنی طلاق کے بارے میں آگاہی والی نظروں کا تبادلہ کرتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس واپسی تک جتنے دن تھے اس نے انہیں گنا۔ اسے اپنے اندر ایک سونا پن محسوس ہوا۔ جسے وہ خود ہی دور کر سکتی تھی، ہو سکتا ہے وہ اپنی واپسی کی فلائیٹ تبدیل کر دے۔

ایسا بھی نہیں تھا کہ بیلا ہر دفعہ ہر کسی کے لئے گھر واپس آنے والی ملکہ ہوتی تھی۔ ایسے بھی لوگ تھے جن سے اگر وہ ملنا چاہتی تو اسے انہیں ڈھونڈنا پڑتا، جیسے کہ پیپی۔ ایلیمنٹری سکول جانے سے پہلے سن فلاور چائلڈ کیئر میں وہ تین سال اکٹھے رہی تھیں۔ ان کے پلنگ ساتھ ساتھ مگر مخالف سمت میں ہوتے تھے۔ وہ عموماً جب اساتذہ متوجہ نہ ہوتے اور انہیں نیند بھی نہ آ رہی ہوتی تو وہ چپکے سے اپنے ہاتھ ریلنگ کے اندر کر کے ایک دوسرے کے پاؤں پکڑ لیتیں۔ ہائی سکول کے

پہلے سال تک وہ ایک ہی جماعت میں تھیں، جب پیپی کو اپنے جغرافیہ کے استاد مسٹر وو میں اپنے خوابوں کا شہزادہ نظر آیا۔ اس کا پس منظر ان کے مساوی نہیں تھا۔ اسے ناپختگی کا جنون کہا جا سکتا تھا۔ بیلا کے دادا سیاسی عزت و وقار کے مالک تھے۔ جبکہ پیپی کے دادا سیاسی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اس لئے جب پیپی نے شادی سے ہٹ کر کوئی حل ماننے سے انکار کر دیا تو پیپی کے دادا نے سیکرٹری کے ذریعے مسٹر وو کو بلوایا۔ اس کے بعد پیپی نے پڑھائی چھوڑ دی اور مسٹر وو نے پڑھانا چھوڑ دیا۔ "ایک سنڈریلا"، بیلا کی ماں کا تبصرہ تھا، اور بیلا حیران تھی کہ آیا ایک ناخوش متامل سنڈریلا پریوں کی کہانی کا انجام بدترین انجام میں بدل دے گی۔

بیلا پیپی کو اپنے سے تھوڑا کمتر سمجھتی تھی۔ اور وہ سمجھتی تھی کہ دوسرے اسے کمتر سمجھ سکتے ہیں لیکن دونوں کے درمیان ایک بنیادی فرق تھا۔ پیپی نے چین کو نہیں چھوڑا۔ پیپی اور اس کے خاوند کا فاسٹ فوڈ اور ہوٹل کا کاروبار تھا۔ انہوں نے مسٹر وو کے نسب کو جو تبدیل نہیں ہو سکتا تھا تسلیم کرتے ہوئے اسکی دوسری خصوصیات، اسکی وجاہت اور اس کی صلاحیتوں کا بہت اچھا استعمال کیا۔ بیلا اس کے باوجود کہ اس کا راستہ بہت سے دوسرے لوگوں کی نسبت آسان کر دیا گیا تھا وہ اپنے زور بازو پر آگے بڑھی۔ اس نے بہت محنت سے پڑھائی کی اور کالج اور لاء سکول تک پہنچی۔ اپنے آپ کو منوانے میں بہت سی رکاوٹوں پر قابو پایا۔ امریکہ میں بھلا کس کو پرواہ تھی کہ اس کا پردادا جمہوریہ چین کے بانیوں میں سے ایک تھا۔

بیلا کے والدین اسکے چین چھوڑنے کے مخالف تھے۔ وہ اسے اپنے تعلقات کا فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ بیلا کی ہجرت کی اصل وجہ بھی یہی تھی۔

"کتنا گھاٹے کا سودا ہے"۔ بیلا کی ماں نے کہا تھا۔

"کیسا گھاٹا؟" بیلا نے پوچھا

"تمہاری خوبصورتی اور ہاں تمہاری خوش قسمتی"۔ ماں کا جواب تھا۔

بیلا کی خوبصورتی اسے جنم دینے والوں کی وجہ سے تھی۔ ان کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ ان میں اتنی انسانیت تھی کہ انہوں نے اسے ناپسندیدہ بلو نگڑے کی طرح پانی کے ٹب میں ڈبویا نہیں۔ خوش قسمتی اسے پالنے والے والدین سے ملی تھی۔ اسے چھوڑنا ناشکراپن اور احسان فراموشی تھی۔ لیکن، "بہرحال یہ تمہاری زندگی ہے" اس کی ماں نے کہا تھا۔ "ہم ان والدین میں سے نہیں جو بچوں پر اپنی مرضی ٹھونستے ہیں"۔

بیلا اپنی ماں کے کچھ خاص قریب نہیں تھی لیکن مڈل سکول تک پہنچتے پہنچتے اس میں اتنی نفاست آ گئی تھی کہ وہ اسے خوش رکھے۔ ان کے آپس کے تعلقات اچھے تھے۔ ایک دوسرے کی خوبصورتی اور ذہانت کی عزت کرتی تھیں۔ بیلا کا باپ لا شعوری طور پر لارڈ پیار کر دیتا تھا لیکن اسے اس میں کوئی خاص حقیقی دلچسپی نہیں تھی۔ بیلا یہ سب سمجھتی اور تسلیم کرتی تھی اس وقت سے جب اسے گونگی، بہری بچی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔ اس کا باپ ان اداس لوگوں میں سے تھا جو غلط جگہ پیدا ہو جاتے ہیں، غلط بیوی سے بیاہے جاتے ہیں، غلط پیشے سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ اور قسمت میں تنہا مرنا لکھا ہوتا ہے۔ والد کی موت کے بعد، کہ والدہ چار سال پہلے مر چکی تھی، بیلا نے اپنے والدین کے آپس کے تعلقات کے بارے میں سوچا تھا۔ ایک دفعہ انہوں نے اسے سمجھایا تھا کہ بہترین شادی وہ ہے جس میں میاں بیوی ایک دوسرے کو معزز مہمان سمجھیں۔ یہ ممکن تھا کہ ان دونوں میں بہت تھوڑی یا سرے سے محبت تھی ہی نہیں۔ وہ دو ایسے مہمان تھے جو لمبے عرصے تک خوش اخلاقی سے اکھٹے رہتے رہے۔ اور اسے ہی پیار یا گرم جوشی سمجھ لیا تھا لیکن پھر بھی پچاس سال تک اکھٹے رہنے والے دو مہمانوں کے درمیان کچھ راز تو ہوں گے۔ جو اگر بیلا ان کا خون ہوتی تو سمجھ پاتی۔

اس کی اپنی پہلی شادی بارہ سال قائم رہی۔ دوسری پانچ سال۔ بیلا اپنے مہمان خاوندوں کے لئے اچھی میزبان ثابت نہیں ہوئی۔ یہ بات پیٹر نے اسے دوسری طلاق کے بعد کہی تھی۔ "تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم خود اپنے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو۔ جب تم چرچ کے بغلی دروازے سے آ رہی تھیں تو میں تمہاری آنکھیں دیکھ رہا تھا، اگرچہ تم اپنے چہرے سے کوئی تاثر دینا نہیں چاہتی تھی، لیکن تمہاری آنکھوں میں تمسخر تھا۔"

"پال کے ساتھ؟" بیلا نے پوچھا تھا۔ "دونوں دفعہ" پیٹر نے جواب دیا تھا۔

"عورتیں جب اپنے بارے میں سنجیدہ نہیں ہو سکتیں تو وہ کیا کرتی ہیں؟" بیلا نے پھر پوچھا۔

"میں اس سوال کا جواب دینے سے قاصر ہوں" پیٹر نے کہا تھا۔ بیلا نے سوچا تھا کاش وہ علاج بتائے بغیر مرض کی تشخیص نہ کرتا۔

اس کے دونوں خاوندوں نے اسے زہریلا قرار دیا تھا۔ اس نے ان کی رائے اور اس کے ساتھ مزید نہ رہنے اور اپنی زندگیوں کو مزید زہریلا ہونے سے بچانے کے لئے ان کے فیصلے کا احترام کیا تھا۔

وہ چیپی کی بھی عزت کرتی اگر وہ مسٹر ڈوو کے لئے اپنے جنون سے باہر نکل آتی۔ کبھی

سالوں تک بیلا نے مسز دو کے ساتھ مناسب فاصلہ قائم رکھا، اگر قریب ہوتی تو پچی حسد کرتی اور دور ہوتی تو پچی اپنے خاوند کے حوالے سے جنگ التضحیک محسوس کرتی۔ پچی نے اپنی شادی پہ یوں ہی کہانیوں والی وفاداری سے نبھائی۔ نہ تو اس کا کسی سے کوئی چکر چلا نہ ہی اس نے خاوند کو طلاق دے کر واپس عام لوگوں میں بھیجا۔ مسز دو بھی اس جذبے کے بارے میں جو کبھی نہیں مرا کیا سوچتا ہوگا؟ جوانی کی حدود سے نکل کر بھی قائم رہنے والا جنون بھی زہر ہوتا ہے۔ یہی بات خوش قسمت شخص کو بد قسمت شخص سے الگ کرتی ہے۔ مسز دو جیسے خوش قسمت انسان کو زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے بہت اہم چیز کی قربانی دینی پڑی ورنہ خوش قسمتی راتوں رات بد قسمتی بن جاتی۔

بیلا اور گونگی بہری جیسی بد قسمت لڑکیوں کے پاس کوئی اختیار نہیں ہوتا ماسوائے دوسروں کے مقرر کردہ رستوں پہ چلنے کے۔ ان کی زندگیوں کا مختلف ہو جانا محض ایک حادثہ ہوتا ہے۔

بیلا کے ہائی سکول کے باقی اساتذہ جن کی تعیناتیاں مستقل تھیں کے برعکس مس جو معاہداتی مدت کے لئے تعینات کی گئی تھی۔ یہ معاہدہ کبھی بھی وقت ختم ہو سکتا تھا۔

مس جو کے انتخاب کی وجہ اس کا ایک سال آسٹریلیا میں قیام تھا۔ وہ کس رابطے سے وہاں گئی تھی کسی طالب علم کو معلوم نہیں تھا۔ اس نے بیلا کے سکول میں صرف دو سال پڑھایا اور جب اس نے سکول چھوڑا تو افواہ تھی کہ وہ واپس آسٹریلیا چلی گئی ہے۔ مس جو خوبصورت نہیں تھی اس کے گالوں پہ گوشت نہیں تھا۔ پھیکی زرد رنگت تھی۔ تیوری چڑھی رہتی تھی۔ اس کی آنکھیں پریشان اور مضطرب رہتیں۔ اگر کوئی چیز اس کو نمایاں کرتی تھی تو وہ اس کی آواز تھی۔ بیلا کو اپنی والدہ کے شاگردوں کی تربیت کے تجربوں سے پتا چل گیا تھا کہ اگر مس جو کی آواز کی تربیت ہوتی تو وہ غیر معمولی طور پہ منفرد بن سکتی تھی۔ لیکن اس طرف کسی نے دھیان نہیں دیا اور اب وہ آدھے استعمال شدہ ریگ ماری ناہموار سطح کی طرح ہی ناخوشگوار تھی۔ جب کبھی اس کے طالبعلم اس کی امیدوں سے کم کارکردگی دکھاتے تو مس جو اپنی جھنجھلاہٹ نہ چھپاتی۔ لیکن اس کی توقعات پہ بیلا ہی پوری اتر سکتی تھی۔ انگلش کلب میں ہی بیلا کا تعارف ڈان میکلین اور ڈی ایچ لارنس سے ہوا۔ اول الذکر کی موسیقی مس جو کے موڈ کا صوتی ٹریک تھا۔ جب وہ مدہوش ہنگی ہوتی تو باتونی سے باتونی لڑکی اور ضرورت مند لڑکا جانتے تھے کہ مس جو کو اس وقت اکیلے رہنے دینا ہے۔ جبکہ موخر الذکر کا کام، دی روکنگ ہارس، دی پرنسس اور دی فوکس جو مس جو کا پسندیدہ تھا۔ وہ انہیں اونچی آواز میں پڑھ کر سناتی۔ کبھی کبھار مس جو بہت دیر تک پڑھتی رہتی تو بیلا کے کلب فیلو اپنی فزکس، کیمسٹری یا میتھس کی ورک

شیٹ نکال کر حل کرنے لگتے۔ بیلا اکثر سوچتی کہ جو گیت نگار گاؤں/ cows کے ریوڑ کے آگے گا رہا ہے وہ اپنی جہالت کو چھوڑ رہا ہے۔ وہ سب بے روح تھے۔ اور ایسا ہی ان کا مس چو کے ساتھ رویہ تھا۔ بیلا چاہتی کہ مس چو کو معلوم ہو کہ وہ دونوں ہی ایک جیسی لاتعلقی برداشت کر رہی ہیں۔ وہ مس چو کی ازیت کم کرنا چاہتی تھی کیونکہ وہ خود بھی یہی ازیت برداشت کر رہی تھی۔ لیکن مس چو کا رویہ باقی طلباء کی نسبت بیلا کے ساتھ زیادہ طنزیہ ہوتا۔

"مدہوش چوہے کی طرح اداکاری مت کرو" اس نے ایک ریہرسل کے دوران بیلا کو ڈانٹا تھا جب وہ ایڑی والے جوتوں میں لڑکھڑائی تھی۔ "غیر پرجوش سنڈریلا کے غیر موزوں چپل"

"لیکن اس لمحے سنڈریلا خوشی کے جذبات سے مغلوب ہے" بیلا نے بحث کرنی چاہی۔

"اگر وہ ایسا محسوس کرتی ہے تو وہ احمق ہے" مس چو نے کہا، "اور برائے مہربانی تین سالہ بچے کی طرح اپنی آنکھیں کھولنا بند کرو۔"

"کیا اس نام کی کوئی ٹیچر تھی، مجھے کچھ یاد نہیں۔" پیپی نے بیلا کے مس چو کی بابت استفسار پر جواب دیا۔

"اس وقت تمہیں صرف ایک ہی ٹیچر دکھائی دیتا تھا" بیلا بولی

"اور تمہاری قیمتی آنکھیں مٹی کا ایک زرہ برداشت نہیں کرتی تھیں" پیپی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"اسی لیئے میں خاوند نہیں پال سکی"، بیلا نے اپنی طلاق کی بری خبر کو پیپی پر طنز کے طور پر استعمال کیا جو اتنے عرصے سے ایک ہی شخص سے شادی کا بندھن نبھائے ہوئے تھی۔ ایک انتہائی سطحی تعلق بھی مستقل بندھن بن جاتا ہے اگر وہ چالیس سال گزار لے۔

جونہی بیلا پیپی کے ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی، پیپی اس پر پھٹ پڑی، "تمہارا خیال ہے کہ میں اتنے مختصر نوٹس پر اپنی ساری کاروباری میٹنگ نئے سرے سے ترتیب دوں گی؟"

"کیا تمہیں احساس ہے کہ میرے علاوہ کوں تمہارے پنجوں کو سینکڑوں مرتبہ گنے گا، جیسے میں گنتی رہی ہوں۔" بیلا نے جواب دیا۔

"اس ٹیچر میں ایسا کیا خاص ہے جو تم اسے ڈھونڈتی پھر رہی ہو؟" پیپی نے استفسار کیا۔

"کچھ خاص نہیں بس میں متجسس ہوں کہ اس کا کیا بنا۔"

"تم ہمیشہ کسی نہ کسی عام سے شخص کے بارے میں ہلچل مچائے رکھتی ہو، تمہارا یہ بچپنا کب ختم

ہوگا"؟

بیلا نے کہا اسے نہیں معلوم وہ کس کے بارے میں بات کر رہی ہے۔ پیٹی بولی "یاد کرو جب ہم دونوں گونگا بہرا بننے کی باری باری اداکاری کرتی تھیں، آخر کار ٹیچر نے ہمارا یہ کھیل بند کروا دیا تھا۔"

"سن فلاور میں؟"، بیلا نے پوچھا، اسے بالکل یاد نہیں تھا۔ وہ اس انکشاف سے حیران رہ گئی۔ کہ اس کی زندگی کا کتنا جذباتی واقعہ پیٹی کی یادداشت میں موجود تھا۔

"تمہیں کب اس لڑکی کے بارے میں معلوم ہوا تھا؟"

"میرا نہیں خیال کہ یہ کبھی راز بھی تھا۔" بیلا نے جواب دیا۔

"اور ہر کھیل کے بعد ہم ایک دوسرے کی آیا بن جاتی تھیں۔ تم کہتی تھی کہ تم میری آنٹی سو ہو اور میں تمھاری آنٹی لین۔"

بیلا بچپن کی کچھ تصویروں سے آنٹی لین کو جانتی تھی۔ جب بیلا سن فلاور کی رہائشگاہ منتقل ہوئی تھی تو اس نے بیلا کے گھر کام چھوڑ دیا تھا۔ کیا وہ اس عورت کو بھول گئی تھی جس نے اسے ماں کی محبت دی تھی۔ تو کیا بیلا بھی گونگی، بہری بچی کی طرح نامکمل تھی؟۔

بیلا ایک بار پھر یہ جان کر حیران رہ گئی کہ پیٹر کی طرح، پیٹی کو اس کے بارے میں اس سے زیادہ یاد تھا۔ ان جیسے دوستوں نے اسے بہت کچھ بھول جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ لیکن وہ غلط وقت پر ان یادوں کو کریدتے تھے۔

پیٹی نے کس جو کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کا وعدہ کر لیا۔ بیلا کو بھی یقین تھا کہ پیٹی اس کی مدد کرے گی۔ وہ ایک دوسرے کے پاس یرغمال تھیں ان کے مشترکہ ماضی سے کوئی تاوان ماسوائے ان کی ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کے انہیں آزاد نہیں کرا سکتا تھا۔ بیلا کے علاوہ کون پیٹی کی مایوسی اور ناامیدی کا گواہ تھا جب پیٹی نے پندرہ سال کی عمر میں جلتی ماچس کے شعلے میں اس وقت تک انگلی رکھے رکھی جب تک شعلے نے انگلی جھلسانا شروع نہیں کر دی۔ پیٹی کے علاوہ کون بیلا کو گونگی بہری کی یاد دلا سکتا تھا، کہ بیلا ایک نامکمل شے کا متبادل تھی۔

دو دن بعد پیٹی نے بیلا کو بذریعہ موبائل پیغام بھیجا، جس میں کس جو کا نیا نام اور اس تنظیم کا نام جس کے ساتھ وہ کام کر رہی تھی لکھ دیا تھا۔ پیغام کے ساتھ یہ فقرہ بھی درج تھا "کل کی استاد آج کی مبلغہ"۔

بیلا نے امریکہ جا کر اپنا نام تبدیل کیا تھا۔لیکن اسے حیرانی ہوئی کہ مس چو نے نیا چینی نام کیوں رکھا تھا۔کیا اب وہ کوئی مشہور شخصیت بن گئی تھی؟۔بیلا نے اس تنظیم کے لنک کو کلک کیا۔وہ ایک بلا منافع ایل جی بی ٹی کے حقوق کے تحفظ کا ادارہ تھا۔ویبسائیٹ پر مس چو اس ادارے کے بانی ممبران میں سے ایک درج تھی۔وہیں اس کا کسی میڈیا کمپنی کو دیے گئے انٹرویو کا آڈیو کلپ بھی تھا۔اس کی عوامی اجتماعات کی لسٹ تھی اور اس کی دستخط شدہ بلاگ پوسٹس تھیں۔جن میں سے تازہ ترین گھریلو تشدد کے خلاف نئے قانون سے متعلقہ تھی جو چین کے لیے بلکل نئی بات تھی۔اس قانون میں ہم جنس پرستوں کے تعلقات میں مظلوم کے تحفظ کی کوئی شق نہیں تھی۔

مس چو کی کوئی تصویر اس ویب سائیٹ پر نہیں تھی۔بیلا مس چو کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اسے جیسا اس کا چہرہ یاد تھا وہ چاہتی تھی وہ اب بھی ویسا ہی ہو۔لیکن اگر وقت کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہوا تب بھی اسے انتقامی خوشی ہوتی۔اس نے پیپی کو پیغام بھیجنے کا سوچا،میرا خیال تھا تمہاری قوت اختیار اب تک میرے لئے ڈرمیٹنگ کا انتظام کر چکی ہوگی؛لیکن بھلا پیپی پر جملہ بازی کا کیا مقصد؟۔

بیلا نے آڈیو کلپ سننا شروع کر دیا۔مس چو کی آواز کوئی خاص تبدیل نہیں ہوئی تھی لیکن کچھ مختلف ضرور تھا۔ایسا جوش جو پہلے نہیں تھا،یا پھر یہ محض زندہ دلی تھی۔مس چو نے ان کوششوں کے بارے میں بات کی تھی جو اس کی تنظیم نے کی تھیں۔اس کے علاوہ حکومت کے اس اعلان کے بعد کہ ہم جنس رشتوں کے اندر گھریلو تشدد کے کوئی شواہد نہیں ملے،کچھ انتخابات اور انٹرویو جو ایل جی بی ٹی کمیونٹی کے اندر کیئے گئے تھے۔

"تمہارے لئے یہ کیوں اہم ہے کہ قانون ہم جنس رشتوں میں گھریلو تشدد کو تسلیم کرے؟"۔ خاتون رپورٹر نے غیر معمولی تفہیم پیدا کرنے کے لئے نرمی سے پوچھا۔

"جب مخالف جنس کے شادی کے بغیر جنسی تعلقات میں قانونی تحفظ ہے اور ہم جنس تعلقات میں نہیں ہے تو سوال تو پیدا ہوتا ہے؟"۔

"لیکن یہ ذاتی طور پر آپ کے لئے اہم کیوں ہے؟ کیا آپ اس تجربے سے گزری ہیں؟"

"جی ہاں"

"کیا آپ ہمارے سامعین کو اس بارے میں بتائیں گی؟"۔

بیلا کو رپورٹر کا سوال بے وقوفانہ محسوس ہوا۔اور مس چو کے جواب دینے کی رضامندی ناگوار گزری۔

"تین سال پہلے کی بات ہے، میں جوان تھی، اپنے ایک عورت کے ساتھ تعلقات پر شرمندہ تھی۔ ہمارے زمانے میں اسے ذہنی بیماری کہا جاتا تھا۔ میڈیکل پڑھائی کی کتابوں میں بھی ایسی ہی تشریح کی گئی تھی۔ مجھے گھریلو تشدد کا بھی کچھ علم نہیں تھا۔۔۔۔۔"

انٹرویو چلتا رہا۔ ایک ناتجربہ کار عورت مزید تفصیلات بتاتی رہی۔ جو محبت اور برداشت کے فرق سے واقف نہیں تھی۔ اطاعت، خلوص اور عقیدت میں الجھی ہوئی تھی۔ وہی پرانی کہانی بیلا نے سوچا، اور جب بات چیت اعداد و شمار اور مختلف مقدمات کے حالات و واقعات کی طرف مڑی تو بیلا نے سننا بند کر دیا۔ بیلا کو لگا، جو بھی خاتون انٹرویو دے رہی تھی وہ انگلش کلب والی مس چو نہیں تھی جس کے دل کو باہر سے برف سے چمکایا گیا تھا۔ جو کہ ناقابل تسخیر، غیر لچکدار اور غیر متحرک تھا جو بہت پہلے بیلا کے خون کی گرماہٹ جذب کر چکا تھا۔ اس کی اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں یہ عجیب و غریب گفتگو جو وہ غلط مقصد اور غلط جگہ استعمال کر رہی تھی، محض دھوکا تھا، فریب تھا۔

اس تہہ خانے میں، بیلا نے سوچا وہ اب وہاں ہوتی تاکہ وہ مس چو اور اپنے آپ کو نئے سرے سے سمجھتی۔ آیا مس چو چھت کے قریب چھوٹے سے روشندان سے شام کے پھیلتے دھند لکے میں اپنے اس شدید درد سے نجات میں مصروف ہوتی تھی جو اس کے جسم کو کسی دوسرے شخص نے پہنچایا ہوتا تھا؟ کیا وہ ڈان میکلین کو سنتے وقت اپنی تکالیف کے معانی تلاش کر رہی ہوتی تھی۔؟ کیا جب وہ بیلا کی اداکاری پر طنز کر رہی ہوتی تھی یا جب وہ بیلا کی توجہ کو جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہوتی تو کیا وہ بیلا کو کسی نقصان سے بچانے کی کوشش کر رہی ہوتی تھی؟۔ یا پھر وہ فتح اور شکست سے واقف اپنی طاقت کا مزہ لے رہی ہوتی تھی؟۔ وہ جو اپنے آپ کو محبت کے نام پر تکلیف پہنچانے کی اجازت دیتے ہیں، انہیں تکلیف پہنچانے کی خواہش سے سب سے زیادہ واقف ہونا چاہیے۔

"لومڑی کا شکاری لومڑی کا شکار بن جاتا ہے۔" مس چو کی آواز سنتے ہوئے بیلا ڈی ایچ لارنس کے جادوئی اثر میں چلی گئی تھی۔ مس چو کی آواز واقعی خوب صورت تھی، اور وہ اس کے سحر میں مبتلا رہ چکی تھی۔ اس کہانی کو سٹیج ڈرامہ بننا چاہیے تھا۔ بیلا کو یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ بے شک مس چو اس کا خوب مذاق اڑاتی۔ لیکن بیلا کو دوسروں کی مرضی اپنی مرضی کے تابع کرنا آتا تھا۔ اسے مس چو کو منانے کے لئے اپنے پردادا کے سیکریٹری کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خود ہی مس چو سے اصرار کرتی کہ وہ کہانی میں دو عورتوں کا کردار نبھائیں گی۔ بیلا ناگوار اعصابی مریضہ بین فورڈ / Ben Ford بنے گی۔ اسے یہ غیر دلچسپ کردار نبھانے میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور مس چو دوسری

عورت مارچ بنے گی۔ڈرامے کے لئے اسے وہ خوبصورتی عطا کی جاتی جو وہ لے کر پیدا نہیں ہوئی تھی۔آخر میں بیلا/بلینفورڈ قتل کر دی جاتی۔لارنس کی کہانیوں میں ضرور ایسا ہوتا ہے اسے برا نہیں لگتا۔کیونکہ اس کی موت سے مس چو مستقل بے خودی میں رہتی۔کیوں نہیں اگر پیپی یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ سب کچھ بیلا کے نزدیک مفروضوں کا کھیل ہے،تو وہ گونگی بہری بھی ہو سکتی ہے،وہ لومڑی بن کر مس چو پر جادو بھی کر سکتی ہے۔۔وہ رزمیہ کہانیاں گھڑ سکتی ہے جیسے ایڈرین نے اپنے اباؤ اجداد گھڑ لئے ہیں۔ایڈرین ابھی تک جغرافیہ اور خاندان تک محدود تھا۔جب کی بیلا کی ایسی کوئی حدود نہیں تھیں۔ہر چیز اس کی ہو سکتی ہے۔مرد،عورتیں،دن،رات،آسمان کے تارے،چھوٹی لڑکی کے ہاتھ میں ابدی شعلہ،یہ سب اس کا شجرہ نسب تھے۔

ہائی سکول میں ایک رصد گاہ تھی۔جو سال میں کچھ اوقات میں سائنس طلباء کے علاوہ باقی طالب علموں کے لئے کھولی جاتی تھی۔ایک دفعہ جب بیلا دوستوں کے ساتھ وہاں گئی تو اسے معلوم نہیں تھا کہ کون سے ستارے اور سیارے دیکھنے ہیں۔ٹیچر کے جانے کے بعد ایک سینئر لڑکے نے بیلا کو متاثر کرنے کے لئے دوربین کا رخ شہر کی ایک اونچی بلڈنگ کی بغیر پردوں والی کھڑکی کی طرف موڑ دیا۔وہاں ایک مرد اور عورت کھڑکی کی طرف پشت کئے ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔ایکٹریس بے شرمی سے رو رہی تھی۔کمرہ بیلا کی آنکھوں کے اتنے قریب آگیا کہ ایک لمحے کے لئے جب لڑکے نے اس کی کہنی ڈرتے ڈرتے چھوئی تو اس نے اسے پرے جھٹکنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔وہ مرد اور عورت کے درمیان خالی جگہ دیکھ سکتی تھی۔وہ صوفے کے مخالف اطراف صوفے کے بازو پر جھکے ہوئے بیٹھے تھے۔وہ کروشیا سے بنایا گیا نیلے اور سفید رنگ کا وہ کپڑا دیکھ سکتی تھی جو ٹی وی پر ڈالا گیا تھا۔آج سے تیس سال پہلے ٹی وی بھی عیاشی سمجھی جاتی تھی۔اور خاتون خانہ اسے نفیس کشیدہ کاری سے سجاتی تھی۔

بیلا نے خواہش کی کہ کاش دوربین اس رات اس بے وقوف جوڑے کی جگہ مس چو اور اس کی محبوبہ دکھاتی،جذبات اور تکلیف،پیار اور جارحیت۔بیلا نے خواہش کی کہ وہ یہ سب کچھ ان دو عورتوں کے درمیان دیکھ سکتی۔لیکن وہ مس چو سے ملاقات کے وقت بہت چھوٹی تھی۔اور اسے گونگی بہری کے بارے میں بہت دیر سے معلوم ہوا تھا۔وقت نے ان دونوں کو اس کے لئے نا قابل حصول بنا دیا تھا۔ایسا نا قابل رسائی اور نا قابل حصول جسے نہ تو وہ تباہ کر سکتی تھی اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتی تھی۔اسے زخم کی صورت زندہ رہنا تھا۔

اب بھی اگر وہ اس تنظیم کو فون کر کے مس چو سے بات کرنے کی خواہش کرتی، تو وہ کیا کہتی۔ مس چو کے لئے وہ انجان ہی رہتی۔ وہ محض ٹیلیفون لائین پر ایک آواز ہوتی۔ جو کسی بھی لمحے منقطع ہو سکتی تھی۔ وہ محض سڑک کی نکڑ پر کھڑی ایک لڑکی ہی رہے گی۔ ہمیشہ ماچس جلاتی اور دیا سلائی کے چھوٹے سے شعلے میں مختلف دنیا ڈھونڈتی۔ جب وہ ٹوٹتا ہوا ستارہ بنے گی، تو مس چو، خود ایک اور لڑکی کے روپ میں کسی دوسری سڑک کی نکڑ پر ماچس جلاتے ہوئے بیلا کی خالی جگہ کو محسوس بھی نہیں کرے گی۔

○

فالتو

(Extra)

اماں Lin/لن نومبر کی سہ پہر میں سٹین لیس سٹیل کا ٹفن اٹھائے گلی میں جا رہی تھی۔ ٹفن کے اندر اس کے ورکنگ یونٹ کی جانب سے جاری کردہ سرکاری سرٹیفکیٹ پڑا تھا۔ جس میں چمکدار سنہری حروف میں تصدیق کی گئی تھی کہ کامریڈ Lin Mei/لن می بیجنگ ریڈ سٹار گارمنٹ فیکٹری سے باعزت طور پر ریٹائر ہوئی ہے۔

اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ریڈ گارمنٹ فیکٹری دیوالیہ ہو چکی ہے۔ یا یہ کہ باعزت ریٹائر ہونے کے بعد اماں لین پنشن کی حقدار نہیں ہے۔ یقیناً" وہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دیں گے ,کیوں کہ یہ اطلاع درست نہیں ہو گی۔ سرکاری انڈسٹری کے لئے لفظ دیوالیہ استعمال نہیں ہو سکتا ۔اصل لفظ تنظیم نو ہے۔لیکن سرٹیفکیٹ میں وہ بھی نہیں لکھا گیا تھا۔

اماں لین کی ہمسائی آنٹی وانگ کو جب اس صورتحال کا علم ہوا تو اس کا تبصرہ کچھ یوں تھا ۔"جہاں چاہ وہاں راہ۔" (جب آپ پہاڑ پہ جاتے ہیں تو وہاں ہمیشہ ایک سڑک ہوتی ہے۔)" اور جہاں سڑک ہوتی ہے وہاں ٹویوٹا ہوتی ہے۔" لاشعوری طور اماں لین نے ٹویوٹا کے کمرشل اشتہار کی

دوسری لائین دہرادی۔

"اماں لین تم مثبت سوچ رکھنے والی ہو، تمھیں ضرور تمھاری ٹویوٹا مل جائے گی۔" اماں لین کو جو مسلہ درپیش تھا وہ یہ تھا کہ وہ کیسے اپنی دن بہ دن کم ہوتی جمع پونجی کو بچائے۔ کچھ دن تک وہ جمع تفریق کے حساب کتاب میں الجھی رہی اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچی کہ اس کی پس انداز کی ہوئی رقم بمشکل ایک سال نکالے گی اور اگر وہ اپنا ایک وقت کا کھانا چھوڑ دے، سورج غروب ہوتے ہی سو جائے تاکہ شمالی چین کے موسم سرما میں چولھے کے کوئلے کی بچت ہو سکے تو شاید دو سال گزر جائیں گے۔

اگلی بار جب دونوں کی مارکیٹ میں ملاقات ہوئی تو آنٹی وانگ نے جب اماں لین کو ڈنر کے لئے محض ایک مولی خریدتے ہوئے دیکھا تو اسے تسلی دیتے ہوئے کہا!

"تم کوئی شخص ڈھونڈو اور شادی کرلو"

"شادی کرلوں—؟"

"اتنی قدامت پسند مت بنو" آنٹی وانگ بولی۔۔۔۔۔۔ "تمھاری عمر کیا ہے؟"

"اکیاون سال۔"

"اوہو، تم تو مجھ سے چھوٹی ہو۔ میں اٹھاون سال کی ہوں، لیکن میں تمھاری طرح پرانے فیشن کی نہیں ہوں۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ شادی پر صرف نوجوانوں کا حق نہیں۔"

"میرا مذاق نہیں اڑاؤ" اماں Lin/لن نے احتجاج کیا۔

"میں سنجیدہ ہوں۔ اتنے سارے رنڈوے موجود ہیں، ان میں کتنے ہی امیر اور بیمار ہوں گے، جنھیں دیکھ بال کی ضرورت ہوگی۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں بوڑھوں کی کیئر ٹیکر/نگران کی نوکری کرلوں"

آنٹی وانگ نے آہ بھرتے ہوئے اماں کے ماتھے کو اپنی انگلی سے چھوا اور بولی "دماغ استعمال کرو، نگران نہیں بیوی، اس طرح اس کے مرنے پر تمہیں کچھ رقم وراثت میں مل جائے گی۔"

اماں نے کھل کر سانس لیا۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے مردہ خاوند کے تصور سے ہی خوفزدہ ہوگئی۔ تاہم آنٹی وانگ نے اس کے لئے اسی وقت فیصلہ صادر کر دیا اور بہت جلد اس

کے لئے رشتہ ڈھونڈ بھی لیا۔

"چھہتر سال عمر، بلند فشار خون اور ذیابطیس کا مریض، بیوی حال ہی میں مری ہے۔ تین بیڈ روم کے فلیٹ میں اکیلا رہتا ہے۔ مہینے کے دو ہزار یوآن پنشن ملتی ہے۔ دونوں بیٹے شادی شدہ اور سرکاری ملازم ہیں۔ اچھی کمائی والے ہیں"

لیکن اماں ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔

"مان جاؤ، اماں اتنا اچھا رشتہ کہاں سے ملے گا۔ بوڑھا بہت جلد مر جائے گا۔ بیٹے خود امیر ہیں، اس لئے وہ تمہیں بوڑھے کی رقم میں سے ضرور کچھ نہ کچھ دے دیں گے۔ میں تمہیں بتائے دے رہی ہوں، یہ سب سے موزوں فیملی ہے۔ ان کی دہلیز پر رشتہ کرانے والوں کے نئے جوتے گھس چکے ہیں لیکن تمام ممکنہ رشتوں میں سے انہیں تمہارا رشتہ پسند آیا ہے۔ بھلا کیوں؟ اس لئے کہ تم پہلے سے شادی شدہ نہیں ہو اور تمہارے بچے نہیں ہیں۔ ویسے تمہاری شادی کیوں نہیں ہوئی؟ تم نے ہمیں کبھی وجہ نہیں بتائی۔"

اماں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا اور پھر بند کر لیا۔

"اگر تم نہیں بتانا چاہتی تو نہ بتاؤ، انہیں بچوں والی خاتون نہیں چاہیے، میں بھی سوتیلی ماں پہ اعتبار نہیں کر سکتی، کیا ضمانت ہے کہ وہ اپنے بچوں کے لئے بوڑھے کی رقم نہیں چرائے گی۔؟ تم سب سے بہتر ہو، میں نے انہیں بتا دیا ہے کہ اگر روئے زمین پر ایک ہی ایماندار شخص بچ جائے تو وہ تم ہو گی۔ بولو اب تم کیوں ہچکچا رہی ہو۔؟"

"وہ کوئی نگران کیوں نہیں رکھ لیتے؟" اماں نے دو بیٹوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ زیادہ سستا کام نہیں ہے؟"

"کیا تم نہیں جانتی، یہ آیا قسم کی جوان لڑکیاں کیسی ہوتی ہیں، سست اور چور بھی۔ اگر جوان جوڑے انہیں ملازم رکھیں تو پھر وہ خاوند بھی چرا لیتی ہیں۔ اور بوڑھے لوگوں کو پورا پورا دن گندگی میں پڑے رہنے دیتی ہیں۔ ایسی لڑکی ملازم رکھنا؟؟؟ ۔۔۔ وہ صرف ان کی جلد موت کا سبب بنتی ہیں۔"

اماں لن کو ماننا پڑا کہ بوڑھی عورت بطور بیوی زیادہ بہتر انتخاب ہے۔ اماں، آنٹی وانگ کے ساتھ دونوں بیٹوں اور ان کی بیویوں کے پاس انٹرویو کے لئے گئی۔ ایک گھنٹے کے انٹرویو کے بعد دونوں بیٹوں نے آنکھوں آنکھوں میں بات کی اور پوچھا، کیا اسے شادی کی اس

پیشکش پہ مزید غور و فکر کرنا ہے؟۔ اسے سوچ بچار کی ضرورت نہیں تھی اس لئے اگلے ہفتے وہ اپنے نئے گھر میں منتقل ہو گئی۔ اس کا خاوند بوڑھا ٹینگ اس کی سوچ سے زیادہ بیمار تھا۔ ان کی شادی کے کھانے پر ہی ایک بہو نے اسے بتا دیا تھا کہ اسے Alzheimer's / الزائمر کی بیماری ہے۔

اماں نے بیماری کی نوعیت سمجھے بغیر سر ہلا دیا تھا لیکن اتنا سمجھ گئی تھی کہ اس کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ اسے خاوند کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر میز تک لے کر جانا پڑا۔ وہاں بٹھا کر اس کی ٹھوڑی سے ٹپکتے تھوک کو صاف کیا۔

اس طرح اماں لن یکدم بیوی، ماں اور دادی بن گئی۔ اس کو تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ کس عمر میں لوگوں نے اسے آنٹی کی جگہ اماں کہنا شروع کر دیا تھا۔ لوگوں کو یقین ہے کہ غیر شادی شدہ عورت جلد بوڑھی ہو جاتی ہے۔ اب اسے کچھ فرق بھی نہیں پڑتا تھا۔ کہ وہ اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھنے لگی تھی۔

ہر ہفتے ایک بیٹا، بوڑھے ٹینگ کو دیکھنے آتا اور اگلے ہفتے کے لئے اچھی خاصی رقم دے جاتا۔ بوڑھا ٹینگ خاموش طبیعت انسان تھا۔ کھڑکی کے پاس اپنی اتھاہ خاموشی میں ڈوبا کرسی پہ بیٹھا رہتا۔ کبھی کبھار اماں سے اپنی بیوی کے بارے میں پوچھ لیتا۔ جس طرح دونوں بیٹوں نے اماں کو سمجھایا تھا، وہ کہہ دیتی کہ وہ ہسپتال میں روبہ صحت ہے۔ اور جلد گھر آ جائے گی۔ لیکن اس کے جواب سے قبل ہی بوڑھا اپنا سوال بھول چکا ہوتا۔ وہ مزید سوالات کے انتظار میں رہتی جو کبھی نہ پوچھے جاتے۔ وہ امید بھی چھوڑ دیتی۔ ٹی وی کی آواز اونچی کر کے سارے گھر میں گھومتی پھرتی۔ صفائی کرتی، گرد جھاڑتی، دھلائی کرتی۔ لیکن ہر روز سارے کام بہت جلد ختم ہو جاتے۔ تب وہ کوچ پہ بیٹھ کر دن کے ڈرامے دیکھتی۔ اس کے گھر میں بارہ انچ سکرین والا ٹی وی ہوتا تھا۔ ہر دفعہ چینل بدلنے کے لئے پورے کمرے سے گزر کر ٹی وی تک پہنچنا پڑتا تھا۔ اس کے ٹی وی پر کل چھ چینل تھے۔ دو عدد سٹیل کی تیلیوں پہ مشتمل اینٹینا جبکہ بوڑھے ٹینگ کا ٹی وی سیٹ سینکڑوں چینل والا شیطان تھا جو ایک چھوٹے سے ری موٹ کنٹرول کے تابع تھا۔ ان تمام آسائشوں کے ساتھ ایک چینل سے دوسرے چینل پہ گھومتی اماں لن نے محسوس کیا کہ اس مشین کا اسے کوئی فائدہ نہیں۔ کہ جب بھی کوئی پروگرام دیکھتی دماغ کے کسی گوشے میں یہ بے چینی رہتی کہ وہ اس سے اچھے پروگرام کو چھوڑ کر اسے دیکھ رہی ہے۔ نئی زندگی میں کافی دن گزر گئے۔ اس نے محسوس کیا اسے اس ٹی وی کی لت نہیں پڑی۔ جیسا کہ وہ پچھلے دس سال سے اس نشے میں مبتلا تھی۔ کیا شادی ایسا طاقتور بندھن ہے کہ اتنا پرانا نشہ اتنے کم عرصے میں چھوٹ سکتا ہے۔ اماں نے آہ بھری، ٹی وی بند کیا، بوڑھے ٹینگ کو کمرے

کی یکدم خاموشی سے کوئی فرق نہیں پڑا۔تب اسے احساس ہوا کہ اس میں ٹی وی کا کوئی کردار نہیں بلکہ یہ بوڑھے کی موجودگی ہے جو اسے ٹی وی پر توجہ مرکوز نہیں کرنے دیتی۔وہ ایک رسالہ اٹھا کر اس کی ورق گردانی کے بہانے بوڑھے کو جھانک کر دیکھنے لگی۔دس منٹ سے بیس منٹ گزر گئے وہ اسے دیکھتی رہی۔لیکن وہ اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔وہ عجیب شک میں مبتلا تھی کہ بوڑھا بیمار نہیں ہے بلکہ وہ اس کی موجودگی سے واقف ہے اور یہ کہ وہ اسے چپکے چپکے دیکھتا رہتا ہے۔وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اس کی بیوی اب اس دنیا میں نہیں رہی۔اور لن ہی اس کی نئی بیوی ہے۔لیکن وہ یہ تسلیم نہیں کرنا چاہتا۔وہ دماغ کی خرابی کا بہانہ کرتا ہے اور اس سے توقع رکھتا ہے کہ وہ کرائے پر رکھی آیا کی طرح رویہ رکھے۔لیکن اماں بھی ہار نہیں مانے گی۔وہ اس کا خاوند ہے اور وہ اس کی بیوی۔اس کے تکیے کے نیچے ان کے نکاح کا سرٹیفکیٹ موجود ہے۔اگر بوڑھا اس کا صبر آزما رہا ہے تو وہ اس کے لئے تیار ہے۔یہ جنگی کشمکش ہے جسے اماں نے جیتنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔وہ رسالہ بند کر کے بوڑھے ٹینگ کو دلیری سے گھورنے لگی۔اس کی نظروں کا مقابلہ کرنے لگی۔منٹ گھنٹوں میں تبدیل ہو گئے۔ یکدم اماں لن اس خوف سے چونک پڑی کہ وہ بھی ذہنی توازن کھو رہی ہے۔اس نے کوچ سے اپنے جسم کو کھینچ کر نکالا ،اپنے اتھرائیٹس زدہ جوڑوں کے چٹخنے کی آواز سنی۔اس نے پھر ٹینگ کی طرف دیکھا وہ ابھی تک بت بنا بیٹھا تھا۔تب اسے احساس ہوا کہ وہ واقعی بیمار ہے۔اور اس پر بلا وجہ شک کرنے پر شرمندہ ہوئی۔تیزی سے باورچی خانے گئی اور دودھ کا گلاس لے کر واپس آئی۔"دودھ کا وقت" اس نے بوڑھے کے گال سہلاتے ہوئے کہا۔جلد ہی ٹینگ نے دودھ پینا شروع کر دیا۔

دن میں تین مرتبہ اماں کو بوڑھے ٹینگ کو انسولین کا ٹیکا لگانا ہوتا تھا،تب جا کر اس میں زندگی کے آثار نظر آتے۔بعض اوقات سوئی باہر نکالتے ہوئے خون کا چھوٹا سا قطرہ نمودار ہو جاتا جسے وہ روئی کے گولے کی بجائے انگلی سے صاف کر دیتی۔تب وہ اس عجیب احساس سے سحر زدہ ہو جاتی کہ بوڑھے ٹینگ کا خون اس کے جسم پر ٹپک رہا ہے۔

دن میں کئی بار اماں لن اسے نہلاتی ،صبح کے وقت اور رات کو سونے سے پہلے۔اور پھر جب کبھی وہ گیلا ہو جاتا یا اپنے آپ کو گندہ کر لیتا۔

ذاتی باتھ روم کا ہونا اسے اپنی شادی کی سب سے اچھی بات معلوم ہوتی۔اپنی ساری زندگی وہ عوامی باتھ روم استعمال کرتی رہی تھی۔جہاں زنگ آلود نلکوں سے ٹپکتے نیم گرم پانی کے لئے اسے دوسروں سے لڑنا پڑتا تھا۔اب پورا باتھ روم اس کے تسلط میں تھا۔

بوڑھا ٹینگ وہ پہلا مرد تھا جسے اماں لن نے مکمل برہنہ دیکھا۔ جب اس نے پہلی دفعہ اس کے کپڑے اتارے تو گاہے بگاہے اس کے عضو تناسل کو بار بار دیکھنے سے باز نہ رہ سکی۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ جوانی میں کیسا دکھائی دیتا ہوگا۔ لیکن فوراً اس نے ایسی ناپاک سوچ اپنے دماغ سے نکال پھینکی۔ مکمل برہنگی دیکھ کر اس کے دل میں وہ گداز پیدا ہوا جس کا اسے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا اور وہ مادرانہ شفقت سے بوڑھے ٹینگ کے جسم کی دیکھ بھال کرنے لگی۔

فروری کے آخری دنوں کی ایک شام اماں لن اسے باتھ روم کے درمیان رکھی پلاسٹک کی کرسی تک لے کر گئی۔ پھر کپڑے اتارنے شروع کئے۔ وہ اس کے کہنے کے مطابق اپنے بازو اٹھا رہا تھا اور سر اماں لن کے کاندھے پر ٹکا رکھا تھا۔ اماں نے نلکا کھولا اور اس پر گرم پانی ڈالنے لگی۔ ایک ہاتھ اس کی آنکھوں پر رکھا تاکہ پانی اس کی آنکھوں میں نہ جائے۔

اماں لن فرش پر بیٹھ کر اس کی ٹانگوں کا مساج کرنے لگی، تبھی بوڑھے ٹینگ نے اپنی ہتھیلی اس کے کندھے پر رکھی، اماں نے نگاہ اوپر اٹھائی وہ اس کی آنکھوں میں بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ چیخ کر پیچھے ہٹی۔ "کون ہو تم؟" بوڑھے نے پوچھا۔

اماں لن نے حیرت سے پوچھا" اولڈ ٹینگ، کیا یہ تم ہی ہو؟"

"تم کون ہو اور یہاں کیوں ہو؟"

"میں ادھر رہتی ہوں"۔

اس نے بوڑھے ٹینگ کی آنکھوں میں غیر فطری روشنی دیکھی، اس نے اپنا دل ڈولتا محسوس کیا۔ اتنا گداز تو صرف موت سے قبل آتا ہے۔ اماں نے دو سال قبل ایسی روشنی اپنے والد کی آنکھوں میں مرنے سے کچھ گھنٹے پہلے دیکھی تھی۔ اس نے باہر جا کر ڈاکٹر کو فون کرنے کا سوچا۔ لیکن اس کے پاؤں فرش پر گڑھے تھے اور آنکھیں اس کی آنکھوں میں۔

"میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم کون ہو؟"

اماں نے اپنے اوپر نگاہ دوڑائی، وہ چمکدار پیلا پونچو پہنے ہوئے تھی۔ پاؤں میں سبز ربر کے جوتے، مکمل طور پہ باتھ ٹائم پلاسٹک کے لباس میں تھی۔ "میں تمہاری بیوی ہوں"۔

"تم میری بیوی نہیں ہو، میری بیوی سوجانے ہے، وہ کہاں ہے؟"

سوجانے اب ہمارے ساتھ نہیں رہتی، میں تمہاری نئی بیوی ہوں۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو" یہ کہتے ہوئے اولڈ ٹینگ کھڑا ہو گیا۔ "سوجانے ہسپتال میں ہے"۔

"نہیں وہ سب آپ سے جھوٹ بولتے ہیں"۔ اماں لن نے وضاحت کی۔ اولڈ ٹینگ نے اس کا جواب سنا ان سنا کرتے ہوئے اس کو پرے دھکیلا۔ اس کے بازو یکدم مضبوط ہو گئے تھے۔ اماں لن نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن وہ ناقابل گرفت طاقت کے ساتھ وحشی ہو رہا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے کہ ایک مردہ عورت کے لئے اپنے خاوند سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے، اس نے بوڑھے کے ہاتھ چھوڑ دیئے۔ وہ ہوا میں ہاتھ چلا رہا تھا۔ اور دو قدم بعد ہی فرش پر پھیلے صابن والے پانی میں پھسل کر گر پڑا۔

جنازے پر کسی نے اماں لن پر توجہ نہیں دی جو ایک کونے میں بیٹھی آنے والے مرد، عورتوں کی باتیں سن رہی تھی، جو وہ اولڈ ٹینگ کی زندگی کے بارے میں کر رہے تھے۔

ایک ماہر طبیعات، ایک عظیم استاد، پیار کرنے والا شوہر، باپ اور دادا۔ گفتگو کے اختتام پر وہ گھر والوں سے ہاتھ ملاتے اور اسے نظر انداز کر دیتے۔

"میں نے اسے نہیں مارا"۔ اماں تصورات میں انہیں بتاتی، وہ گرنے سے قبل ہی مر رہا تھا۔ لیکن اس نے کسی کو سچ نہیں بتایا۔ بلکہ اپنی لا پرواہی تسلیم کی۔ اس لئے کہ کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گا۔ کہ اس کی آنکھوں کی چمک اس نے اکیلے ہی دیکھی تھی۔ ابدی رات سے قبل آخری جھلملاہٹ، جیسا کہ کہا جاتا ہے اختتام سے پہلے کی آخری روشنی۔

اماں لن کو بوڑھے ٹینگ کی وراثت سے ایک پیسہ نہیں دیا گیا۔ اس نے دو ماہ اس کی دیکھ بھال کی تھی اور بہت سے رشتہ داروں کے خیال میں اس کی لاپرواہی سے بوڑھے کی موت ہوئی تھی۔ اس نے دونوں بیٹوں کو بھی مورد الزام نہیں ٹھہرایا، وہ صرف ان کے دکھ کا سوچتی رہی۔ جو اس کے اپنے دکھ سے ہزار گنا زیادہ تھا۔ جب دونوں میں سے ایک نے اپنے کسی دوست کے پرائیویٹ سکول میں ملازمت دلوانے کا وعدہ کیا تو تشکر کے جذبات سے رو پڑی۔

بیجنگ کے مغربی نواح میں ایک پہاڑی تفریحی مقام پر واقع Mei Mei می می اکیڈمی جسے ملک کا پہلا پرائیویٹ سکول ہونے کا شرف حاصل تھا ان چند عمارتوں میں سے تھی جنہیں چار منزلہ تعمیر کی اجازت دی گئی تھی۔ "تعلقات، تعلقات" پہلے ہی دن جب اماں لن وہاں پہنچی تو خانساماں نے اسے بتایا۔ اگر سکول کے trustees / متولی با اثر نہ ہوتے تو اجازت نامہ کیسے ملتا۔ پرائیویٹ سکول بھی دوسرے تمام پرائیویٹ کاروبار کی طرح پورے ملک میں پھیل رہے تھے۔ جس طرح بہار کی پہلی بارش سے ہر قسم کی کونپلیں پھوٹتی ہیں، کمیونسٹ پارٹی کے راہنما رات ہی رات

میں بزنس اونرز بن گئے تھے۔ ان کے چہرے نیشنل ٹی وی پر نئے پرولتاری منتظم کے طور پر دکھائے جارہے تھے۔

اماں اس سے بہتر زندگی کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ اکیڈمی میں بطور آیا رکھ لی گئی۔ اب ہر کھانا ضیافت تھی۔ گوشت اور مچھلی کی بہتات تھی۔ سبزیاں اس کی مارکیٹ والی سبزیوں سے زیادہ سبز تھیں۔ سب کچھ ایک چھوٹے نامیاتی فارم سے آتا جہاں سے صدر، وزیراعظم اور ان کے خاندانوں کو بھیجا جاتا تھا۔

بعض اوقات اماں لن اتنا سارا اچھا کھانا کوڑے میں جاتا دیکھ کر اداس ہو جاتی۔ وہ جان بوجھ کر کھانے پر دیر سے پہنچنے لگی، جب تمام طلباء کھانا کھالیتے تو تمام پلیٹوں میں بغیر چھوئے سبزیاں پڑی ہوتیں۔ اماں یہ سب بچا ہوا کھانا اپنی پلیٹ میں ڈالتی اور سوچتی کہ کاش ایک ایکسپریس شٹل سروس سکول اور اس کے شہر کے درمیان چلتی تو وہ یہ سارا کھانا اپنے ہمسایوں کو پہنچا دیتی۔

بغیر محنت کیے اتنا اچھا کھانا کھانا گناہ ہے۔ لانڈری اور کمروں کی صفائی کا کام اس کے فرائض میں شامل تھا وہ اس کے علاوہ فالتو کام بھی کرنے لگی۔ صبح سویرے اٹھتی، کلاس رومز کی کھڑکیاں کھول دیتی تاکہ پہاڑوں کی تازہ ہوا کمروں میں داخل ہو سکے۔ سنگ مرمر کے چمکیلے فرش پر جھاڑو اور پوچا لگاتی وہ طلباء کے ڈیسک بھی جھاڑ دیتی، اگرچہ چوکیدار رات کو کلاس رومز کی صفائی کر دیتا تھا۔ لیکن وہ صبح سارے کام دوبارہ کرتی۔ یہ سب کرنے کے بعد بھی اگر جاگنے کی گھنٹی بجنے میں وقت ہوتا تو وہ پہاڑوں کی طرف چہل قدمی کے لیے نکل جاتی۔ صبح کی دھند سے اس کے بال اور جلد نم ہو جاتے اور پرندے جو شہر میں کبھی دکھائی نہیں دیتے، گا رہے ہوتے۔ اس وقت اماں اپنی خوشی پر نازاں ہوتی۔ فیکٹری میں گزرا ہوا وقت ایک بھولا بسرا خواب لگتا۔ اب وہ اس وقت کو کبھی یاد نہ کرنا چاہتی جب وہ کوئلے کے چولہوں سے نکلنے والی سموگ سے گزرتی تھی اور مارکیٹ میں کیمیکل فرٹیلائزر سے تیار کردہ سبزیوں کے لئے بھاؤ تاؤ کرتی تھی۔ چہل قدمی کے دوران اماں کچھ جنگلی پھول اکھٹے کر لیتی۔ کل چھ کلاس رومز کے گلدانوں میں یہ پھول لگا دیتی، لیکن یہ نازک خوبصورتی صرف پہلے پیریڈ تک قائم رہتی۔ ہر عمر کے لڑکے ایک دوسرے پر پھول پھینکتے۔ جس لڑکے کے ہونٹ پھول کو چھو لیتے، وہ زنخا کا لقب پاتا۔ بڑی کلاس کی لڑکیاں پنکھڑیاں نکال لیتیں اور سکول کے صحن میں ایک ٹیلے میں دفنا دیتیں۔ ان کی انگلیاں رنگدار اور چہروں پر گہری اداسی ہوتی۔

اسکول میں بچوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا ہر مہینے کچھ نئے طلباء آجاتے۔

اماں طلباء کی امارت پر حیرت زدہ تھی وہ ابتدائی فیس بیس ہزار یوآن اور پہلے سال کی بیس ہزار ٹیوشن اور رہائش کی فیس کتنی آسانی سے ادا کر دیتے تھے۔

اماں کے آنے کے تیسرے مہینے سکول میں طلباء کی تعداد ایک سو ہو جانے پر ضیافت کا اہتمام کیا گیا۔ جس لڑکے کو خوش قسمتی کا نمبر ملا وہ چھ سالہ کانگ تھا۔ دوسرے طلباء کے برعکس جو مختلف شہروں سے آئے تھے وہ بچہ نزدیکی صوبے سے تھا۔ اس کے آنے کے چند دنوں بعد ہی سب کو اس کی کہانی معلوم ہو گئی تھی۔ اس کا دادا اس کے آبائی صوبے میں بہت بڑے عوامی کمیون کا لیڈر تھا اور اس کا والد شمالی چین کے چوٹی کے زرعی منتظمین میں سے ایک تھا۔

"میرا خیال تھا کہ زمیندار اپنے بچوں کو گھر رکھنا پسند کرتے ہیں" اماں نے ہاسٹل میں طلبا کے رہائشی کمروں کی نگران اماں مسز ڈو سے بدبودار جرابیں دھلائی کے لئے اکٹھی کرتے وقت گفتگو کے دوران کہا۔ مسز ڈو نے گندی جرابوں کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا، "لگتا ہے یہ خود ہی اٹھ کر چل پڑتی ہیں۔ ساتھ ہی اماں کی کہی گئی بات کا جواب دیتے ہوئے بولی، "اگر وہ ناپسندیدہ بیوی کا بچہ ہو تو ایسا نہیں ہوتا۔ وہ 'فالتو' ہوتا ہے"

"کیا والدین کی طلاق ہو گئی ہے؟"۔

"کیا پتہ"

لیکن باپ کی دوسری بیوی یاداشتہ ضرور ہے، لڑکے کی ماں کی اب خاندان میں کوئی جگہ نہیں۔ اس لئے لڑکے کو اب جانا ہے۔"

اماں لن اس سوچ سے اداس ہو گئی کہ اتنا چھوٹا سا بچہ جو دنیا میں کوئی خاص جگہ نہیں لے رہا، لیکن پھر بھی وہ دوسرے لوگوں کے رستے میں ہے اور اس سے چھٹکارا پانا ضروری ہے۔ وہ ہجوم میں بچے کو تلاش کرنے لگی۔ اس نے دوسرے بچوں جیسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے لیکن اس پر کچھ جچ نہیں رہے تھے۔ اس کے کپڑے بہت بڑے، بلکل نئے اور جدید تھے، لیکن جس طرح وہ اس سکول کے لئے اجنبی تھا، اسی طرح کپڑے اس کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں تھے۔

اس کے ہاتھوں اور منہ کو ہمیشہ اچھی دھلائی کی ضرورت رہتی۔ جب اماں لن نے یہ خدمت اپنے سر لے لی تو اسے احساس ہوا کہ اس میں بچے یا نگران اماں کی کوئی غلطی نہیں۔

دوسرے ہفتے کانگ نے سہ پہر کی مصروفیات کے بعد لانڈری میں آنا شروع کر دیا

"اماں یہ کیا ہے؟" اس نے اماں سے ایک دن جب وہ اس کی گالوں پر بے بی لوشن سے مساج

کر رہی تھی، اس سے پوچھا۔" ایسی چیز جو تمہیں شہری لڑکا بنا دے گی" اماں کا جواب تھا۔

"آپ کہاں رہتی ہیں"

"میں یہیں پر رہتی ہوں۔"

"لیکن یہاں آنے سے قبل۔ آپ کے خاوند کا گھر کدھر ہے؟"

اماں نے ایک لمحے کے لئے سوچا، پھر بولی" شہر میں"۔

"شہر کیسا ہوتا ہے؟" میری ماں نے مجھے شہر دکھانے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔"

"تمہاری ماں کہاں ہے؟" اماں نے اپنا سانس روک کرتا کہ دل کی دھڑکن اونچی سنائی نہ دے پوچھا۔ لڑکے نے اماں کی اس کیفیت کو توجہ دیئے بغیر کہا" گھر پر"۔

"تمہارے باپ کے گھر؟"

"میرے نانا کے گھر۔ میرے باپ کے گھر میری نئی ماں رہتی ہے"۔

"تمہاری نئی ماں کیسی ہے، کیا وہ خوبصورت ہے؟"

"جی"

"کیا وہ تمہارے ساتھ اچھی ہے؟"

"جی"

"کیا تم اسے پسند کرتے ہو۔؟"

"جی"

کیا تم اپنی ماں کو بھی پسند کرتے ہو؟ نئی ماں سے زیادہ؟" یہ پوچھتے ہوئے اماں نے اردگرد دیکھا کہ کہیں کوئی لانڈری کے قریب سے تو نہیں گزر رہا، اسے اپنا آپ چور لگا۔

لڑکا بھی گھبرا کر گھوما، پھر اماں کے قریب آیا اس کی گردن میں بانہیں ڈالیں، اپنا منہ اس کے کان کے قریب کیا اماں نے اس کے سانس کی گرماہٹ محسوس کی۔"میں آپ کو ایک راز کی بات بتاؤں گا، آپ کسی کو مت بتانا۔"

"نہیں بتاؤں گی۔"

"میری ماں نے کہا ہے کہ وہ ایک دن آکر مجھے لے جائے گی۔"

"کب"

"اس نے کہا تھا، جلدی"۔

"اس نے یہ کب کہا تھا؟"

"نئی ماں کے آنے سے پہلے۔"

"یہ کب ہوا تھا؟"

"پچھلے سال۔"

"کیا تب سے تم نے اپنی ماں کو دیکھا؟"

"نہیں لیکن اس نے کہا تھا، وہ آئے گی۔ اگر میں اپنے باپ اور نئی ماں کو ناراض نہ کروں تو ——۔

"اماں تمہارا کیا خیال ہے جب وہ آئے گی تو چوکیدار اسے اندر آنے دیں گے؟"

"بلکل میرا یقین ہے، وہ اسے آنے دیں گے۔" اماں نے جواب دیا۔

لڑکے سے بے بی لوشن، صاف دھلے کپڑوں اور صاف پسینے کی خوشبو آرہی تھی۔ اماں کو غسل کے بعد والا اولڈ ٹینگ یاد آگیا۔ اس یاد سے اس کے ہونٹ خشک ہو گئے، اسے لڑکے کے بازو گرم اور چپچپے محسوس ہونے لگے۔

جمعہ کی سہ پہر کو سکول گیٹ کے باہر پارکنگ کا علاقہ لگژری کاروں سے بھر جاتا۔ ڈرائیور اور آیائیں آتیں، بعض اوقات والدین بھی آجاتے۔ اساتذہ اور نگران مائیں گیٹ کے اندر کھڑی ہوتیں اور ایک دوسرے کو بتاتیں کہ کون حکومتی طاقت ور شخصیت کی بہو ہے اور کون تازہ ترین کامیاب فلم کی ہیروئن ہے۔

کانگ اکلوتا بچہ تھا جو ہفتے کے اختتام پر بھی ادھر ہی رہتا۔ اس کا باپ اس کے لئے زائد فیس ادا کرتا تھا اور سمیسٹر کے اختتام پر آنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ اماں لن یہ سوچ کر پریشان ہوتی کہ اگر گرمیاں آنے پر بھی بچے کا باپ یا کوئی اور بچے کو لینے نہ آیا تو کیا ہوگا۔ پھر وہ اپنے بارے میں سوچتی، اگر اسے ان دو مہینوں میں یہاں رہنے کی اجازت نہ ملی تو وہ خود کدھر جائے گی۔

جب سب بچے چلے جاتے تو اساتذہ اور نگران مائیں شٹل بس کے ذریعے شہر چلی جاتیں۔ دو چوکیدار اور اماں لن پیچھے رہ جاتے۔ اس نے اپنی خوشی سے کانگ کی دیکھ بھال کی ذمہ داری لے لی تھی۔ وہ دونوں سکول گیٹ کے پاس کھڑے ہو کر بس کی طرف ہاتھ ہلاتے۔ بس کے جانے کے بعد کانگ تیر کی طرح ایکٹویٹی روم پہنچتا تصاویر والی کتاب میں تصاویر دیکھتا اماں اس کے ساتھ بیٹھ کر اس کے بال سہلاتے ہوئے اسے خود سے ہنستے دیکھنے لگتی جب وہ ساری نئی کتابیں

دیکھ لیتا تو دونوں اکٹھے باہر نکلتے اور گراؤنڈ میں کھیلنے لگتے۔ اماں اس کے جھولے کو جھلانے لگتی یہاں تک کے وہ بہت اونچا جھولنے لگتا۔ کانگ بے قرار خوشی اور خوف سے چلانے لگتا۔

جب موسم اچھا ہوتا تو وہ پہاڑوں کی طرف لمبی سیر کے لئے نکل جاتے۔ اختتام ہفتہ کے سیاح علاقے میں جمع ہو جاتے لیکن اماں اور کانگ دو ایسے سیاح ہوتے جو نہ تو بس کھو جانے اور نہ ہی ٹریفک جام میں پھنس جانے سے پریشان ہوتے۔ وہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتے۔ دونوں کی ہتھیلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوتیں۔ دونوں کو پسینہ آرہا ہوتا۔ اماں اسے پھولوں اور گھاس کی پرانی کہانیاں سناتی۔۔ جب پرانی ختم ہو جاتیں تو اپنے سے نئی گھڑ لیتی۔۔

ڈنر کے بعد اماں اسے باتھ روم لے کر جاتی، باہر کھڑی تولیہ اور کپڑے لئے اس کا انتظار کرتی۔ وہ اندر نہاتے ہوئے اس کا سکھلایا ہوا سرخ ڈریگن فلائی / بھنبھیری کا گیت گاتا۔ ہمیشہ دو منٹ گزرنے کے بعد چیلنج کر پوچھتا، کیا وہ باہر آجائے۔ وہ اسے بتاتی پانچ منٹ مزید نہانا اچھا رہے گا۔۔ بچہ گاتا رہتا۔۔

عموماً" پانی بند کئے بغیر باہر چھلانگ لگاتا۔ اماں ایسے ظاہر کرتی جیسے وہ اس کی اس حرکت سے بوکھلا گئی ہو۔ وہ کھلکھلاتا ہوا بھاگتا یہاں تک کے اماں اس کے پانی ٹپکاتے جسم کو تولئے میں لپیٹ دیتی۔۔ رات کو سوتے ہوئے خواب میں بڑبڑاتا۔ بازو اور ٹانگیں کمبل کے اوپر چاروں طرف پھیلاتا۔ اماں اسے کمبل میں لپیٹتی اور دیر تک اسے دیکھتی رہتی۔ انجان سی گرمجوشی اسکے اندر پھوٹتی، وہ سوچتی کیا یہ محبت ہے۔ زندگی کا ہر لمحہ کسی کے ساتھ گزارنے کی خواہش اور وہ اپنے آپ سے ڈرنے لگتی۔

اماں لن کو ہی سب سے پہلے جرابیں گم ہونے کا احساس نہیں ہوا تھا، بلکہ نگران اماں لگا تار دو ہفتوں سے اسے بتا رہی تھیں کہ لڑکیاں اپنی پسندیدہ جرابیں لانڈری سے گم ہونے کی شکایتیں کر رہی ہیں۔ اب اسے پتہ چل چکا تھا کہ جرابیں کہاں گم ہو رہی تھیں۔ اس نے اکثر کانگ کو دیکھا کہ وہ لڑکیوں کی جرابیں اٹھائے ہوتا۔ اس کے دیکھنے پر وہ انہیں باسکٹ میں ڈال دیتا۔

اگلے ہفتے کانگ جب ایکٹوئی روم میں کمپیوٹر پر مصروف تھا تو امان نے اس کے بستر کی تلاشی لی۔ لیکن اس کے گدے کے نیچے جہاں اکثر چیزیں چھپائی جاتی ہیں اسے کچھ نہیں ملا۔ اس نے کمبل تہ کیا تکیے اٹھائے، تکیوں کے غلاف کھولے تو اسے اندر پانچ موزے نظر آئے جن کے نومولود چھوٹے چھوٹے خرگوشوں کی طرح بنڈل بنے ہوئے تھے۔

اماں نے انہیں کھولا ،وہ کارٹونوں اور پھولوں کے مختلف ڈیزائنوں والی جرابیں تھیں ۔پہلے اماں نے انہیں اپنی جیب میں ڈالنے کا سوچا لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ کانگ انہیں ڈھونڈے گا۔اس نے انہیں اسی طرح تہہ کر کے واپس رکھ دیا۔

سوموار کو اماں نے سپروائزر سے آدھے دن کی چھٹی لی ۔بس میں بیٹھ کر شہر گئی وہاں سے ویسے ہی ڈیزائین کی جرابیں ڈھونڈیں ،ان کے علاوہ بھی خوبصورت جرابیں خریدیں۔

اماں اب لانڈری میں زیادہ محتاط ہوگئی ۔وہ کانگ کے آنے سے قبل ہی یقین کر لیتی کہ تمام لڑکیوں کی جرابیں ان کے تھیلوں میں پہنچ گئی ہیں ۔وقتاً"فوقتاً"شہر سے خریدی گئی جرابیں ادھر ادھر پھیلا دیتی۔

وہ اب بھی ہفتے کی آخری دن خوشی خوشی گزارتے ،لیکن وہ کانگ کے لئے پھینکی گئی جرابوں کے گم ہونے پر پریشان ہوتی ،اس سے پوچھنے کا سوچتی کہ وہ ان کا کیا کرتا ہے ،لیکن ہر بار خاموش ہو جاتی ۔ہفتے کے اختتام پر جب وہ دونوں پھولوں کی بیل کے پاس بیٹھے ہوتے تو وہ سوچتی کیا یہی وہ محبت ہے ،جس سے وہ جوانی میں محروم رہی۔

موسم گرم تر ہوتا گیا ۔نگران ماؤں نے ہر بستر پر مچھر دانی رکھنا شروع کر دی ۔پہلی رات کانگ کے پلنگ کے ساتھ والا لڑکا نگران اماں کے جانے کے بعد اٹھ بیٹھا ،چھوٹی سی فلیش لائیٹ ہاتھ میں پکڑے اپنا سر کانگ کی مچھر دانی میں ڈال دیا ۔فلیش لائیٹ کانگ کی آنکھوں میں چمکی ۔کانگ لڑکے کی امید کے خلاف خاموش رہا ۔وہ لڑکا کانگ کو اپنے ہاتھوں پر پھولدار جرابیں چڑھائے اپنے گالوں کو سہلاتے دیکھ کر حیران اور خوش ہوا ۔نگران ماؤں کو بلایا گیا ۔مزید سات جرابیں پائی گئیں ،اگلے دن کے اختتام تک سکول میں ہر کسی کو اس بیمار بچے کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا ۔جو لڑکیوں کی جرابیں چراتا اور عجیب سی حرکتیں کرتا ہے ۔اماں لین لڑکوں کو کانگ کی پیچھے بھاگتے اسے بیمار ،سائیکو اور فحش لڑکا جیسے القابات سے پکارتے دیکھتی تو اس کا دل ایسے نچڑتا جیسے کپڑے کا نکڑا واشنگ مشین۔

کانگ کا داخلہ لانڈری میں ممنوع ہو گیا ۔وہ ہفتہ ختم ہونے کے دن گننے لگی ۔ایسے لگ رہا تھا کہ تین دن گزرنے سے پہلے ہی وہ ٹوٹ جائے گی۔

جمعہ کی سہہ پہر جب وہ سکول گیٹ کے سامنے کھڑے تھے تو اماں لین کو زبردستی کانگ کا ہاتھ پکڑ کا اٹھا کر ہلانا پڑا۔

"کانگ، اماں کے کمرے میں آؤ"۔ اماں نے کانگ سے کہا۔ "نہیں میں نہیں آنا چاہتا"۔ کانگ نے اماں سے اپنا ہاتھ چھڑواتے ہوئے کہا۔ "میں ہیکل قدمی کے لئے نہیں جانا چاہتا"۔

"کل نئی کتابیں آئی ہیں، انہیں پڑھنا کیسا رہے گا؟"

"میں پڑھنا نہیں چاہتا"۔

"چلو جھولا جھولتے ہیں"

"میں کچھ بھی کرنا نہیں چاہتا" کانگ نے اماں کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکتے ہوئے کہا۔ اماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کانگ کے سر پر دیکھا۔ کسی سے محبت کرنا اسے خوش کرنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ اس قابل ہے کہ نہیں۔ "کچھ ایسا سوچو جو ہم مل کر کر سکتے ہیں۔ جو تم کرنا چاہتے ہو۔ اماں تمہارے لئے وہی کرے گی۔ تم جانتے ہو کہ اماں تم سے پیار کرتی ہے"۔

"میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا خیال ہے، ہم دو دن کے لئے گھر جا سکتے ہیں"۔

اماں نے اس کی آنکھوں میں چھوٹی سی امید کی کرن دیکھی۔ کانگ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "صرف دو دن کسی کو پتہ نہیں چلے گا"۔ اماں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے معاف کر دو، اماں تمہارے لئے یہ نہیں کر سکتی"۔

"لیکن کیوں؟ تم نے کہا ہے تم کچھ بھی کرو گی"۔

"کچھ بھی، یہاں ادھر سکول میں، پہاڑوں پر۔ پیارے بچے، ہم سکول نہیں چھوڑ سکتے"۔ کانگ رونے لگا۔ اماں اسے خاموش کرانے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے اپنی باہوں میں بھر لیا۔ کانگ نے اسے پرے دھکیلا۔ اس کی آنکھوں میں ناراضگی کی سرد مہری تھی۔ جو اماں نے اولڈ ٹینگ کی آنکھوں میں دیکھی تھی۔ کانگ، سکول گراؤنڈ کی طرف بھاگ گیا۔ اماں اس کے پیچھے بھاگی لیکن جلد ہی اسے سانس پھولنے کی وجہ سے رکنا پڑا اس کے بوڑھے جسم نے اس کے جوان دل کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اماں نے سوچا کانگ اپنے بستر پر لیٹا رو رہا ہو گا۔ لیکن وہ وہاں نہیں تھا وہ اسے سکول کی عمارت میں آوازیں دیتی پھرتی رہی۔ ہر کھلے دروازے، ایگزیکٹو روم، ڈائننگ ہال کے اندر دیکھا۔ میزوں کے نیچے، پردوں کے پیچھے ڈھونڈا۔ ہر ناکامی پر اس کا دل بیٹھ جاتا۔

ایک گھنٹہ کی تلاش کے بعد اس نے سوچا شاید لڑکا سکول کی عمارت سے باہر نکل گیا ہو۔

اس سوچ نے اسے مفلوج ہی کر دیا۔ ہر قسم کی بربادی کا سوچتے ہوئے اس نے چوکیداروں کو بلایا۔ وہ سکول گیٹ کے ساتھ چھوٹے کمرے میں پوکر کھیل رہے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ لڑکا گیٹ سے نکلا ہے۔ دونوں کا اصرار تھا کہ لڑکا بلڈنگ ہی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ تینوں نے مل کر دوبارہ ڈھونڈا۔ جب کچھ حاصل نہ ہوا تو پریشان کن خیالات سے تینوں گھبرا گئے۔ پولیس کو بلایا گیا۔ سپروائزر کو اطلاع دی گئی۔ نگران مائیں آ گئیں۔ چوکیداروں نے ادھر ادھر فون کیے۔ اماں نے سوچا، چوکیداروں کا صرف اختتام ہفتہ کا سکون برباد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کی مہینے کی تنخواہ ضبط ہو گی۔ وہ دونوں متولی کے رشتہ دار تھے۔ لڑکے آئے روز غائب ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ نہ ملا تو بھی سب ایک سال میں بھول جائیں گے۔ اس سوچ سے ہی اماں رونے لگی۔ اس سارے ہنگامے کے دوران کانگ خود ہی نمودار ہو گیا۔ اسے کچھ نہیں ہوا تھا وہ صرف بھوکا تھا اور اسے نیند آ رہی تھی۔ جب اماں اسے ڈھونڈ رہی تھی تو وہ شاید اس کے ساتھ چھپن چھپائی کھیل رہا تھا یا شاید وہ اس کی بات نہ ماننے پر اماں کو سزا دے رہا تھا۔ اس نے سپروائزر کو بتایا کہ وہ پیانو کے نیچے سو گیا تھا۔

اماں کو یاد تھا کہ اس نے پیانو کے نیچے دیکھا تھا لیکن کوئی بھی بوڑھی عورت کی یادداشت پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو نااہل ثابت کر دیا تھا۔ مزید باتیں دہرائی گئیں جن میں طلبا کا راشن غائب کرنا اور لانڈری میں غفلت جیسے الزامات سامنے آئے۔ جس رات طلبا واپس آئے اماں کو نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ اس کا سامان باندھ کر گیٹ کے پاس رکھ دیا گیا۔ کپڑے کا ہلکا پھلکا تھیلا جو بوڑھی عورت کے لئے اٹھانا مشکل نہیں تھا۔

"محبت کی خوشی ٹوٹتے تارے کی مانند ہے جب کہ محبت کا دکھ اس کے بعد کی تاریکی ہے۔" گلی میں ایک لڑکی یہ گاتے ہوئے اماں کے پاس سے گزری۔ اماں نے لڑکی کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کی لیکن لڑکی پھرتیلی تھی۔ اماں نے سانس بحال کرنے کے لئے تھیلا زمین پر رکھا۔ سٹیل کا ٹفن دوسرے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ گلی سے گزرتے ہر شخص کو اپنی منزل کا علم تھا لیکن وہ ان میں سے نہیں تھی۔ وہ حیران تھی کہ وہ کب ان سے جدا ہو گئی۔

کوئی دوڑتا ہوا اماں کو دھکا دیتا اس کے پاس سے گزرا۔ وہ لڑکھڑائی اور گرنے سے پہلے ایک آدمی کو اس کے تھیلے کے ساتھ ہجوم میں غائب ہوتے دیکھا۔ ایک عورت نے رک کر پوچھا: "آپ خیریت سے ہو اماں؟"۔ اماں نے اٹھتے ہوئے سر کے اشارے سے اسے جواب دیا۔

عورت نے اپنا سر جھٹکتے ہوئے پاس سے گزرتے شخص کو اونچی آواز سے بتایا، "کیسی دنیا ہے؟ کسی نے بوڑھی اماں کو لوٹ لیا ہے۔" کچھ نے تاسف کیا۔ وہ عورت سر ہلاتی آگے بڑھ گئی۔

اماں سڑک پر بیٹھ گئی۔ اپنے ٹفن کو پیار کیا۔ لوگ بھوکے ہیں، لیکن عجیب بات ہے کبھی کوئی بوڑھی عورت کا ٹفن چرانے کا نہیں سوچتا۔ اسی وجہ سے وہ کبھی اپنی کسی اہم چیز سے محروم نہیں ہوتی۔ تین ہزار یوآن جو برخاستگی کے ہرجانے کے طور پر ملے تھے ٹفن میں محفوظ تھے۔ ان کے ساتھ ہی بن کھولے جرابوں کے بنڈل بھی موجود تھے، رنگدار پھولوں کے ڈیزائین والے۔ اس کی مختصر محبت کی کہانی کی سوغات۔

O

تعارف مصنفہ: ازابیل آئندے

مصنفہ لیما میں 12 اگست 1942 کو پیدا ہوئی۔ چلی میں مصنف اور صحافی کے طور پر شناخت بنائی۔ وہ سیلواڈور الینڈے چلی کے سابقہ صدر کی پوتی / نواسی تھی۔ جسے بغاوت کے دوران قتل کردیا گیا تھا۔ ان حالات سے

بچنے کے لئے پہلے وہ وینزویلا / رندھاوا منتقل ہوئی بعد میں امریکی شہری سے شادی کر کے 2003 میں امریکہ چلی گئی۔ وہ لاطینی امریکہ کی پہلی کامیاب ناول نگار سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ناول زیادہ تر عورتوں کے تجربات پر مبنی ہیں جن میں حقیقت اور داستان گوئی کا امتزاج ہے۔ امریکی کالجوں میں ادب کی پروفیسر رہی۔ آجکل آپ اپنے خاوند کے ساتھ کیلیفورنیا میں رہائش پزیر ہے۔ اس کے مشہور ناول" ہیں۔ اس کے مشہور ناول The House of Spirit / روح کا گھر اور City of the Beasts / وحشی جانوروں کا شہر ہیں۔"

ولیمائی

(Valimai)

میرا نام 'ولیمائی' میرے والد نے رکھا تھا۔ شمال میں ہمارے بھائیوں کی زبان میں اس کا مطلب آندھی ہے۔ میں تمھیں اپنا نام پکارنے کی اجازت دیتا ہوں، کیونکہ اب تم میری بیٹی کی طرح ہو۔ لیکن یہ بھی اس وقت جب ہم خاندان والوں کے ساتھ ہوں۔ اس لئے کہ اشخاص اور چیزوں کے نام عزت کے متقاضی ہوتے ہیں، کہ جب ہم کسی کا نام پکارتے ہیں تو ہم اس کے دل کو چھوتے ہیں۔ اور ہم ان کی زندگی کی توانائی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہم خونی رشتہ دار ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ میں کبھی سفید لوگوں کو نہیں سمجھ سکا کہ وہ کیسے اتنی آسانی اور لاپرواہی سے بغیر کسی خوف کے ایک دوسرے کے نام لیتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ادب لحاظ کی کمی کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس سے بہت نقصان پہنچتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ بغیر سوچے سمجھے بولتے ہیں۔ الفاظ اور اشارے انسان کی سوچیں ہوتی ہیں۔ ہمیں بلاوجہ نہیں بولنا چاہیے۔ یہ بات میں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو سکھائی ہے۔ لیکن وہ ہر وقت میرے مشورے نہیں سنتے۔ بہت پہلے روایات اور ممنوعات کی عزت کی جاتی تھی۔ میرے دادا اور میرے دادا کے دادا ساری ضروری معلومات اپنے دادا سے

حاصل کرتے تھے۔ کچھ نہیں بدلا ،آج بھی اچھی یادداشت والا شخص وہ سب یاد رکھ سکتا ہے جو اس نے کبھی سیکھا تھا۔اس علم کی وجہ سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی صورتحال میں اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن پھر یہ سفید لوگ آ گئے ۔اور ہمارے اجداد کی حکمت و دانائی کے خلاف بولنے لگے ۔اور ہمیں ہماری زمینوں سے بے دخل کرنے لگے ۔ہم ہر دفعہ جنگل کی گہرائی میں اندر چلے جاتے ہیں ۔لیکن وہ وہاں بھی ہمارے پیچھے آ جاتے ہیں ۔بعض اوقات انہیں آنے میں کچھ سال لگ جاتے ہیں لیکن بالآخر وہ آ ہی جاتے ہیں ۔تب ہمیں اپنی بوئی ہوئی فصلیں خود تباہ کرنی پڑ جاتی ہیں ،بچوں کو اپنی پیٹھ پر لادنا پڑتا ہے، ہم جانوروں کو باندھتے اور روانہ ہو جاتے ہیں ۔جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے ،ایسا ہی ہو رہا ہے ۔ہر چیز چھوڑ کر چوہوں کی طرح بھاگ رہے ہیں ۔شاندار طاقتور جنگجوؤں اور دیوتاؤں کی طرح نہیں جو پرانے وقتوں میں ان زمینوں میں رہتے تھے ۔ہمارے بعض نوجوانوں میں ان سفید لوگوں کو جاننے کا تجسس پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے جب ہم اپنے اجداد کے طریقہ کار کے مطابق گہرے جنگلوں کی طرف جاتے ہیں یہ متجسس نوجوان ہمیں چھوڑ دیتے ہیں ۔ہم انہیں مردہ تصور کر لیتے ہیں ۔اس لئے کہ پھر ان میں سے بہت کم واپس آتے ہیں ۔اور جو واپس آتے ہیں انہیں ہم اپنے رشتہ داروں کے طور پر شناخت نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ بہت زیادہ بدل چکے ہوتے ہیں ۔

میں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ میری پیدائش سے قبل ہمارے قبیلے میں بہت کم عورتیں پیدا ہوتی تھیں ۔اس لئے میرے والد کو بہت ہی زیادہ دور جا کر دوسرے قبیلے سے بیوی ڈھونڈنی پڑی ۔اپنے سے پہلے اسی مقصد کے تحت چلنے والوں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے وہ جنگلوں میں سفر کرتا رہا ۔اتنا سفر کرنے کے باوجود جب میرا والد اپنا جیون ساتھی ڈھونڈنے میں ناامید ہو رہا تھا تو اسے آسمان سے گرتے دریا، اونچی آبشار کے پاس کھڑی ایک لڑکی نظر آئی ۔تھوڑے فاصلے پر رکتے ہوئے تاکہ وہ لڑکی ڈر نہ جائے وہ اس سے اسی طرح مخاطب ہوا جیسے شکاری اپنے شکار سے مخاطب ہوتا ہے ۔اسے اپنی شادی کرنے کی خواہش بتائی ۔لڑکی نے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا ۔اسے غور سے دیکھا ،شاید مسافر کا چہرہ اسے پسند آ گیا اسی لئے اسے شادی کرنے کا فیصلہ درست محسوس ہوا ۔میرے والد نے اپنے سسر کے لئے اس وقت تک کام کیا جب تک اس لڑکی کی قیمت ادا نہیں ہو گئی ۔شادی کی رسومات کی ادائیگی کے بعد وہ اپنے لوگوں میں آ گئے ۔

میں اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ لمبے اونچے درختوں کی چھتر چھاؤں میں پلا بڑھا، کبھی

سورج نہیں دیکھا۔ بعض اوقات کوئی زخمی درخت گر جاتا تو اس موٹے گنبد میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو جاتا تو اس وقت ہم آسمان کی نیلی آنکھیں دیکھتے۔ میرے والدین نے مجھے کہانیاں سنائی تھیں ۔انہوں نے میرے لئے گیت گائے اور مجھے سکھایا کہ انسان کو اس وقت بھی زندہ رہنے کا گر آنا چاہیے جب وہ اکیلا ہو اور اس کے پاس تیر اور کمان کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو۔

میں آزاد تھا۔ ہم چاند کے بچے آزادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر ہم سلاخوں کی دیواروں کے پیچھے بند ہو جائیں تو ہم اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ ہم اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں ۔پھر کچھ ہی دنوں میں ہماری روح ہمارے سینے کی ہڈیوں کو چھوڑ جاتی ہے۔ اس وقت ہم بدنصیب خستہ حال وحشی جانور کی طرح ہو جاتے ہیں۔ تب ہم موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے گھر وں کی چہار دیواری نہیں ہوتی، صرف ایک ڈھلوان چھت ہوتی ہے جو آندھی اور بارش سے بچاتی ہے۔ اس کے نیچے ہم اپنے جھولن کھٹولے قریب قریب لٹکا لیتے ہیں کیونکہ ہم عورتوں اور بچوں کے خواب سننا پسند کرتے ہیں۔ اور بندروں، کتوں اور سوؤروں کے سانس سنتے ہیں جو اسی پناہگاہ میں سوتے ہیں۔ پہلے ہم جنگلوں میں بغیر یہ جانے کہ ان ٹیلوں سے پرے بھی دنیا اور دریا ہیں رہتے تھے۔ دوسرے قبیلوں سے دوستوں نے آ کر بویاوسٹا/Boa Vista اور El plantanal کے بارے میں کہانیاں سنائیں تو بھی ہمارا یقین تھا کہ یہ سب ہمیں ہنسانے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔

جب میں بالغ ہوا تو بیوی ڈھونڈنے کی میری باری آ گئی۔ میں ابھی کنوارہ رہنا چاہتا تھا اس لئے میں نے انتظار کرنا بہتر سمجھا۔ ہم خوش و خرم رہ رہے تھے پھر بھی میں دوسروں کی طرح کھیلوں اور آرام کرنے سے مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ میرا خاندان کافی بڑا تھا۔ بھائی، بہنیں، کزنز، بھانجیاں بھتیجیاں، کھانے والے بہت تھے اور شکاری کے لئے بہت کام کا بوجھ۔

ایک دن پیلے لوگوں کا ایک گروہ ہمارے ہمارے قبیلے میں آیا۔ وہ بہت دور سے ہی پاؤڈر سے شکار کرتے۔ نہ تو وہ ماہر تھے نہ ہی انہیں شکار کرنے کی مہارت تھی۔ وہ نہ تو درختوں پر چڑھ سکتے اور نہ ہی نیزے سے مچھلی پکڑ سکتے۔ وہ جنگل میں اناڑیوں کی طرح چلتے۔ ہمیشہ اپنے سامان، ہتھیار اور پاؤں الجھا لیتے۔ وہ اپنے کپڑے ہماری طرح ہوا میں نہیں پھیلاتے بلکہ گیلے اور بدبودار کپڑے ہی پہن لیتے۔ وہ شائستگی کے آداب سے بھی ناواقف تھے لیکن وہ ہمیں اپنے علم اور اپنے خدا کے بارے میں بتانے پر مصر تھے۔ ہمیں جو کچھ سفید فاموں کے بارے میں بتایا گیا تھا جب ہم نے اس کا موازنہ ان سے کیا تو ہمیں ان کے بارے میں کی گئی گپ شپ پر یقین آ گیا۔ ہمیں

جلد ہی پتہ چل گیا کہ وہ مشنری، سپاہی یار برا کٹھے کرنے والے نہیں ہیں۔وہ پاگل تھے۔انہیں زمین چاہیے تھی، وہ لکڑی لے کر جانا چاہتے تھے۔وہ پتھروں کی تلاش میں بھی تھے۔ہم نے انہیں سمجھایا کہ جنگل ایسی چیز نہیں کہ پرندوں کی طرح کندھوں پر اٹھا کر لے جاسکیں۔لیکن وہ ہمارے دلائل سننے کو تیار نہیں تھے۔انہوں نے ہمارے گاؤں کے قریب کیمپ لگا لئے۔ان میں سے ہر ایک تباہی کی آندھی تھی۔جس چیز کو چھوتے برباد کر دیتے۔اپنے پیچھے تباہی و بربادی کی داستان چھوڑ جاتے۔ انہوں نے لوگوں اور جانوروں کو بے چین کر دیا۔شروع شروع میں ہم نے شرافت برتی اور انہیں خوش رکھا کہ وہ ہمارے مہمان تھے۔لیکن وہ کسی طرح مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ہمیشہ مزید تقاضے کرتے۔یہاں تک کہ ہم ان کی چالوں سے تنگ آگئے۔اور تمام روایتی رسومات کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا۔وہ اچھے جنگجو نہیں تھے۔ان کی نازک ہڈیاں ہماری لٹھ بازی برداشت نہیں کر سکتی تھیں، وہ باآسانی ڈر گئے۔آخر کار ہم نے گاؤں چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔اور مشرق کی طرف جہاں جنگل ناقابل دخول تھا چلے گئے۔لمبے لمبے فاصلے درختوں کی چوٹیوں پر طے کیے تاکہ وہ ہمارا سراغ نہ پا سکیں۔ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ منتقم مزاج ہیں اور اگر ان میں سے ایک بھی لڑائی میں مرجاتا تو وہ پورے قبیلے کو بچوں سمیت فنا کر دیتے۔ہم نے نیا گاؤں بسانے کے لئے جگہ ڈھونڈ لی۔اگرچہ وہ بہت اچھی جگہ نہیں تھی۔عورتوں کو صاف پانی کے لئے گھنٹوں چلنا پڑتا لیکن ہم وہاں ہی رک گئے۔ اس لئے کے ہمیں یقین تھا کہ اتنی دور ہمیں کوئی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ایک سال بعد میں پینتھر کے نشانات کا پیچھا کرتے اپنے گاؤں سے کافی دور سپاہیوں کے کیمپ کے قریب پہنچ گیا تھا۔میں بہت تھک چکا تھا۔کافی دنوں کا بھوکا بھی تھا، اس وجہ سے غلط فیصلہ کر بیٹھا۔اجنبیوں کو دیکھنے کے بعد بجائے واپس مڑنے کے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔سپاہیوں نے مجھے پکڑ لیا۔انہوں نے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنھیں ہم نے لٹھ بازی سے مار دیا تھا، کچھ نہیں کہا۔شاید انہیں ان کے بارے میں پتہ نہیں چلا تھا۔یا انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میں ویلیمائی ہوں۔انہوں نے مجھے ربر جمع کرنے والوں کے ساتھ کام پر لگا دیا۔وہاں اور قبیلوں کے لوگ بھی تھے۔مردوں نے پتلونیں پہنی ہوئی تھیں اور ان کی مرضی کے خلاف کام پر ہانک دئے جاتے تھے۔ربر کا کام بہت احتیاط طلب تھا لیکن لوگ بہت کم تھے۔اس لئے وہ ہمیں زیادہ محنت پر مجبور کرتے۔یہ وقت پابندیوں کا تھا اور میں اس کے بارے میں زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا۔میں وہاں کچھ نیا سیکھنے کے لیے رک گیا تھا۔میں جانتا تھا کہ میں واپس اپنے لوگوں میں پہنچ جاؤں گا۔ایک جنگجو کو اس کی مرضی کے خلاف کوئی نہیں

روک سکتا۔ ہم سورج سے سورج تک کام کرتے

کچھ درختوں کو ذخم لگا کر ان کی زندگی قطرہ قطرہ نچوڑتے ۔ کچھ اس مائع کو پکا کر گاڑھا کرتے اور پھر اس سے بڑے بڑے گیند بناتے ۔ باہر کی ہوا اس جلی ہوئی رطوبت کی بو سے بوجھل تھی ۔ اور اندر سونے والے حصے کی ہوا میں لوگوں کے پسینے کی بد بو ملی ہوئی تھی ۔ کوئی بھی اس جگہ گہرا سانس نہیں لے سکتا تھا۔ کھانے میں ہمیں مکئی اور کیلے ملتے اور کچھ عجیب سی چیزیں ڈبوں میں ڈالی ہوئی، جو ہم نے پہلے کبھی نہیں چکھی تھیں ۔ کیمپ کے ایک سرے پر ایک بڑی ساری جھونپڑی بنائی ہوئی تھی ۔ جہاں عورتوں کو رکھا ہوا تھا۔ دو ہفتے ربر کا کام کرنے کے بعد نگران نے مجھے ایک کاغذ دیا اور عورتوں کی طرف بھیجا۔ اس نے مجھے ایک کپ شراب دی ۔ جو میں نے زمین پر گرا دی، کیونکہ مجھے علم تھا یہ پانی کیسے انسان کے ہوش وحواس گم کرتا ہے ۔ وہاں میں دوسروں کے ساتھ قطار میں کھڑا ہو گیا۔ میں آخر میں تھا۔ جب جھونپڑی میں جانے کی میری باری آئی تو سورج غرب ہو چکا تھا۔ مینڈکوں اور طوطوں کے شور شرابے کے ساتھ رات ہو گئی تھی ۔

وہ ایلا قبیلے کی تھی ۔ شریف لوگوں کا قبیلہ جس کی لڑکیاں نزاکت کے لئے مشہور تھیں ۔ کچھ مرد ایلا عورت ڈھونڈنے کے لئے مہینوں سفر کرتے تھے ۔ وہ انہیں تحائف دیتے ان کے لئے شکار کرتے، اس امید پر کہ ان کی کوئی عورت حاصل کر سکیں ۔ وہ وہاں لیٹی چھپکلی کی طرح نظر آ رہی تھی ۔ وہ ایک نوجوان لڑکے کے سائز کی تھی ۔ میں نے اسے اس لئے پہچان لیا کہ میری ماں بھی ایلا تھی ۔ اس کی ہڈیاں دریا کے چھوٹے پتھروں جیسی مدھم آواز دیتی تھیں ۔ ایلا عورتیں اپنے جسم کے سارے بال یہاں تک کے آنکھوں کی پلکیں بھی اتارتی ہیں ۔ وہ اپنے کانوں کو پروں اور پھولوں سے سجاتی ہیں ۔ اپنے ناک اور گالوں میں چھید کر کے چمکدار تیلیاں ڈالتیں ۔ اپنے سارے جسم پر ڈیزائین پینٹ کرتیں ۔ جس کے لئے سرخ رنگ اناٹو (چھوٹا سا امریکی درخت) سے، پام سے گہرا جامنی اور کوئلے سے کالا رنگ لیتیں ۔ لیکن اس کے پاس ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ بھوسے کی چٹائی پر بلکل ننگی لیٹی تھی ۔ ایک تختہ زنجیر سے بندھا تھا۔ میں نے اپنا چاقو زمین پر رکھا۔ اور اس سے ایک بہن کی طرح ملا ۔ ہرنوں کی گیت اور دریاؤں کے پانی کی آوازیں نکالیں لیکن اس نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا اس کی روح اس کی پسلیوں کے پنجرے میں گونجتی ہے میں نے اس کی چھاتی کو تھپتھپایا۔ لیکن کوئی بازگشت سنائی نہیں دی ۔ اس کی روح بہت کمزور ہو چکی تھی ۔ اور جواب نہیں دے رہی تھی ۔ میں گھٹنے ٹیک کر اس کے پاس بیٹھ گیا، اسے پینے کے لئے پانی دیا۔

اپنی والدہ کی بولی میں بات کی۔اس نے آنکھیں کھول کر کافی دیر مجھے گھورا۔میں سمجھ گیا۔

سب سے پہلے میں نے صاف پانی ضائع کیے بغیر اپنے آپ کو صاف کیا پانی کا ایک بڑا گھونٹ بھرا پھر چھوٹی چھوٹی پھواریں ہاتھوں پر ڈالیں، احتیاط سے ہاتھ رگڑے اور ان سے اپنا منہ گیلا کر کے صاف کیا۔پھر میں نے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا، تاکہ اس کے جسم سے مردوں کا پانی دور ہو سکے۔میں نے نگران افسر کی دی گئی پتلون اتاری۔میری کمر کے ساتھ آگ جلانے کی تیلیاں، تیروں کی انیاں۔تمباکو،لکڑی کا چاقو جس کی نوک پر چوہے کے دانت بندھے تھے، ایک چمڑے کا مضبوط تھیلا جس میں بلکل قلیل مقدار میں زہر تھا، بندھے ہوئے تھے۔میں نے تھوڑا سا زہر چاقو کی نوک پر لگایا،لڑکی پر جھکا اور زہر آلود چاقو کے ساتھ اس کے گلے میں زخم لگایا۔زندگی خدا کی طرف سے تحفہ ہے۔شکاری اپنی فیملی کو کھلانے کے لئے مارتا ہے۔وہ اپنے شکار کا گوشت خود کھانا پسند نہیں کرتا بلکہ اگر دوسرا شکاری پیش کرے تو کھا لیتا ہے۔بعض اوقات جنگ میں دوسروں کو مارتا ہے لیکن کبھی عورت اور بچے کو تکلیف نہیں دیتا۔لڑکی نے اپنی شہد کی طرح پیلی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔مجھے لگا اس نے شکر گزاری کے لئے مسکرانے کی کوشش کی۔اس کے لئے میں نے چاند کے بچوں کی ممنوعات کو توڑا تھا۔اب مجھے اپنی اس حرکت کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔مجھے کفارہ ادا کرنے کے لئے بڑی مشقت کا سامنا کرنا ہوگا۔میں نے اپنا کان اس کے منہ کے قریب کیا۔اس نے اپنا نام مدھم آواز میں بڑبڑایا۔میں نے اسے دو دفعہ اپنے دماغ میں دہرایا لیکن اونچا نہیں بولا ،اس لئے کہ مردے کو نام لے کر پکارنا،ان کا سکون برباد کرنا اچھا نہیں ہوتا۔اور وہ تو کب کی مر چکی تھی صرف اس کا دل دھڑک رہا تھا۔جلد ہی میں نے اس کے پیٹ کے عضلات دیکھے۔اس کا سینہ،اس کے بازو فالج سے اکڑ گئے تھے اس نے سانس لینا چھوڑ دیا تھا اس کا رنگ بدل گیا۔ایک آہ نکلی اور اس کا جسم بغیر مزاحمت کے مر گیا۔ایک چھوٹی سی مخلوق مر گئی۔

میں نے فوراً محسوس کیا کہ اس کی روح اس کے نتھنوں سے نکل کر میرے اندر داخل ہو کر میرے سینے کی ہڈی کے ساتھ لنگر انداز ہو گئی۔اس کا سارا وزن مجھ پر آن پڑا۔میں نے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کی۔آہستہ آہستہ حرکت کی۔جیسے میں پانی کے نیچے ہوں۔میں نے اس کے جسم کو آخری آرام دہ پوزیشن میں ترتیب دیا۔اس کے گھٹنے اس کی ٹھوڑی کو چھونے لگے۔چٹائی کے ریشے سے اسے باندھا باقی بھوسے کا ڈھیر لگایا۔اپنی تیلیوں سے آگ سلگائی۔جب یقین ہو گیا کہ آگ اچھی طرح جل اٹھی ہے۔تو میں آہستہ آہستہ جھونپڑی سے باہر نکلا۔بہت ہمت کر کے

کیمپ کی باڑ پھلانگی کیونکہ وہ مجھے وہاں کھینچ رہی تھی۔ جنگل میں گھسنے کے لئے جب پہلے درخت تک پہنچا تو الارم کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

پورا ایک دن بغیر رکے چلتا رہا۔ دوسرے دن تیر اور کمان تیار کی تاکہ میں اس کے لئے کچھ شکار کر سکوں۔ ایک جنگجو جو کسی دوسری انسانی زندگی کا بوجھ اٹھائے ہو اسے دس دن کا روزہ رکھنا چاہیے۔ اس طرح مردے کی روح کمزور پڑ جاتی ہے۔ اور وہ اسے چھوڑ کر روحوں کی دنیا کی طرف سفر شروع کرتی ہے۔ اگر وہ یہ روزے نہیں رکھتا تو روح موٹی ہو جاتی ہے اور اس انسان کے اندر بڑھنے لگتی ہے، جس سے اس کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ میں نے بہت بہادروں کو اس طرح مرتے دیکھا ہے۔ لیکن یہ شرائط پوری کرنے سے پہلے مجھے ایلا کی روح کو گھنے جنگل میں لے کر جانا تھا، جہاں سے وہ ڈھونڈی نہ جاسکے۔ میں بہت تھوڑا کھاتا، صرف اتنا کہ وہ دوسری دفعہ نہ مر جائے۔ ہر نوالہ خراب گوشت کا ذائقہ دیتا اور پانی کا ہر قطرہ تلخ گھونٹ ہوتا۔ لیکن میں دونوں کو توانا رکھنے کے لئے نگلنے کی کوشش کرتا۔ چاند کا ایک چکر مکمل ہونے تک میں جنگل کے اندر گہرائی کی طرف سفر کرتا رہا۔ اس لڑکی کی روح اپنے اندر لئے ہوئے جو دن بہ دن وزنی ہوتی جا رہی تھی۔ ہم اکثر بات چیت کرتے۔ ایلا کی آواز اجاڑ درختوں کے بیچ لمبی بازگشت کی طرح گونجتی۔ ہم اپنے جسم، آنکھوں، کمر اور اپنے پاؤں کے ساتھ گاتے ہوئے گفتگو کرتے۔ میں نے وہ تمام عظیم قصے، کہانیاں جو اپنے والدین سے سنی تھیں اسے سنائیں۔ اسے اپنا ماضی بتایا۔ اس نے مجھے اپنی زندگی کے پہلے حصے کے بارے میں بتایا جب وہ ایک خوش باش لڑکی تھی، اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلتی تھی۔ مٹی میں لڑھکتی اور اونچی شاخوں سے جھولتی۔ شائستگی کے باعث اس نے اپنے موجودہ ماضی کی بدقسمتی اور رزلت کو بیان نہیں کیا۔ میں نے ایک سفید پرندہ پکڑا اور اس کے خوبصورت پر نوچ کر اس کے کانوں کی زیبائش تیار کی۔ رات کو آگ جلاتا تاکہ وہ ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ اور سانپوں اور تیندوں سے محفوظ رہے۔ میں اسے دریا میں بڑی احتیاط سے رکھا اور پسے ہوئے پھولوں سے رگڑ رگڑ کر نہلاتا تاکہ اس کی بری یادداشت ختم ہو جائے۔

آخر کار ایک دن ہم اس مناسب جگہ تک پہنچ گئے اور مزید چلنے کا کوئی جواز نہیں رہا۔ یہاں جنگل اتنا گھنا تھا کہ راستہ بنانے کے لئے مجھے اپنے چاقو سے اگی ہوئی جھاڑیاں اور چھوٹے چھوٹے درخت کاٹنا پڑے۔ بعض اوقات دانتوں کا استعمال بھی کرنا پڑا۔ ہم وقت کے سکوت کو ٹوٹنے سے بچانے کے لئے سرگوشیوں میں بات کرتے۔ میں نے پانی کے جھرنے کے قریب جگہ

تلاش کرلی۔ جھولن کھٹولا بنانے کے لئے لمبی پتلی تیں شاخیں لیں ان پر پتوں کی چھت ڈالی۔ اپنے چاقو سے اپنا سر مونڈا۔ اور روزہ رکھ لیا۔

جتنا عرصہ ہم نے اکٹھا سفر کیا، اس دوران ہمیں ایک دوسرے سے انسیت ہوگئی تھی۔ اب ہم علیحدہ نہیں ہونا چاہتے تھے۔ لیکن انسان کو زندگی پر کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ اپنی زندگی پر بھی نہیں۔ اس لئے مجھے اپنی ذمہ داری نبھانی تھی۔ ماسوائے پانی کے چند گھونٹ کے میں بہت دن بھوکا پیاسا رہا۔ جوں جوں میں کمزور ہوتا گیا وہ میری گرفت سے پھسلتی رہی۔ اس طرح اس کی روح لطیف ہوتی گئی۔ وہ پہلے جیسی وزنی نہیں رہی۔ پانچ دنوں بعد جب میں اونگھ رہا تھا تو اس نے پہلا قدم اٹھایا۔ لیکن وہ اکیلے جانے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ واپس آگئی۔ اس طرح کے مختصر سفر اس نے بار ہا کئے۔ ہر دفعہ تھوڑا زیادہ ہمت کرتی۔۔ میرے لئے اس کی روانگی کا دکھ کسی گہری جلن جیسا تھا۔ مجھے اپنی ساری ہمتیں یکجا کرنا پڑیں۔ مجھے والد کی نصیحت یاد آئی، کہ کبھی بھی اس کا نام نہ پکارنا ورنہ وہ ہمیشہ کے لئے واپس آجائے گی۔۔ بارہ دنوں بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ درختوں کی چوٹیوں کے اوپر ٹوکن (امریکی پرندہ) کی طرح اڑ رہی تھی۔ میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا۔۔ میں نے رونا چاہا، وہ جا چکی تھی۔ میں نے اپنے ہتھیار اٹھائے اور کئی گھنٹے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ دریا کی ایک شاخ تک پہنچ گیا۔ پانی میں اترا اور کمر تک پانی میں ڈوبا کھڑا رہا۔ تیز دھار چھری سے مچھلی کا شکار کیا اور اسے پورا چھلکوں/سکیل اور دم سمیت نگل گیا۔ مجھے فوراً "خون والی قے ہوئی، ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ میری اداسی اب ختم ہو چکی تھی۔ میں جان چکا تھا کہ بسا اوقات موت محبت سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ تب میں شکار کرنے چل پڑا کیونکہ میں خالی ہاتھ گاؤں نہیں جانا چاہتا تھا۔

O

تعارف: میگوئل ڈی سروینٹس

میگوئل ڈی سروینٹس ہسپانوی زبان کا عظیم مصنف سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے بہترین ناول نگاروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ وہ 19 ستمبر 1547 میں الکالا ڈی ہنارس/ Alcala De Henares، سپین میں پیدا ہوا۔ ناول، ڈرامے، شاعری تقریباً" ادب کی ہر صنف پر طبع آزمائی کی لیکن اس کی شاعری بے رنگ رہی۔ مزاحیہ خاکے کامیاب رہے، لیکن زمانے کی دست برد سے صرف Numanica ہی بچ سکا اس لحاظ سے نثر نگاری ہی مصنف کا محفوظ تعارف ہے۔ وہ بہترین کہانی کار تھا۔ اس کا ناول شیخ چلی ہسپانوی ادب میں سب سے اہم اور شاہکار ناول قرار دیا جاتا ہے۔ جس کا مکمل یا کچھ حصے کا ترجمہ دنیا کی ساٹھ سے زیادہ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ ''احمقانہ تجسس کی کہانی" اسی ناول کا حصہ ہے ناول کے حصہ اول کے باب نمبر بتیس سے لے کر باب نمبر پینتیس پر مشتمل ہے۔ اس کہانی کو ناول کا گوہر مقصود قرار دیا گیا ہے۔ یہ ناول جدید ہسپانوی ناول نگاری کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ اس کہانی کو اینجل فلورانس نے اپنے مجموعے Great Spanish Short stories کے لئے منتخب کیا۔ اسے ہسپانوی زبان سے انگریزی میں روبنسن سمتھ نے منتقل کیا۔ مصنف 22 اپریل 1616 میں میڈرڈ سپین میں فوت ہوا۔

احمقانہ تجسس کی کہانی

(The tale of a foolish Curiosity)

اٹلی کے صوبے ٹسکنی میں واقع مشہور اور خوشحال شہر فلورانس میں دو مہذب امیر زادے اینسیلمو اور لوتھاریو رہتے تھے۔ان کی دوستی اتنی گہری تھی کہ سب جاننے والے انہیں امتیازی حیثیت دیتے ہوئے "دو دوست" کہتے تھے۔وہ جوان ہم عمر،کنوارے اور ایک جیسے ذوق کے حامل تھے۔ان کی دوستی کے لئے یہی وجوہات کافی تھیں۔اینسیلمو حقیقت میں لوتھاریو کی نسبت عاشق مزاج تھا۔جب کہ لوتھاریو خواتین کا پیچھا کرنے سے زیادہ خوش ہوتا تھا۔لیکن بعض مواقع پر اینسیلمو اپنے مشاغل چھوڑ کر لوتھاریو کے مشاغل میں شامل ہو جاتا اور بعض اوقات لوتھاریو اینسیلمو کے لئے اپنے مشاغل سے دست بردار ہو جاتا۔اس طرح ان کی دوستی بہتر انداز سے چلتی رہی۔

اینسیلمو اسی شہر کی اشرافیہ کی ایک خوبصورت دوشیزہ کے عشق میں گرفتار تھا۔وہ خود اور اس کے والدین بھی باعزت شرفاء میں شامل تھے۔اس نے اپنے دوست لوتھاریو کی رضامندی سے اس کا ہاتھ مانگنے کا ارادہ کر لیا۔لوتھاریو کے مشورے کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کرتا تھا۔اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نے لوتھاریو کے ذریعے پیغام بھجوایا۔لوتھاریو نے اپنے سپرد کیے گئے مشن کو اتنی خوش اسلوبی سے نبھایا کہ بہت جلد اس کی شادی کی خواہش پایہ تکمیل کو پہنچ

گئی۔ کیمیلا، اینسیلمو کو بطور خاوند پا کر لوتھاریو اور قدرت دونوں کی مشکور تھی، جن کی وجہ سے اسے یہ زندگی ملی۔ شروع شروع میں لوتھاریو معمول کے مطابق اپنے دوست کے عزت واحترام کے لیے اور اسے خوش رکھنے کے لئے اس کے گھر جاتا رہا۔ لیکن جب شادی کے ہنگامے رکے مبارک بادی کے لئے آنے والے مہمان کم ہونا شروع ہوئے تو لوتھاریو نے جان بوجھ کر اپنے دوست کے گھر جانا کم کر دیا۔ ہر باشعور شخص کی طرح اس کا خیال تھا کہ شادی شدہ دوست کے گھر اس تواتر سے نہیں جانا چاہیے جیسا کہ کنوارپنے کے دوران۔ اگرچہ سچی اور بے لوث دوستی ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتی ہے تاہم شادی شدہ مرد کی عزت وغیرت بہت نازک معاملہ ہوتا ہے۔ بھائی سے بھی اس پر حرف آ سکتا ہے۔ اینسیلمو نے لوتھاریو کا رویہ محسوس کرتے ہوئے اس سے گلہ کیا کہ اگر اسے معلوم ہوتا کہ شادی کرنے سے وہ اس کی صحبت سے محروم ہو جائے گا تو وہ ہرگز شادی نہ کرتا۔ اور یہ بھی کہ ان کی دوستی کی ہم آہنگی کی بنیاد پر انہیں جو خوب صورت لقب ''دو دوست'' ملا تھا اسے وہ بلا جواز غیر ضروری احتیاط سے گنوانا نہیں چاہتا۔ اس لیے اس کی استدعا ہے کہ اس لقب کے لئے وہ دوبارہ سے اس کے گھر آنے کی پہلے والی عادت قائم رکھے۔ اس کی بیوی کیمیلا کی خوشی بھی اس کے خاوند کی خوشی میں ہے۔ اور اسے بھی ہمارے درمیان محبت بھری دوستی کے بارے میں جان کر تمہارے موجودہ سرد رویے پر دکھ ہوا ہے۔

یہ سب کچھ اور مزید جو کچھ اینسیلمو نے اپنے دوست کو اپنے گھر پہلے کی طرح آنے کے لئے قائل کرنے کے لئے کہا اس کے جواب میں لوتھاریو نے ایسی دانشمندی سے جواب دیا کہ اینسیلمو مطمئن ہو گیا۔ اور یہ طے پایا کہ لوتھاریو ہفتے میں دو مرتبہ اور ہر تہوار پر ان کے ساتھ کھانا کھائے گا۔ اگرچہ یہ طے تو پا گیا لیکن لوتھاریو کا اس کی پابندی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کے لئے اپنے دوست کی نیک نامی اس کی اپنی نیک نامی سے زیادہ اہم تھی۔ اس نے بلکل درست بات کہی کہ ایک شخص جسے قدرت نے خوبصورت بیوی عطا کی ہو اسے اپنے دوستوں کو اتنی ہی توجہ دینی چاہیے جتنی وہ اپنی بیوی کی گھر آئی ہوئی دوستوں کو دیتا ہے۔ لوتھاریو نے یہ بھی کہا کہ ہر شادی شدہ مرد کا ایک ایسا دوست ہونا چاہیے جو اس کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرتا رہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ بیوی کے ساتھ محبت کے زیر اثر وہ بیوی کو بر وقت انتباہ نہیں کر پاتا۔ یہ بے احتیاطی اس کی عزت واحترام پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس قسم کی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے اگر دوست بر وقت خبردار کرتا رہے۔

حقیقتاً لوتھاریو ہی ایسا دوست تھا جس نے انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے اپنے دوست

کی عزت برقرار رکھنے کے لئے اس کے گھر آنا طے شدہ پروگرام سے بھی کم کر دیا، کہ کہیں اس جیسے اعلیٰ نصب جوان امیر زادے کی کیمیلا جیسی خوب صورت خاتون کے گھر بکثرت آنا جانا شہر کے نکمے متجسس، حاسد، بدنیت اور کینہ پرور لوگوں کی نظروں میں مشکوک نہ بنا دے۔ اگرچہ اس کی اچھائی اور حیثیت گندی زبانوں کو لگام ڈال سکتی تھی لیکن وہ اپنی اور اپنے دوست کی عزت وغیرت کے لئے کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ طے شدہ دنوں پر اپنے آپ کو ایسے کاموں میں الجھا لیتا جنہیں وہ ناگزیر کر کے پیش کرتا۔ اس طرح دونوں کے درمیان زیادہ تر وقت شکایات اور معذرت میں گزر جاتا۔

ایک دن جب دونوں شہر کے باہر سبزہ زار میں ٹہل رہے تھے، اینسیلمو یوں لوتھاریو سے مخاطب ہوا، ''میرے دوست لوتھاریو، تم سوچو گے، میں کتنا ناشکرا ہوں کہ میں قدرت کے ان انعامات کا جو اس نے مجھے میرے جیسے والدین کی اولاد بنا کر، تمہارے جیسا ہمدرد دوست اور کیمیلا جیسی بیوی عطا کر کے کئے ان کا شکر ادا نہیں کرتا کیوں کہ ان تمام نعمتوں کے باوجود جو عام انسان کو خوش رکھنے کے لئے ضروری ہیں، میں اپنے آپ کو دنیا کا مایوس ترین اور غیر مطمئن شخص سمجھتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ کب سے ایک عجیب اور غیر معمولی خواہش نے مجھے پریشان اور مضطرب کر رکھا ہے۔ کبھی میں اپنے آپ کو ملزم ٹھہراتا ہوں، اپنے آپ کو ملامت کرتا ہوں۔ جب تنہا ہوتا ہوں تو اپنی سوچوں میں اس بھیانک خواہش کا گلا گھوٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن میں اس میں کامیاب نہیں ہو رہا۔ ساری دنیا پر آشکار کرنے سے بہتر ہے کہ میں اسے تمہارے سینے کے نہاں خانوں کے سپرد کر دوں۔ میں پر امید ہوں کہ تمہارے جیسا مخلص دوست مجھے اس سے نجات دلائے گا۔ اور میں جس ازیت میں مبتلا ہوں اس سے مجھے رہائی ملے گی۔ تمہاری ہمدردی مجھے وہ خوشی دے گی جو میری بے وقوفی نے مجھ سے چھین لی ہے۔''

اینسیلمو کے الفاظ سن کر لوتھاریو ششدر رہ گیا۔ اس لمبی تمہید اور پیش بندی کے مقصد سے ناواقف اس خواہش کو جس نے اس کے دوست کو پریشان کر رکھا تھا سوچنے کی کوشش کی۔ پھر اس پریشان کن تجسس سے نکلنے کے لئے اس نے اینسیلمو کو بتایا کہ وہ اتنے رازدارانہ طریقے سے اپنی پریشانی میں اسے شریک کرنے کو اپنی عظیم دوستی کے ساتھ صریح ناانصافی سمجھتا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ وہ ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے اس کی نصیحت پر انحصار کرے گا یا اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کی مدد لے گا۔'' ''بلکل درست'' اینسیلمو نے جواب دیا۔ ''اپنی دوستی پر بھروسہ

کرتے ہوئے میں تمھیں اپنی اس خواہش کے بارے میں جس نے مجھے پریشان کر رکھا ہے بتاؤں گا۔ میں جاننا چاہتا ہوں، کیا میری بیوی کیمیلا اتنی ہی اچھی اور مکمل ہے جتنا میں اسے سمجھتا ہوں؟ اس سلسلے میں اس کا امتحان لئے بغیر مطمئن نہیں ہوں گا۔ میں چاہتا ہوں، جس طرح آگ سونے کی کسوٹی ہے اسی طرح کیمیلا کی پاکیزگی آزمائش کی کسوٹی پر پوری اترے۔ میں سمجھتا ہوں میرے دوست، عورت اتنی دیر تک پاکیزہ ہے جب تک اسے ورغلایا نہیں گیا۔ اور وہی عورت مضبوط ہے، جو ایک مخلص عاشق کے وعدوں، تحائف، آنسوؤں اور بار بار کے تقاضوں کے آگے ہارتی نہیں۔ ایک عورت کی پاکیزگی کیا معنی رکھتی ہے جب تک اسے برائی کی طرف راغب ہی نہیں کیا گیا ہو۔ اس کے باحیا اور محتاط ہونے پر فخر کیسا جب اسے گمراہ ہونے کا موقع ہی نہ ملا ہو، اور اسے معلوم ہو کہ اس کا خاوند اس کی پہلی ہی نامعقولیت پر اس کی جان لے لے گا۔ اس لئے میرے نزدیک وہ عورت جو ڈر یا مواقع کی عدم دستیابی کے باعث نیک ہو اس عورت جیسی قابل عزت نہیں ہو سکتی، جو ان تمام آزمائشوں اور ترغیبات سے باعزت گزر جائے۔"

"ان وجوہات اور ان جیسی مزید وجوہات کے تحت میں چاہتا ہوں کہ تم میری رائے کو درست سمجھتے ہوئے اسے تقویت دو۔ میں اپنی بیوی کیمیلا کو اس آزمائش اور ترغیبات کی بھٹی سے بہ خیریت کامیاب ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے بیتاب ہوں۔ اور اگر وہ جیسا کہ میرا یقین ہے کامیاب رہے گی تو میں سمجھوں گا کہ میرے جیسا خوش نصیب اور کوئی نہیں۔ میں یہ کہ سکوں گا کہ اب میری خواہشات کا پیمانہ لبریز ہے۔ اور جس عورت کے بارے میں دانا بزرگوں کا کہنا ہے کہ ایسی پاکباز عورت کس مرد کو ملے گی تو ایسی عورت میری قسمت میں تھی۔ اور اگر اس کے برعکس ہوا تو میری رائے کی درستگی کی خوشی مجھے وہ درد جو اتنے مہنگے تجربے سے ہوگا بغیر شکایت کئے برداشت کرنے میں مددگار ہوگی۔ مزید یہ کہ میری خواہش کی مخالفت میں جو دلیل دو گے اس سے میں باز رہنے والا نہیں۔ لوتھاریو تمہیں میرے مقصد کے حصول میں میری مدد کرنی چاہیے۔ میں اس سلسلے میں تمھیں مواقع فراہم کروں گا۔ ایک باحیا نیک عورت کو ورغلانے کے لئے جو بھی ضروری ہوا اس میں کوتاہی نہیں ہوگی۔ اتنے نازک معاملے میں تم پر اعتبار کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر تم نے کیمیلا کو جیت لیا تو یہ معاملہ وہیں ختم ہو جائے گا، اور مجھے کوئی ظاہری نقصان نہیں پہنچے گا۔ میرا نقصان میری خاموشی میں چھپ جائے گا۔ جو میری موت تک میرے ساتھ رہے گا۔ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ میں زندگی کا صحیح لطف اٹھاؤں تو تم فوراً اس میں بغیر سستی، کاہلی اور سردردی کے شامل ہو جاؤ۔ بلکہ میری خواہش

کی تکمیل کے لئے جو چستی اور گرمجوشی چاہیے اور جس وفاداری کی ہماری دوستی متقاضی ہے اس کا مظاہرہ کرو۔"

اینسیلمو نے جو کچھ کہا لوتھاریو نے اسے پورے انہماک سے سنا اور جب تک اینسیلمو خاموش نہیں ہوا اس نے بولنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ جب اس نے دیکھا کہ اب وہ مزید کچھ نہیں کہے گا تو لوتھاریو نے اسے ایسے دیکھا جیسے پہلی دفعہ کوئی ایسی چیز دیکھ رہا ہو جس نے اسے حیران و پریشان کر دیا ہو، آخر کار اس نے کہنا شروع کیا "میرے دوست جو کچھ تم نے کہا میں اسے مذاق سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ اگر میں سمجھتا کہ تم سنجیدگی سے بات کر رہے ہو تو میں تمہیں اتنی دیر بولنے ہی نہیں دیتا، تمہارا یہ ولولہ انگیز خطبہ پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ سچ مچ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یا تو تم مجھے نہیں جانتے یا پھر میں تمہیں نہیں جانتا۔ لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں تم اینسیلمو ہو اور تم جانتے ہو کہ میں لوتھاریو ہوں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ تم وہ اینسیلمو نہیں ہو جسے میں جانتا تھا۔ اور تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں وہ لوتھاریو نہیں ہوں جو مجھے ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ ابھی جو کچھ تم نے کہا وہ میرا دوست اینسیلمو نہیں کہہ سکتا۔ اور جو کچھ تم نے لوتھاریو سے کرنے کو کہا وہ تم جانتے ہو لوتھاریو ہرگز نہیں کر سکتا۔ اچھے دوست اپنے دوستوں کو بقول شاعر، "آخر وقت تک دوست ہی رہے" ثابت کرتے ہیں، مطلب یہ کہ وہ دوست ایسا کچھ کرنے کا مطالبہ نہیں کرتے جو خدا کی نافرمانی یا گستاخی پر مبنی ہو۔ اگر ایک لادین انسان کی دوستی کے بارے میں یہ رائے ہے تو ایک عیسائی کی اس سے کئی گنا زیادہ اچھی رائے ہونی چاہیے۔ اگر کوئی دوست دوسرے دوست کے لئے خدا کے متعین کئے گئے فرائض سے کوتاہی کرتا ہے تو یہ کوتاہی کسی معمولی مقصد کے لئے نہیں ہونی چاہیے، ہاں دوست کی زندگی اور حمیت کی بات الگ ہے۔ اس لئے اینسیلمو! مجھے بتاؤ ان دونوں میں سے کونسی بات خطرے میں ہے کہ میں تمہیں شکر گزاری کا موقع دینے کے لئے اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤں، اور وہ قابل نفرت کام کروں جس کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو۔ جہاں تک مجھے سمجھ آ رہی ہے تمہارا مطالبہ بہ یک وقت تمہیں اور مجھے دونوں کو ہی عزت اور زندگی سے محروم کر دے گا۔ تمہاری عزت پر حرف آنے کا مطلب میری زندگی کا اختتام ہے کہ عزت سے محروم شخص اور مردہ ایک برابر ہیں۔ جو نقصان تم میرے زریعے اپنے آپ کو پہنچانا چاہتے ہو اس کے بعد میں بھی بے عزت ہو کر مردہ ہو جاؤں گا۔ میری بات سنو اینسیلمو میرے دوست۔ اور جواب دینے کے لئے بے صبری نہ دکھاؤ۔ مجھے میری بات مکمل کرنے دو کہ جواب دینے اور تمہارا جواب سننے کے لیے کافی وقت ہے"

"ٹھیک ہے جو کہنا چاہتے ہو کہو"۔ اینسیلمو نے جواباً کہا۔ لوتھاریو نے پھر کہنا شروع کیا۔ "اس وقت تمہارا مزاج شمالی افریقہ کے مسلمانوں جیسا ہو رہا ہے، جنہیں تم ان کے طرز زندگی کے غلط ہونے پر کبھی قائل نہیں کر سکتے۔ نہ مقدس صحیفوں کے حوالہ جات سے نہ عقلی دلائل سے نہ ایمانی تقاریر سے۔ تم انہیں واضح، آسان، قابل فہم، شکوک سے بالا، ناقابل تردید ثبوت کے ساتھ مثالیں دے سکتے ہو۔ لیکن وہ کبھی بھی ہمارے مقدس مذہب کے بارے میں قائل نہیں ہوں گے۔ یہی حال اس وقت تمہارا ہے۔ جو مضحکہ خیز خواہش تمہارے اندر پنپ رہی ہے۔ اس کا عقلی مظاہر سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ تمہیں اس بے وقوفی سے باز رکھنے کی کوشش وقت ضائع کرنا ہے۔ تمہارے اس جنون میں سزا کے طور پر میں تمہیں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ لیکن تمہارے ساتھ میری دوستی مجھے اجازت نہیں دیتی کہ تمہیں اتنی سخت سزا دوں، نہ میں تمہیں اس نازک وقت میں چھوڑ سکتا ہوں۔ اینسیلمو! تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ تم مجھے ایک شریف خاتون کو شکار کرنے اور ایک نیک سرشت محتاط خاتون کو محبت کے جھوٹے جال میں پھنسانے کا کہہ رہے ہو۔ اگر تم جانتے ہو کہ تمہاری بیوی شریف النفس، پاکباز، فرض شناس اور محتاط ہے تو پھر تمہیں کیا چاہیے؟ اگر تمہیں یقین ہے کہ میرے تمام ہتھکنڈوں کے باوجود وہ سرخرو رہے گی اور بے شک وہ رہے گی تو تم اسے مزید ایسا کیا دے سکتے ہو جو تم نے ابھی اسے دے رکھا ہے یا جو حیثیت اس کی اب ہے اس سے اور بہتر کیسے ہو سکتی ہے۔ یا تو تم اسے جیسا کہتے ہو ویسا نہیں سمجھتے یا پھر تمہیں خود بھی پتہ نہیں کہ تم کیا چاہتے ہو۔ اگر تم اسے ویسا نہیں سمجھتے جیسا کہتے ہو تو پھر اسے آزمانے کی بجائے خطا کار گردانتے ہوئے اس کے ساتھ وہی سلوک کرو جو تم بہتر سمجھو۔ لیکن اگر تم اسے اتنا ہی نیک سمجھتے ہو جتنا کہتے ہو تو پھر سچائی کا امتحان لینا خارج از بحث ہے۔ کیونکہ امتحان کے بعد بھی صورتحال جوں کی توں رہے گی۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ ایسا کام کرنا جس میں فائدہ کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہو خبطی اور جلد باز دماغ کا کام ہے۔ خصوصاً جبکہ ایسا کرنا ہماری مجبوری بھی نہ ہو اور پہلے سے معلوم ہو کہ ایسا کرنا پاگل پن ہے۔"

"مشکلات خدا کی راہ میں یا دنیا کے لئے یا پھر دونوں کے لئے اٹھائی جاتی ہیں۔ خدا کی راہ میں مشکلات اٹھانے والے ولی ہوتے ہیں جو انسانی روپ میں فرشتوں کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ دنیا کے لئے تکالیف برداشت کرنے والے وسیع پانیوں، دور دراز زمینوں، عجیب و غریب ملکوں میں خوش قسمتی کی تلاش میں گھومتے ہیں۔ اور وہ جو دنیا اور خدا دونوں کے متلاشی ہوتے ہیں وہ بہادر سپاہی ہوتے ہیں جو جب دشمن کی دیوار میں توپ کے گولے جتنا بھی سوراخ دیکھتے ہیں تو

تمام خوف بالای طاق رکھ کر، سوچے سمجھے بغیر اپنے ملک، اپنے ایمان اور اپنے بادشاہ کے لئے اپنے آپ کو ہزاروں اموات میں دھکیل دیتے ہیں۔ مرد ایسی کاوش کرتے ہیں جن میں عزت اور عظمت ہے چاہے یہ کاوشیں کتنی ہی مشکل اور پر خطر ہوں۔ لیکن جو تمہاری خواہش ہے اس سے تمہیں نہ خدا کے سامنے عظمت اور نہ دنیاوی خوش قسمتی اور شہرت ملے گی۔ تم جتنے آج خوش، امیر اور باعزت ہو، اس آزمائش مین کامیاب ہو کر بھی تم ایسے ہی رہو گے۔ لیکن اگر نتیجہ اس کے برعکس ہوا۔ تو تم ایسی بدبختی کا شکار ہو جاؤ گے جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس وقت یہ سوچنے کا تمھیں کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ تھاری اس بدقسمتی کا کسی کو علم نہیں تمھاری اپنی سوچ ہی تمھاری اذیت بنے گی اور تمھیں مار ڈالے گی، اپنے اس بیان کی سچائی کے لئے میں مشہور شاعر لیوگی ٹینسلو/Luigi Tansillo کے اشعار کا سہارا لوں گا۔ جو اس نے "سینٹ پیٹر کے آنسو" کے پہلے حصے میں کہے"

"پیٹر کے دل میں شرم اور اذیت"
سحر کی سبک خرامی کے ساتھ بڑھتی گئی
کوئی چشم بینا نہیں تھی دیکھنے کے لئے
اپنے ضمیر پر گناہ کے بوجھ پر شرم کے سوا
گناہ سے اٹھنے والے درد کی ٹیسیں
صرف نفیس روح ہی محسوس کرتی ہے
چاہے زمین و آسمان ہی دوشی ہوں"

تم اسے صیغہ راز میں رکھ کر بھی اذیت سے نجات نہیں پاؤ گے بلکہ تم بے چینی سے آنسو بہاتے رہو گے۔ ضروری نہیں یہ آنسو آنکھوں سے بہیں تمھارا دل خون کے آنسو روتا رہے گا۔ اس ڈاکٹر کی طرح جس کے بارے مین شاعر گیت گاتا ہے،۔ جس نے اس جام کی آزمائش کی جس سے رینالڈو نے پینے سے گریز کیا۔ اگر چہ یہ شاعرانہ خیال ہو سکتا ہے لیکن اس میں اخلاقی سبق ہے جو پڑھنے نقل کرنے اور مقصد بنانے کے قابل ہے۔ مزید برآں جو کچھ میں تمھیں اب کہنے جا رہا ہوں اس سے تمہیں اپنی غلطی کا جو تم کرنے جا رہے ہو احساس ہو جائے گا۔

اگر قدرت اور خوش قسمتی نے تمہیں بہترین کوالٹی کا ہیرا عطا کر دیا ہے جس کی عمدگی اور خالص ہونے پر تمام جوہری مطمئن اور یک زبان ہو کر اس کی نفاست اور معیار کی تصدیق کر چکے ہیں۔ تمھارا اپنا بھی یہی یقین ہے۔ کیا اب اس ہیرے کو ہتھوڑے کی ضربیں لگا کر آزمانے کی

خواہش رکھتے ہو۔؟ اگر ہیرہ اس بے وقوف آزمائش سے گزر گیا تو اس کی قدر و قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔لیکن اگر وہ ٹوٹ گیا ایسا ہو بھی سکتا ہے تو کیا سب کچھ تباہ نہیں ہو جائے گا؟ اس کا مالک سب کی نظر میں بے وقوف ٹھہرے گا۔ انیسیلمو! میرے دوست غور کرو کیمیلا تمھاری نظر میں اور دوسروں کی نظر میں ایک عمدہ معیار کا ہیرہ ہے۔اور اسے توڑنے کی کوشش عقل کے خلاف ہے۔اگر وہ ثابت قدم نکلی تو بھی اس کی اہمیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔تاہم اگر وہ ہار گئی اور مزاحمت نہ کر سکی تو سوچو تم اس سے محروم ہو جاؤ گے اور تم کیسے اس کی اور اپنی بربادی کا گلہ کر سکو گے؟

یاد رکھو دنیا میں باعصمت اور پاکباز عورت سے بڑھ کر قیمتی کوئی زیور نہیں۔ان کی عزت ان کے بارے میں قائم کردہ اچھی رائے میں ہے۔تمھاری بیوی تو اچھائی کی انتہا پر ہے۔تم اس اچھائی پر سوال کیوں اٹھانا چاہتے ہو۔سنو! میرے دوست، عورت وہ نامکمل جاندار ہے جس کے راستے میں ایسی رکاوٹیں کھڑی نہ کی جائیں، جن سے الجھ کر وہ گر پڑے۔بلکہ ان رکاوٹوں کو دور کرنا اور اس کے رستے کو صاف رکھنا فرض بنتا ہے تاکہ وہ بغیر الجھے پاکیزگی کی منزل تک باآسانی پہنچ سکے۔ماہر طبیعات ہمیں بتاتے ہیں کہ آرمین/ Ermine، ایک ایسا گلہری نما سموری جانور ہے جس پر بے تحاشا سفید فر ہوتی ہے اور جب شکاری اسے پکڑنا چاہتے ہیں تو اس کے تمام راستوں میں کیچڑ پھیلا دیتے ہیں۔پھر اس کا تعاقب کر کے اسے گھیر کے کیچڑ تک لاتے ہیں۔جونہی ارمن کیچڑ تک پہنچتا ہے تو رک جاتا ہے۔کیچڑ میں گھس کر اپنی سفید فر خراب کرنے کی بجائے وہ اپنا آپ شکاری کے حوالے کر دیتا ہے۔اس کے لئے اس کی سفید فر اپنی زندگی اور آزادی سے زیادہ اہم ہے۔پاکباز، باعصمت عورت بھی ارمن کی طرح ہے۔برف سے زیادہ سفید اور خالص اس کی حیا ہوتی ہے۔لیکن جو یہ چاہتا ہے کہ وہ اس سے محروم نہ ہو بلکہ قائم و دائم رہے تو وہ اس سے مختلف رویہ رکھے گا جو ارمن سے شکاری رکھتے ہیں۔تحائف اور پیچھے پڑ جانے والے عاشقوں سے متعارف نہیں کرائے گا۔کہ شاید اس میں اتنی فطری خوبی نہ ہو جو اسے ان تمام پرکشش رکاوٹوں کو روند کر گزرنے کی طاقت دے۔

اچھی عورت صاف ستھرے چمکدار آئینے کی مانند ہے جو اپنے اوپر پڑنے والے ہر سانس کے ساتھ داغدار اور مدھم پڑ سکتا ہے۔اسے قدیم نوادر سمجھا جائے، بغیر چھوئے اس کی تعریف اور اس کی حفاظت کی جائے۔ایسی گلابوں اور پھولوں سے بھرے باغ جیسی حفاظت کی جائے کہ اس کا مالک کسی کو بھی باغ میں گھسنے اور پھول توڑنے کی اجازت نہیں دیتا۔دور فاصلے سے آہنی گیٹ کے باہر کھڑے ہو کر اس کی خوبصورتی اور خوشبو سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔آخر میں کچھ اشعار

سے اپنا مدعا بیان کروں گا۔ جو میں نے ایک مزاحیہ ڈرامے میں سنے ۔جس نکتے پر ہم بات کر رہے ہیں اس کے مطابق ہیں ۔ایک بزرگ جوان لڑکی کے باپ کو نصیحت کر رہا تھا کہ اس کی نگرانی کرے اسے علیحدہ رکھے۔

"عورت آبگینہ ہے
اس کی آزمائش کرنے والا احمق ہے
وہ آسانی سے چکنا چور ہو جاتی ہے
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
کہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو"

اب تک جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، اینسیلمو! وہ تم سے متعلق ہے ۔اب میں اپنے حوالے سے بات کروں گا، اگر میں طوالت کا شکار ہو رہا ہوں تو مجھے معاف کرنا، کہ جن بھول بھلیوں میں تم داخل ہو گئے ہو، مجھے تمہیں اس میں سے نکالنا ہے اس لئے یہ طوالت مجبوری ہے ۔تم مجھ اپنا دوست مانتے ہو، تم مجھے اس عزت افزائی سے محروم کر دو گے ۔نہ صرف تم ایسا کر رہے ہو بلکہ مجھے بھی مجبور کر رہے ہو میں بھی تمھیں دوستی کے احترام سے محروم کر دوں ۔تم مجھے میرے باعزت مقام سے گرا دو گے ۔یہ واضح ہے کہ جوں ہی میں کیمیلا کو پھسلانے کی کوشش کروں گا وہ مجھے بے غیرت اور غلط انسان سمجھے گی ۔کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں گا وہ میری تمھارے ساتھ دوستی کے فرائض سے بلکل متضاد ہو گا۔کیمیلا جب دیکھے گی کہ میں اس کا پیچھا کرتا ہوں تو وہ ضرور سوچے گی کہ میں نے اس میں کوئی کردار کی کمزوری دیکھی ہے، جس نے مجھے یہ جرات دی ہے ۔اگر اس نے اسے اپنی بے عزتی سمجھا تو اس کا اثر تم پر بھی پڑے گا۔ دیکھنے والے بیوی کی بدنامی کو ہمدردی کی بجائے حقارت سے دیکھتے ہیں، اگر چہ وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی غلطیوں سے بدقسمتی کا شکار نہیں ہوا بلکہ کسی دوسرے مجرم کی لالچ اور گناہ اس کی وجہ ہے۔

لیکن میں تمھیں بتاؤں گا کہ بری عورت کا خاوند بیوی کی حرکات سے لاعلمی کے باوجود کیوں بے عزت ہو جاتا ہے ۔اس کا اپنا کوئی قصور بھی نہیں ہوتا ۔نہ ہی بیوی کی بد کرداری اس کی وجہ سے ہوتی ہے ۔میری طویل گفتگو پر بے صبر ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب تمھارے فائدے کے لئے ہے ۔مقدس صحیفے میں لکھا ہے کہ خدا نے جب ہمارے اولین والدین کو تخلیق کیا تو خدا نے

آدم کو سلا دیا۔ جب وہ سویا ہوا تھا تو اس کی بائیں طرف سے ایک پسلی نکال لی۔ اس سے ہماری ماں حوا کو بنایا۔ جب آدم جاگا اور حوا کو دیکھا تو کہا یہ میرا ماس اور ہڈی ہے۔ اسی وجہ سے ہر مرد اپنے والدین کو عورت کے لئے چھوڑ دے گا، اس طرح شادی کا مقدس ادارہ ایسے بندھن پر قائم ہوا جسے صرف موت ہی توڑ سکتی ہے۔ اس مقدس بندھن میں اتنی طاقت ہے کہ دو مختلف اشخاص کو یک جان کر دیتی ہے۔ بظاہر وہ دو روحیں ہوتی ہیں لیکن ان کی ایک ہی مرضی ہوتی ہے نتیجہ یہ نکلا کہ عورت اور مرد ایک جان ہیں تو جو داغ عورت پر لگتا ہے اور اس سے جو نقصان پہنچتا ہے اس سے مرد بھی اتنا ہی اثر انداز ہوتا ہے چاہے اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ جیسے پاؤں یا جسم کے کسی بھی حصے کے درد میں دماغ کا کوئی قصور نہیں ہوتا لیکن درد دماغ بھی محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی یک جان ہونے کے باعث ایک دوسرے کی بدنامی میں شامل ہو جاتے ہیں۔ او! اینسیلمو تم اپنی پاکیزہ ازدواجی زندگی کا سکون برباد کرنے پر تلے ہو۔ سوچو تو تم کیسا بے کار، بے لگام تجسس اپنی بیوی کے دل میں پیدا کر دو گے۔ سوچو تو تم کیا کیا داؤ پر لگا رہے ہو۔۔ میں اسے تم پر چھوڑتا ہوں کہ تم اس بے کار خواہش کو کیسے پورا کرتے ہو۔ میں اس میں آلہ کار بننے سے انکار کرتا ہوں، چاہے مجھے تمھاری دوستی سے محروم ہونے کا نقصان ہی برداشت کرنا پڑے۔" یہ سب کہ کر نیک اور عقلمند لوتھاریو خاموش ہو گیا۔

مضطرب دماغ اور گہری سوچ میں غرق اینسیلمو بہت دیر تک کچھ نہ بول سکا۔ آخرکار اس نے کہنا شروع کیا۔"لوتھاریو، میرے دوست! میں نے پوری توجہ سے تمھیں سنا۔ جو کچھ تم نے مجھے بتایا تمھارے دلائل، مثالوں اور تقابلوں میں تمھاری نیک نیتی اور دوستی کا خلوص شامل ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر تمھارے مشورے نہ ہوں تو میں نیکی ہوا میں اڑا دوں اور برائی کے پیچھے بھاگوں۔ تمھیں سمجھنا چاہیے کہ میں اس وقت کردار کی اس کمزوری میں مبتلا ہوں جس میں عام طور پر خواتین ہوتی ہیں جب انہیں مٹی چاک، کوئلہ اور اس سے بھی بدتر چیزیں کھانے کی اشتہا ہوتی ہے۔ جنہیں کھانا تو دور کی بات دیکھنے سے بھی کراہت آتی ہے۔ اس لئے میرے علاج کے لئے ہمیں کوئی مضبوط حکمت عملی مرتب کرنی پڑے گی۔ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ کیمیلا کو ورغلانے کی محض ابتداء کی جائے، اور زیادہ گرمجوشی نہ دکھائی جائے۔ مزید یہ کہ کیمیلا اتنی بھی کمزور نہیں کہ وہ پہلے ہی حملے میں ہار مان جائے۔ اس طرح میں مطمئن ہو جاؤں گا، کہ تم نے دوستی نبھائی۔ تم یہ سب اس وجہ سے بھی ضرور کرو گے کہ میرا ارادہ مصمم ہے۔ تم نہیں چاہو گے کہ میری یہ کمزوری دوسروں پر عیاں ہو اور میری

عزت جسے تم بچانے کی کوشش کر رہے ہو وہ خطرے میں پڑ جائے۔ جہاں تک تمہارا کیمیلا کی نظروں میں گرنے کا تعلق ہے وہ اتنا اہم نہیں، کہ جونہی ہمیں اس کے کردار کی پختگی کا یقین ہو جائے گا تو ہم اسے سچائی بتا کر اپنا مقام بحال کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اس مہم جوئی سے تم مجھے کتنی بڑی خوشی دو گے انکار مت کرو۔ اگر تمہیں کوئی مشکل درپیش ہوئی تو جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں بس ابتدا کر دو میں اس معاملے کو جلد ختم کر دوں گا"۔

جب لوتھاریو کو یقین ہو گیا کہ اینسیلمو اپنے ارادے سے پیچھے ہٹنے والا نہیں اور اسے باز رکھنے کے لئے اسے مزید دلائل سمجھ نہ آئے اور اس نے اس انتہائی مضر ارادے پر کسی اور سے مشورہ کرنے کی دھمکی بھی دے دی ہے۔ تو لوتھاریو نے سوچا، زیادہ بڑے نقصان سے بچنے کے لئے اسے اینسیلمو کی بات مان لینی چاہیے، اور اس سارے معاملے کو ایسے حل کیا جائے کہ اینسیلمو بھی مطمئن ہو جائے اور کیمیلا کا دماغ بھی برے اثرات سے محفوظ رہے۔ چنانچہ اس نے اینسیلمو کو کسی اور سے بات کرنے سے منع کر دیا، کہ وہ خود ہی یہ کام کر لے گا۔ اینسیلمو نے خوشی خوشی اسے گلے لگاتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔ دونوں میں طے پایا کہ اگلے دن سے ہی اس پر کام شروع کر دیا جائے گا۔ اینسیلمو لوتھاریو کو کیمیلا سے بات کرنے کا موقع فراہم کرے گا۔ اور اسے کیمیلا کے لئے زیورات اور تحائف کی خریداری کے لیے رقم دے گا۔ اس نے لوتھاریو کو مشورہ دیا کہ وہ کیمیلا کو موسیقی اور اشعار سنوائے۔ اگر وہ خود اشعار نہیں کہہ سکتا تو اینسیلمو یہ کام بھی کر دے گا۔ لوتھاریو یہ سب کچھ کرنے پر رضامند ہو گیا، لیکن اس کی نیت وہ نہیں تھی جو اینسیلمو سمجھ رہا تھا۔ اس طرح وہ واپس اینسیلمو کے گھر پہنچے جہاں کیمیلا بے چینی سے اپنے خاوند کی گھر واپسی کا انتظار کر رہی تھی کہ آج اسے گھر پہنچنے میں معمول سے زیادہ تاخیر ہو گئی تھی۔ اینسیلمو مطمئن ذہن کے ساتھ گھر پر رک گیا جب کہ لوتھاریو اس معاملے سے نکلنے کا کوئی رستہ نہ پا کر پریشان ذہن کے ساتھ اپنے گھر چلا گیا۔

اس رات اس نے سوچ لیا کہ وہ کیسے کیمیلا کو نقصان پہنچائے بغیر اینسیلمو کو دھوکے میں رکھے گا۔ اگلے دن وہ اپنے دوست کے گھر کھانے پر پہنچا۔ کیمیلا نے اسے خوش آمدید کہا۔ جب کھانا کھا لیا گیا اور برتن سمیٹ لیے گئے، تو اینسیلمو نے اپنے دوست سے کیمیلا کے پاس رکنے کی استدعا کی تا کہ اس دوران وہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں ایک بہت ضروری کام نبٹا لے۔ کیمیلا نے اسے روکنے کے لئے منت سماجت کی اور لوتھاریو نے اس کے ساتھ جانے کی پیشکش کی۔ لیکن اینسیلمو پر کسی بات کا اثر نہیں ہوا۔ اس نے لوتھاریو کے وہیں رکنے پر اصرار کرتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ

واپس آ کر اس کے ساتھ بہت اہم معاملے پر بات چیت کرے گا۔ پھر اس نے کیمیلا کو حکم دیا کہ وہ اس کی واپسی تک لوتھاریو کو اکیلا نہ چھوڑے۔ الغرض اس نے بہت خوبصورتی سے یہ کھیل کھیلا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سب بہانے بازی ہے۔

انیسیلمو رخصت ہوگیا۔ کیمیلا اور لوتھاریو اکیلے رہ گئے۔ گھر کے بقایا افراد کھانے کے لئے چلے گئے۔ لوتھاریو نے اپنے آپ کو عین اس حالت میں پایا جیسا کہ اس کا دوست چاہتا تھا۔ اس کا سامنا ایسے دشمن سے تھا جو محض اپنی خوبصورتی سے مسلح سورماؤں کے جتھے کے جتھے صفحہ ہستی مٹانے پر قادر تھا۔ تاہم لوتھاریو نے کسی منفی تاثر کی پرواہ کئے بغیر کرسی کے بازو پر اپنی کہنی ٹکائی اور اپنی ہتھیلی سے چہرے کو سہارا دیتے ہوئے کیمیلا سے اپنے رویے پر معذرت چاہتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ انیسیلمو کی واپسی تک اونگھ لینا چاہتا ہے۔ کیمیلا نے جواباً اسے کرسی کی بجائے گدے پر تسلی سے سو جانے کا مشورہ دیا جسے لوتھاریو نے مسترد کرتے ہوئے انیسیلمو کی واپسی تک جہاں تھا وہیں سونا پسند کیا۔ انیسیلمو نے واپس آ کر جب کیمیلا کو اس کے کمرے میں اور لوتھاریو کو کرسی پر سویا ہوا دیکھا تو اسے گمان گزرا کہ وہ شاید ضرورت سے زیادہ وقت باہر رہا۔ اس نے بے صبری سے لوتھاریو کے جاگنے اور اسے باہر لے جا کر ساری صورتحال تفصیل سے معلوم کرنے کا انتظار کیا۔ جونہی لوتھاریو جاگا دونوں گھر سے نکل گئے۔ انیسیلمو نے بے تابی سے تفصیل جاننی چاہی جس پر لوتھاریو نے اسے سمجھایا، کہ پہلی ہی ملاقات میں اسے ایسا ویسا کچھ بھی کہنا مناسب نہیں لگا۔ اس نے صرف کیمیلا کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ اسے بتایا کہ شہر بھر میں اس کی خوبصورتی اور ذہانت کے چرچے ہیں۔ اس کے نزدیک کیمیلا کی توجہ حاصل کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ تاکہ اگلی مرتبہ وہ اسے سنجیدگی سے سننے کے لئے تیار ہو۔ اس طرح وہ اس شیطانی طریقہ کار سے جس کے تحت شیطان کسی بہت ہی چوکس شخص پر حملہ آور ہوتا ہے، وہ کیمیلا کے قریب جائے گا۔ شیطان تاریکی اور بدی کا نمائندہ ہوتے ہوئے اپنے آپ کو روشنی اور نیکی کا پیامبر ظاہر کرتا ہے اور اپنے برے مقاصد کے حصول کے لئے شروع میں اپنے عزائم خفیہ رکھتا ہے۔" انیسیلمو یہ سب سن کر بہت خوش ہوا اور اسے ہر روز ایسے تنہائی کے مواقع پہنچانے کا وعدہ کیا۔ کہ وہ بغیر گھر چھوڑے اپنے آپ کو ایسے کاموں میں الجھائے گا کہ کیمیلا کو اس ڈرامے کا ذرا بھر شک نہیں ہوگا۔

اس طرح کافی دن گزر گئے۔ لوتھاریو کیمیلا سے ایک لفظ بھی کہے بغیر انیسیلمو کو بتا تا رہا کہ وہ کوشش کر رہا ہے، لیکن اسے کیمیلا کی جانب سے ہلکا سا اشارہ بھی نہیں ملا کہ وہ اسے پٹانے میں

کامیاب ہو رہا ہے اور نہ ہی اسے کوئی امید ہے۔ بلکہ اس نے یہاں تک کہا کہ کیمیلا نے اسے دھمکی دی ہے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو وہ یہ سب کچھ اپنے خاوند کو بتا دے گی۔"

"بہت خوب"، ابھی تک اس نے تمہاری لفاظی کو برداشت کیا، اب دیکھتے ہیں وہ تمہارے عمل پر کب تک مزاحمت کرتی ہے۔ کل میں تمہیں دو ہزار سونے کے سکے دوں گا، کیمیلا کو تحفہ دینے کے لئے یا پھر اس سے زیادہ تاکہ تم اسے سونے کے زیورات خرید کر تحفتاً پیش کر سکو۔ خاص طور پر خوبصورت عورت چاہے کتنی ہی پاکباز کیوں نہ ہو بجنے سنورنے اور نمائشی لباس کی شوقین ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کوشش کی بھی مزاحمت کرتی ہے تو میں مطمئن ہو جاؤں گا اور تمہیں مزید تکلیف نہیں دوں گا۔ لوتھاریو نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہ کھیل شروع کر چکا ہے اسے انجام تک بھی پہنچائے گا۔ اگرچہ اسے یقین تھا کہ وہ اس آزمائش سے تھکا ہارا ہی برآمد ہوگا۔ اگلے دن اس نے چار ہزار سونے کے سکے اتنی ہی پریشانیوں کے ساتھ وصول کئے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کون سا نیا جھوٹ گھڑے؟۔ لیکن آخر کار اس نے سوچ لیا کہ وہ یہی بتائے گا کہ کیمیلا پر ان تحائف اور حسین وعدوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس لئے اب یہ سب ختم ہونا چاہیے۔

لیکن معاملات یکسر نیا موڑ مڑ گئے۔ اینسیلمو جب اگلی مرتبہ کیمیلا اور لوتھاریو کو اکیلا چھوڑ کر گیا تو وہ ایک کمرے میں جا کر چھپ گیا۔ جہاں سے وہ تالے کے سوراخ سے ان دونوں کو دیکھ اور ان کی بات چیت سن سکتا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ آدھے گھنٹے سے زیادہ دیر تک لوتھاریو نے کیمیلا سے ایک لفظ بھی نہیں کہا، تب وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کے دوست نے جو کچھ اسے کیمیلا کے بارے میں بتایا وہ سب من گھڑت اور جھوٹ تھا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ اس کمرے سے نکلا، لوتھاریو کو بلایا اور پوچھا کہ معاملات کیسے ہیں۔ لوتھاریو نے اسے بتایا کہ اس کا ارادہ اس معاملے کو یہیں ختم کر دینے کا ہے کیوں کہ کیمیلا نے اسے اتنا کڑوا کسیلا جواب دیا ہے کہ اس کی اب اسے مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں رہی۔ "آہ، لوتھاریو، لوتھاریو۔" اینسیلمو چلایا۔ "تم نے میرے جذبات کی اور تمہارے اوپر میرے اعتماد کی توہین کی ہے۔۔ میں اس تالے کے سوراخ سے تمہیں دیکھ رہا تھا۔ تم نے ایک لفظ بھی کیمیلا سے نہیں کہا۔ جس سے میں نے یہ نتیجہ آخذ کیا ہے کہ اس سے پہلے بھی تم نے اس سے کوئی بات نہیں کی اور اگر ایسا ہی ہے اور یقیناً" ایسا ہی ہے تو تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ آخر کیوں؟ اس طرح حیلے بہانے سے تم نے مجھے اپنی خواہش اور تجسس کو کسی اور طریقے سے پورا کرنے سے کیوں محروم رکھا؟"۔

اتنا کہ کر اینسیلمو خاموش ہوگیا۔لیکن اس کا اتنا کہنا لوتھاریو کی شرمندگی اور گھبراہٹ کے لئے کافی تھا۔رنگے ہاتھوں جھوٹ بولتے ہوئے پکڑے جانا اس کے لئے عزت کا مسلہ بن گیا۔ لوتھاریو نے قسم اٹھاتے ہوئے اینسیلمو کو یقین دلایا کہ اس لمحے سے وہ اسے دھوکہ دیے بغیر اس ذمہ داری کو نبھائے گا۔بہت جلد خود اسے محسوس ہو جائے گا کہ اسے چھپ کر نگرانی کی ضرورت نہیں ۔اس کے سارے شکوک دور ہو جائیں گے۔اینسیلمو نے اس کا یقین کر لیا۔اسے بغیر کسی مداخلت کے اپنے منصوبے پر کام کرنے کے لئے نیا موقع مہیا کرنے کا سوچ لیا۔اس کا ایک دوست شہر سے قریب ہی ایک گاؤں میں رہتا تھا،اس کے پاس آٹھ دنوں کے لیے جانے کا پروگرام بنالیا۔ لیکن اس سب کو کیمیلا کی نظروں میں شک وشبہ سے بالا رکھنے کے لئے ایسا انتظام کیا کہ اس دوست کی جانب سے بہت ضروری کام کا بلاوہ آیا۔ادا س کو تاہ نظرا ینسیلمو تم کیا کر رہے ہو؟ تم کیا منصوبے بنا رہے ہو؟ کیا سازشیں رچا رہے ہو؟ زرا سوچو،تم اپنے ہی خلاف جا رہے ہو۔اپنی ہی رسوائی کا منصوبہ بنا رہے ہو۔اپنی ہی بربادی کی سازشیں کر رہے ہو۔تمہاری بیوی پاکباز ہے۔تم اس کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہے ہو۔تمہاری خوشی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔اس کی سوچیں تمہارے گھر تک محدود ہیں۔تم ہی اس کی جنت ہو،اس کی امنگوں کا محور ہو۔تم وہ پیمانہ ہو جس سے وہ اپنی خواہشات ناپتی ہے۔اس کی خوبصورتی،پاکیزگی،اس کی خوبیاں اور شرم وحیا تمہارے لئے ہے۔تم بغیر کسی محنت کے اس ساری دولت کے مالک ہو۔تو پھر تم کیوں انجانے خزانوں کے لئے زمین کھودنا چاہتے ہو،اس خطرے کے باوجود کہ یہ جو کچھ تمہارے پاس ہے تم ان سے محروم بھی ہو سکتے ہو۔۔ سوچو زرا،وہ شخص جو ناممکنات کے پیچھے بھاگتا ہے۔اس سے ممکنات بھی چھن سکتی ہیں۔بقول شاعر

میں نے زندگی کو موت میں تلاشا۔۔۔۔۔۔۔۔۔صحت کو بیماری میں ڈھونڈا

پابندیوں میں میں نے آسانیاں پائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور آزادی کی سانس لی

میں نے کبھی قسمت کا انتظار نہیں کیا

کہ وہ مجھے سب کچھ عطا کرے

میری واحد غذا۔۔۔اپنے اندر کا خلا محسوس کرنا ہے

اگلے دن اینسیلمو گاؤں کے لئے روانہ ہوگیا۔جاتے ہوئے کیمیلا کو ہدایات دیں کہ اس

کی عدم موجودگی میں لوتھاریو گھر کی دیکھ بھال کے لئے آئے گا اور اس کے ساتھ کھانا کھائے گا۔ وہ اس سے خوش اخلاقی سے پیش آئے گی۔ کیمیلا یہ ہدایات سن کر بے چین ہو گئی جیسا کہ ہر محتاط اور صحیح الدماغ خاتون کو ہونا چاہیے۔ اس نے خاوند کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ یہ کسی طور مناسب نہیں کہ گھر کے مالک کی عدم موجودگی میں کوئی اور کھانے کی میز پر اس کی نشست سنبھالے۔ اگر اسے اس پر اعتماد نہیں تو وہ اسے اس دفعہ موقع دے تاکہ اسے تجربے سے معلوم ہو جائے کہ وہ بڑی ذمہ داریوں سے نبٹ سکتی ہے۔ اینسیلمو نے اسے جواباً بتایا کہ یہ اس کی خواہش ہے اور اسے اس کی خواہش کو تسلیم کرنا چاہیے۔ جس پر کیمیلا نے اپنی مرضی کے خلاف اس کی بات ماننے کی حامی بھر لی

اینسیلمو کے جانے کے بعد اگلے دن لوتھاریو اس کے گھر آ گیا۔ کیمیلا نے اسے معمول کے مطابق دوستانہ انداز میں خوش آمدید کہا۔ لیکن اس نے لوتھاریو کو تنہائی کا موقع نہیں دیا۔ ہر وقت اپنے ارد گرد اپنے خدمت گاروں بالخصوص اپنی ذاتی ملازمہ لیونیلہ کو موجود رکھا۔ اس ملازمہ کے ساتھ اس کے خصوصی تعلق کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے والد کے گھر اس کے ساتھ پلی بڑھی تھی اور جسے وہ شادی کے وقت اپنے ساتھ اینسیلمو کے گھر لے آئی تھی۔ پہلے تین دن لوتھاریو نے کیمیلا کے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ اگرچہ وہ اس وقفے میں جب سب ملازمین کھانے کے لئے جاتے تھے بات کر سکتا تھا۔ کیمیلا کا حکم تھا کے ملازمین کھانا کھانے میں عجلت کریں اور لیونیلہ کے لئے حکم تھا کہ وہ کیمیلا سے پہلے کھانا کھالے اور اسے کبھی بھی اکیلا نہ چھوڑے۔ لیکن اس لڑکی کی توجہ کھانے کے وقفے کے دوران پہ کے مشاغل پر مرکوز رہتی اور وہ مکمل طور پر اپنی مالکن کی ہدایات پر عمل پیرا نہ ہوتی۔ کیمیلا کا نارمل رویہ اس کے پرسکون تاثرات، طمانیت بھری شخصیت لوتھاریو کی زبان بندی کے لئے کافی تھی۔ تاہم کیمیلا کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں نے جہاں لوتھاریو کو بولنے سے روکے رکھا، وہاں دونوں کے لئے شر انگیز ثابت ہوئی۔ اگرچہ اس کی زبان خاموش تھی لیکن اس کی سوچیں عیاں تھیں۔ اسے کیمیلا کی خوبصورتی اور اچھائی کو سراہنے کا موقع مل رہا تھا۔ ایسا دلکش حسن کہ جو سنگ مرمر کے مجسمے میں بھی محبت کی گرمی پیدا کر دے، گوشت پوست کے دل کی تو بات ہی نہ کرو۔ وہ ہر دفعہ بات چیت کے دوران سوچتا رہتا تھا کہ وہ محبت کئے جانے کی حقدار ہے۔ ان سوچوں نے آہستہ آہستہ اس کی اینسیلمو کے ساتھ وفاداری پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا۔ ہزار بار وہ خواہش کرتا کہ وہ یہاں سے دور کسی ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں اینسیلمو اسے ڈھونڈ نہ سکے۔ اور نہ وہ کیمیلا کو دیکھ سکے۔ لیکن کیمیلا کو دیکھنے سے جو خوشی اسے ملتی تھی وہ اپنا کام کر چکی تھی۔ وہ اپنے آپ

سے جھگڑنے لگا۔ کیمیلا کو سراہنے سے جو ہلچل اس کے جذبات میں مچلنے لگی تھی اسے دبانے کی کوشش کرتا اور اپنی کمزوری پر تنہائی میں وہ اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہراتا۔ اپنے آپ کو برا دوست بلکہ برا عیسائی گردانتا۔ پھر وہ سارے معاملے کا تجزیہ کرتا اور اس نتیجے پر پہنچتا کہ انیسلمو کی بے وقوفی اور لاپرواہی اس کی اپنی بے وفائی سے زیادہ بدتر ہے۔ اور اگر اتنا اچھا دفاع لوگوں کے لئے موجود ہے تو یہی دفاع خدا کے آگے بھی موثر ہوگا اسے اپنے گناہ پر سزا کا خوف نہیں ہونا چاہیے۔

الغرض کیمیلا کی خوبصورتی اور اچھائی نے اس موقع کے ساتھ جو اس کے بے وقوف خاوند نے اسے مہیا کیا تھا مل کر لوتھاریو کی دوست کے ساتھ وفاداری کو اکھاڑ پھینکا۔ وہ اپنی خواہشات کے آگے جھکتا چلا گیا۔ انیسلمو کے جانے کے تین دن بعد اپنے آپ سے جھگڑنے کے بعد اس نے اس شدت اور گرم جوشی سے کیمیلا سے اپنی محبت کا اظہار کیا کہ وہ ششدر رہ گئی۔ ایک لفظ بولے بغیر وہ صرف اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے کمرے تک بمشکل پہنچ سکی۔ لیکن لوتھاریو کی امیدوں پر اس سرد روے کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کے کیمیلا کے لئے جذبات میں مزید شدت آگئی۔ کیمیلا کو لوتھاریو کے بارے میں یہ سب جان کر جس کی اسے ہرگز توقع نہیں تھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے، لیکن اتنا وہ سمجھ گئی کہ لوتھاریو کو یہ سب کچھ کہنے کا کوئی اور موقع دینا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس نے ارادہ باندھتے ہوئے اسی رات اپنے ملازم کے ہاتھ انیسلمو کو مندرجہ ذیل عبارت کا خط لکھ بھیجا۔

"عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فوج اپنے جرنیل کے بغیر اور قلعہ اپنے محافظ کے بغیر کمزور دکھائی دیتا ہے۔۔ میں کہتی ہوں کہ ایک جوان شادی شدہ عورت کی اپنے خاوند کے بغیر اس سے بھی بدتر حالت ہو جاتی ہے۔ تمہارے بغیر میں اتنی خستہ حال ہوں کہ اگر تم فوراً واپس نہ آئے تو میں اپنے والد کے گھر پناہ لینے پر مجبور ہو جاؤں گی۔ اور جس گھر کو آپ نے میری حفاظت میں نہیں دیا میں اسے بغیر محافظ کے چھوڑ جاؤں گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ اسے آپ سے متعلقہ کام کی بجائے اپنی خوشی زیادہ عزیز ہے۔ باقی آپ خود سمجھدار ہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتی"۔

انیسلمو نے خط وصول کیا تو فوراً سمجھ گیا کہ لوتھاریو نے اپنا کام شروع کر دیا ہے اور کیمیلا نے اس کی خواہش کے مطابق لوتھاریو کو جواب دیا ہے اس خبر سے اسے بہت خوشی ہوئی۔ فوراً جواب بھیجا کہ وہ کسی صورت گھر نہ چھوڑے۔ وہ بہت جلد واپس آرہا ہے۔ کیمیلا خاوند کے اس جواب پر بہت حیران ہوئی، اور پہلے سے زیادہ الجھ گئی۔ اب نہ تو وہ اپنے گھر رہ سکتی تھی، نہ ہی اپنے

والدین کے گھر جا سکتی تھی ۔کہ رکنے پر اس کی عزت خطرے میں تھی اور چلے جانے پر خاوند کی حکم عدولی کی مرتکب ٹھہرتی ۔آخر کار اس نے بدترین رستہ چنا،اس ارادے کے ساتھ ٹھہر گئی کہ لوتھاریو کی موجودگی سے بھاگے گی نہیں تاکہ ملازمین کو شک کا موقعہ نہ ملے ۔اب اسے خط لکھنے کا افسوس ہوا کہ کہیں اس کا خاوند یہ نہ سوچے کہ لوتھاریو نے میرے کردار میں کوئی کمزوری دیکھتے ہوئے یہ جرات کی ۔تاہم اپنی نیک نیتی اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوے اس نے خاموشی سے لوتھاریو کی تمام ترغیبات کی مزاحمت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔خاوند کو کسی بھی لڑائی جھگڑے سے دور رکھنے کے لئے اسے مزید کچھ نہ بتانے کا سوچ لیا۔اس نے یہاں تک سوچ لیا کہ اگر اینسیلمو نے خط کے بارے میں پوچھا تو وہ کیسے لوتھاریو کو بری الزمہ قرار دے گی۔

ان ارادوں کے ساتھ جو مبنی بر نیک نیتی تھے لیکن عقلمندانہ اور عملی نہیں تھے

۔ وہ اگلے دن لوتھاریو کی باتیں سننے کی منتظر رہی ۔لوتھاریو اگلے دن اپنا مدعا پیش کرنے میں اتنا پرجوش تھا کہ کیمیلا کی ثابت قدمی ڈگمگانے لگی اور وہ کمزور پڑنے لگی ۔اس کی پاکیزہ فطرت نے اس کی صرف اتنی مدد کی کہ اس نے اپنی آنکھوں سے وہ جذباتی طوفان ظاہر نہ ہونے دیا جو لوتھاریو کے آنسوؤں اور دلائل نے اس کے سینے میں اٹھایا تھا۔لیکن لوتھاریو نے سب کچھ بھانپ لیا۔جس سے اس کے ارادوں کو مزید تقویت ملی ۔اس نے سوچا اینسیلمو کی غیر حاضری میں اسے وقت اور موقعہ میسر ہے چنانچہ اس نے قلعے کا محاصرہ توڑنے پر قوت بڑھا دی ۔اس نے کیمیلا کی خوبصورتی کی تعریفوں سے اس کے نسوانی غرور پر حملہ کر دیا۔وہ جانتا تھا کہ کسی بھی خوبصورت عورت کے غرور کے لئے صف آراء برج گرانے کا بہترین طریقہ اسی غرور کو خوشامدی زبان سے ادائیگی مل جانا ہے ۔اس نے اس کی چٹان جیسی شخصی سالمیت پر اس شدت سے ضربیں لگائیں کہ کیمیلا اگر پیتل بھی ہوتی تو ٹوٹ چکی ہوتی ۔وہ رویا، اس نے التجائیں کیں، وعدے کئے، خوشامدیں کیں ۔ مستقل مزاجی سے خلوص بھرے جذباتی ڈرامے کئے ۔اس طرح کیمیلا کا غرور روندتے ہوئے وہ فتح حاصل کر لی جس کی اسے بہت کم امید تھی اور جس کے لئے وہ بہت زیادہ خواہش مند تھا۔لیونیلا بھی اپنی مالکن کی کمزوری سے واقف تھی ۔کہ دو مطلبی دوست اور نئے عاشق اس سے چھپ نہیں سکتے تھے ۔لوتھاریو کیمیلا کو اس کے خاوند کے منصوبے کے بارے میں بتانا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی یہ کہ اینسیلمو نے ہی اسے یہ موقعہ فراہم کیا تھا،تاکہ وہ کہیں اس کی محبت کی بے قدری نہ کرے اور یہ نہ سوچے کہ یہ سب کچھ محض "اتفاقاً" ہوا۔

کچھ دن بعد اینسیلمو واپس آ گیا۔ وہ کچھ بھی محسوس نہ کر سکا کہ وہ کیا کھو چکا ہے۔ وہ فوراً لوتھاریو کی طرف گیا، جو اسے گھر پر ہی مل گیا۔ دونوں گلے ملے، اینسیلمو نے اس سے اپنی زندگی یا موت کی خبر پوچھی۔

"اینسیلمو، میرے دوست میں تمہیں یہی خبر دے سکتا ہوں کہ تمہاری بیوی تمام اچھی عورتوں کا تاج اور نمونہ ہے۔ میرے الفاظ اس پر بے اثر رہے، میرے وعدے حقارت سے ٹھکرا دئے گئے۔ میرے تحائف رد کر دئے گئے۔ میرے مگر مچھ کے آنسوؤں کو اس نے ہنسی میں اڑا دیا۔ قصہ مختصر کیمیلا جہاں خوبصورتی کا مجسمہ ہے وہاں وہ ایسا خزانہ گھر ہے جہاں تمام پاکیزگی رہائش پزیر ہے۔ جہاں شرافت، احتیاط اور ہر قسم کی اچھائیاں مل کر ایک ایماندار قابل تعریف عورت بناتی ہیں۔ یہ لو اپنی رقم، مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی کہ کیمیلا کی عزت وعفت بے بنیاد تحفوں اور وعدوں سے بالا تر ہے۔ قناعت پسند بنو۔ مزید ثبوت مت ڈھونڈو۔ جب تم شکوک وشبہات کے سمندر سے بہ حفاظت نکل آئے ہو تو دوبارہ شرمندگی کی گہری خلیج میں غوطہ مت لگاؤ۔ قدرت نے جو تمہیں اچھائی اور طاقت کی کشتی اس دنیاوی سمندر کے سفر کے لئے عطا کی ہے اس کے ساتھ زور آزمائی نہ کرو۔ جان لو کہ تم ساحل پر محفوظ ہو۔ اس وقت تک ساحل سے ٹکراتی موجوں کی آواز سے لطف اندوز ہوتے رہو جب تک تم سے ان نعمتوں کے بدلے کا تقاضا نہیں کیا جاتا۔ آرام سے رہو کہ دنیا میں کوئی بھی اس قرض (نعمتوں) کی ادائیگی سے بچ نہیں سکتا۔

اینسیلمو اپنے دوست کے الفاظ سن کر خوش ہو گیا اور ان الفاظ پر ایسے یقین کر لیا گویا کسی مذہبی پیشوا کے کہے گئے الفاظ ہوں۔ تاہم اس نے التجا کی کہ یہ سلسلہ مکمل طور پر بند نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ اس کی اہمیت اب محض وقت گزاری اور تجسس کی ہے۔ اب اسے پہلے جیسے شدومد سے ورغلانے کی ضرورت نہیں۔ اب صرف وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ کیمیلا کی تعریف میں کچھ اشعار "کلورس" کے نام سے بھیج دیا کرے۔ وہ اسے اس غلط فہمی میں رکھے گا کہ یہ لوتھاریو کی محبوبہ ہے۔ اگر وہ اشعار لکھنے کی زحمت سے بچنا چاہتا ہے تو وہ خود ہی لکھ لے گا۔ "اس کی ضرورت نہیں" لوتھاریو نے جواب دیا، "سوچ بچار سے مجھے کوئی مسلہ نہیں، بلکہ کچھ عرصے سے میں اس کا عادی ہو چکا ہوں۔ کیمیلا کو تم میرے فرضی عشق کی داستان سنا سکتے ہو۔ مجھ سے جتنا ممکن ہوا بہترین شعر لکھوں گا" اس طرح بے وقوف خاوند اور بے وفا دوست نئے منصوبے پر رضامند ہو گئے۔ اینسیلمو نے گھر آ کر کیمیلا سے وہ سوال پوچھا جس کے ابھی تک نہ پوچھے جانے پر وہ کافی پریشان تھی۔ "جو خط کیمیلا نے اسے بھجا، وہ

اس نے کیوں لکھا؟" کیمیلا نے اسے بتایا کہ اس نے محسوس کیا تھا کہ لوتھاریو اسے بہت غور سے دیکھتا تھا، اس کا انداز اینسیلمو کی موجودگی میں دیکھنے والے انداز سے بہت مختلف تھا لیکن اب وہ سمجھتی ہے کہ وہ سب اس کا تخیل تھا۔ لوتھاریو اب اسے دیکھنے بلکہ ملنے سے بھی گریز کرتا ہے۔ اینسیلمو نے اسے سمجھایا کہ وہ مطمئن ہو جائے اسے معلوم ہوا ہے کہ لوتھاریو ایک شہری دوشیزہ کے عشق میں گرفتار ہے۔ جس کا فرضی نام کلورس ہے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو اسے لوتھاریو کی سچائی اور ان دونوں کے درمیان عظیم دوستی پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ اگر لوتھاریو کیمیلا کو پہلے ہی سے کلورس سے فرضی محبت کا نہ بتا چکا ہوتا اور یہ بھی کہ وہ اینسیلمو کو وقتاً" فوقتاً" اس کی تعریف میں اشعار لکھ کر دیتا رہے گا تو وہ ضرور حسد کی آگ میں جلنے لگتی۔ لیکن چونکہ وہ سب پہلے سے جانتی تھی اس لئے اسے اینسیلمو کی باتوں سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔

اگلے دن جب تینوں کھانے کی میز پر بیٹھے تو اینسیلمو نے لوتھاریو سے کلورس کے لئے لکھے گئے اشعار سنانے کی فرمائش کی۔ اور وضاحت کی کہ کیمیلا اسے نہیں جانتی اس لئے وہ کھل کر بات کر سکتا ہے۔ لوتھاریو نے جواب دیا،" اگر وہ جانتی بھی ہوتی تو بھی میں کچھ نہ چھپاتا کہ جب عاشق اپنی محبوبہ کی خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے اور اس پر بے رخی کا الزام لگاتا ہے تب بھی وہ اس کا نام بدنام نہیں ہونے دیتا۔ کل ہی میں نے کچھ اشعار لکھے ہیں، سنیں۔

"جب رات کی خاموش تاریکی میں
"تمام روحیں سکون کی آغوش میں سوتی ہیں
میری کلورس، میں تمہیں اور فلک کو
اپنے ہجر کی داستان سناتا ہوں
اور جب روشن سویرا دیوتا
مشرق سے گلابی کرنوں کے جلو
میں دوبارہ نمودار ہوتا ہے
تو میرا دل رات بھر کی ہجر کی اذیتوں کو تازہ کرتا ہے
پھر جب سورج اپنے تارامی تخت سے نیچے اترتا ہے
زمین پر آگ کی بارش ہوتی ہے
میری آہیں اور میرے آنسو دوگنا ہو جاتے ہیں

رات کی واپسی کے ساتھ ہی
میری سکیاں اور میرا کراہنا واپس آجاتا ہے
یہ میرا دکھ ہے
جس پر فلک بہرا ہے
کلورس پر سب بے اثر ہے"

اس شاعری سے دونوں کیمیلا اور اینسیلمو محظوظ ہوئے۔ اینسیلمو نے تعریف کرتے ہوئے خاتون کو ظالم قرار دیا۔ جو اتنے خلوص کو ٹھکرائے جا رہی ہے۔ جس پر کیمیلا نے نے اعتراض کیا "کیا وہ سب سچ ہوتا ہے۔ جو محبت میں گرفتار شاعر بیان کرتے ہیں۔" لوتھاریو نے جواب دیا، "بطور شاعر وہ سب سچ نہیں کہتے لیکن بطور عاشق وہ جتنے سچے ہوں گے اتنے ہی اس کے اظہار میں سست ہوں گے۔"

"بے شک،" اینسیلمو کیمیلا کے سامنے لوتھاریو کی حمایت میں گرم جوشی دکھاتے ہوئے بولا۔ کیمیلا نے لوتھاریو کی محبت میں مبتلا جانتے ہوئے کہ یہ سب کچھ اسی کے لئے ہے اور وہی کلورس ہے خوش ہوتے ہوئے اس سے مزید اشعار اگر اسے یاد ہوں تو سنانے کا مطالبہ کیا۔ "مجھے یاد ہیں، لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بھی اتنے ہی اچھے ہوں گے۔" لوتھاریو نے جواب دیتے ہوئے نئے اشعار سنائے۔

میں جانتا ہوں، میں بدقسمت ہوں
میرا مقدر موت ہے
اتنا یقینی جتنا تمہارا ناشکرا پن
قبل اس سے کہ میرا دل تیری محبت سے کنارہ کش ہو
تمہارے قدموں میں تمہیں میرا لاشہ دکھائی دے گا
اگر میں زندگی، شہرت، انعامات سے محروم گمنامی میں مر جاؤں
تو بھی سب میرے سینے پر کندہ تمہاری شبیہ دیکھیں گے
جو میرے لئے کسی بھی مقدس آثار قدیمہ سے زیادہ قیمتی ہے
جو مجھے میرے سچ کے باعث میرے نصیب سے بچالے گی
سچ جو تمہارے بے رحم دل کے خلاف میری ڈھال ہے

آہ، اس کے لئے جو
افلاک کے زیر سایہ
بے کنار خطرناک سمندر میں
جہاں نہ کوئی محفوظ بندرگاہ ہے
نہ کوئی قطب ستارہ
اتیرتا پھر رہا ہے

اینسیلمو نے ان اشعار کو بھی سراہا۔ وہ اپنی بے عزتی خود کروا رہا تھا۔ جتنا لوتھاریو اس کو بے عزت کرتا وہ اتنا ہی اس کا ممنون ہوتا کہ وہ اس کی عزت افزائی کر رہا ہے۔ اور جس تیزی سے کیمیلا اپنی بے حرمتی کی طرف بڑھتی اتنا ہی وہ اپنے خاوند کی نگاہوں میں معتبر/معزز ٹھہرتی جا رہی تھی۔

ایک دن کیمیلا تنہائی میں اپنی ملازمہ سے کہنے لگی۔ "میں بہت شرمندگی محسوس کرتی ہوں، شاید میں نے اپنا آپ لوتھاریو کے سپرد کرتے ہوئے جلد بازی سے کام لیا، مجھے کچھ وقت لینا چاہیے تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے ناپختہ کردار کی ناپائدار خاتون قرار دیتے ہوئے قابل عزت و احترام نہیں سمجھے گا۔ جب کہ اس نے مجھ پر اس قدر شدید دباؤ ڈالا کہ میں مزاحمت نہ کر سکی۔"

"اپنے آپ کو اذیت مت دیں" لیونیلا نے اس کی ڈھارس بندھائی، "کوئی بھی قیمتی تحفہ جلد وصول ہو جانے سے بے وقعت نہیں ہو جاتا" کیمیلا نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، "لیکن یہ بھی تو کہا جاتا ہے، کم قیمت کم وقعت۔"

"لیکن یہ آپ کے معاملے میں درست نہیں ہے" ملازمہ نے فوراً جواب دیا "میں نے یہ بھی سنا ہے کہ جذبہ عشق بعض اوقات اڑ کر اور بعض اوقات چل کر آتا ہے۔ کسی کے لئے وہ چھلانگیں لگاتا ہے اور کسی کے لئے وہ کچھوے کی چال چلتا ہے۔ کسی کو زخمی کرتا ہے اور کسی کو قتل کرتا ہے۔ ایک لمحے میں وہ اپنی خواہشات کے رستے پر چلتا ہے اور دوسرے لمحے وہ سب کچھ ختم کر دیتا ہے۔ صبح وہ قلعے کا محاصرہ کرتا ہے، رات کو محاصرہ اٹھا لیتا ہے، کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکی۔ آپ خوف زدہ کیوں ہیں؟ جبکہ یہی حال لوتھاریو کا بھی ہے۔ عشق نے میرے آقا کی غیر حاضری کو آپ کی شکست کے لئے چنا۔ اور ان کی واپسی سے پہلے ہی اپنا کام مکمل کیا۔ عشق کے لئے سب سے موثر ہتھیار مناسب وقت ہے۔ وہ ایسے ہر کام کی تکمیل کے لئے مناسب وقت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ میں یہ سب تجربے سے جانتی ہوں۔ میں کسی وقت آپ کو تفصیل سے سب کچھ بتاؤں گی کہ میں بھی جوان

ہوں، تاہم میری مالکن، آپ نے بلکل بھی جلد بازی نہیں کی بلکہ آپ نے لوتھاریو کی روح کو اس کی آنکھوں سے، اس کی آہوں سے، اس کے الفاظ سے، اس کے تحائف اور وعدوں سے جانچا اور پرکھا۔ اس سب کے ساتھ اس کی اچھی عادات سے کہ وہ آپ کی محبت کے قابل ہے۔ ان فضول کی سوچوں سے اپنے خوبصورت نازک جذبات کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ جیسے آپ لوتھاریو کی قدر کرتی ہیں وہ بھی آپ کی قدر کرتا ہے۔ خوش اور مطمئن رہیں۔ آپ جال میں پھنس چکی ہیں آپ کو پکڑنے والا قابل اور عزت دار ہے۔ بلکہ اس کے پاس وہ سب کچھ ہے۔ جو کہا جاتا ہے کہ اچھے عاشق کے پاس ہونا چاہیے۔ میں آپ کو گن کر بتا سکتی ہوں۔ میرے خیال میں وہ ملنسار ہے، بہادر اور شائستہ مزاج ہے، ممتاز اور منفرد ہے، شوقین ہنس مکھ ہے، وفادار قابل عزت، مشہور، ہمدرد، مخلص، نرم مزاج، امیر دلیر اور مردانہ وجاہت کا پیکر ہے۔"

کیمیلا اپنی ملازمہ خاص کی باتوں سے بہت محظوظ ہوئی۔ اسے وہ توقعات سے بڑھ کر محبت کے معاملات میں تجربہ کار محسوس ہوئی۔ اب ملازمہ نے کیمیلا کے سامنے اقرار کرلیا کہ شہر کے ایک نوجوان سے اسکا معاشقہ چل رہا ہے۔۔ جس پر کیمیلا کو فکر لاحق ہوئی کہ اس طرح اس کا راز کہیں کھل نہ جائے۔ اس نے ملازمہ پر دباؤ ڈال کر معاشقے کی نوعیت جاننی چاہی کہ کیا یہ معاملہ فقرے بازی سے آگے نکل چکا ہے۔ جس پر ملازمہ نے بغیر کسی شرم کے ڈھٹائی سے تسلیم کرلیا۔ یہ تو واضح ہے کہ مالک کی کمزوری ملازمین کو ڈھیٹ بنا دیتی ہے۔ جب وہ مالک کو غلط قدم اٹھاتے دیکھتے ہیں تو وہ خود لڑکھڑانے میں زرا دیر نہیں لگاتے۔ کیمیلا اب لیونیلہ سے التجا ہی کر سکتی تھی کہ وہ اپنے عاشق کو اس کے تعلق کے بارے میں کچھ نہ بتائے اور اپنے معاملات کو بھی چھپا کر رکھے تا کہ انسیلمو یا لوتھاریو میں سے کسی کو کچھ پتہ نہ چلے۔ اس پر لیونیلہ نے کچھ اس انداز سے ہامی بھری کہ کیمیلا کو یقین ہوگیا کہ وہ اس کی وجہ سے اپنی عزت گنوائے گی۔ لیونیلہ نے جب مالکن کے رویے میں تبدیلی دیکھی تو بڑی ڈھٹائی سے اپنے عاشق کو اس اعتماد کے ساتھ گھر کے اندر بلانے لگ گئی کہ اگر مالکن نے دیکھا بھی تو اپنے گناہ کی وجہ سے کچھ نہیں کہے گی۔ اور ہوا بھی یہی۔ کیمیلا کو کئی دفعہ محسوس ہوا کہ کیمیلا گھر کے کسی کمرے میں اپنے عاشق کے ساتھ ہے۔ اس نے نہ صرف اسے سرزنش نہیں کی بلکہ اسے موقع مہیا کیا کہ وہ اسے چھپالے تاکہ اس کا خاوند اسے دیکھ نہ لے۔ ایک موقع پر وہ اسے سامنے آنے سے بھی نہ روک سکی جب وہ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی نمودار ہوا۔ لوتھاریو پہلے پہل اسے کوئی روح سمجھا لیکن جونہی اسے احساس ہوا تو اپنا چہرا چھپاتے ہوئے پیچھے مڑا۔ لوتھاریو کے وہم

وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ان نامناسب اوقات میں اینسیلمو کے گھر سے برآمد ہونے والا شخص لیونیلہ کے لئے آیا ہوگا۔ جب کہ لوتھاریو لیونیلہ نامی ملازمہ کے وجود سے بھی بے خبر تھا۔ اس نے یہی سوچا کہ جس طرح کیمیلا اس کے ساتھ نرم ہے اسی طرح کسی اور کے ساتھ بھی ہے۔ خطا کار عورت کو اپنے گناہ کے ساتھ مزید یہ سزا بھی بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ شخص بھی اس کا اعتبار نہیں کرتا جس کی التجاؤں پر وہ نرم ہوئی تھی۔ یہی بدگمانی لوتھاریو میں پیدا ہوئی۔

اس موقع پر لوتھاریو اپنی عقل استعمال کرنے میں بری طرح ناکام رہا۔ ٹھہر کر سوچنے سمجھنے کی بجائے جلد بازی دکھاتے ہوئے حسد میں مبتلا ہو کر کیمیلا سے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے وہ سیدھا اینسیلمو کے پاس پہنچ گیا جو ابھی ٹھیک طرح سے جاگا بھی نہیں تھا۔ "اینسیلمو، جانتے ہو! کچھ دنوں سے میں اپنے آپ سے جھگڑ رہا ہوں۔ میں تم سے ایسی بات چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں جو مجھے تم سے نہیں چھپانی چاہیے۔ کیمیلا کا قلعہ تسخیر ہو چکا ہے۔ میری خواہش پر جھکنے کو آمادہ ہے۔ تمہیں بتانے میں اس لئے دیر ہوئی کہ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا یہ اس کی چھوٹی موٹی خواہش ہے یا پھر وہ مجھے آزما رہی ہے کہ جس عشق کا میں دم بھر رہا ہوں اس میں کتنی سچائی ہے۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ اگر وہ اتنی با کردار ہے جیسا ہم دونوں اسے سمجھتے ہیں تو اس نے میری کوششوں کے بارے میں تمہیں مطلع کیوں نہیں کیا۔ اس کے ایسا نہ کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمہاری اگلی غیر حاضری کے دوران مجھ سے ملاقات کے جو وعدے وہ مجھ سے کر رہی ہے وہ ان کو نبھانے میں سنجیدہ ہے۔ لیکن میں یہ نہیں چاہتا کہ تم فوراً انتقام لو۔ یہ سب کچھ ابھی اس کے ارادوں میں ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ پشیمان ہو کر ارادہ بدل دے۔ اب تک تم مکمل یا ادھوری میری ہدایات پر عمل کرتے رہے ہو اسی طرح اب بھی جیسے میں سمجھاؤں ویسے ہی کرو۔ دو، تین دن کی غیر حاضری کا ڈرامہ رچاؤ کہیں جانے کی بجائے کپڑوں کی الماری میں چھپ جاؤ۔ وہاں کافی کھلی جگہ ہے، اس طرح میں اور تم دونوں دیکھ لیں گے کہ کیمیلا کیا چاہتی ہے۔ اور اگر وہ غلطی پر ہوئی جس کی ہمیں توقع نہیں صرف اندیشہ ہے۔ تو پھر تم خاموشی اور محتاط طریقے سے اس غلطی کا بدلہ لے سکتے ہو

لوتھاریو کی باتیں سن کر اینسیلمو حیران پریشان ششدر رہ گیا، یہ سب باتیں اسے اس وقت بتائی جا رہی تھیں جب وہ یہ سب سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ لوتھاریو کی ڈرامہ بازی سے کیمیلا کو فتح مند قرار دے کر اس کی فتح سے خوش ہو رہا تھا۔ وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھا زمین کو گھورتا رہا۔ آخر کار کہنے لگا، "لوتھاریو تم نے ویسے ہی کیا جیسا میں چاہتا تھا۔ اب میں تمہارے مشورے پر عمل

کروں گا۔ جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی کرو۔ لیکن راز داری سے کام لو۔" لوتھاریو نے راز داری کا وعدہ کیا لیکن رخصت ہوتے ہوئے وہ اپنے عمل پر پچھتا رہا تھا کہ وہ کیمیلا سے اپنا انتقام کسی اور کم ظالمانہ طریقے سے بھی لے سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کوسنے لگا۔ اپنی جلد بازی پر اپنے آپ کو لعن طعن کرنے لگا، اور اس صورتحال سے نکلنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ آخر اس نے سب کچھ کیمیلا کو بتانے کا ارادہ کر لیا۔ اسی دن وہ اسے تنہا مل گئی۔ جونہی اسے کیمیلا نے دیکھا، کہنے لگی: "سنو دوست، میرا دل اتنا اداس ہے کہ یہ غم سے پھٹ جائے گا۔ اگر نہ پھٹا تو یہ کوئی معجزہ ہی ہوگا۔ لیونیلہ کی جرات اس قدر بڑھ گئی ہے، کہ وہ ہر رات اپنے عاشق کو اس گھر میں بلاتی ہے، صبح تک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ جس سے میری عزت پر حرف آنے کا خطرہ ہے۔ جب کوئی اسے نامناسب اوقات میں اس گھر سے نکلتے دیکھے گا تو میرے بارے میں کیا سوچے گا۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ نہ تو میں اسے ڈانٹ سکتی ہوں نہ ہی سزا دے سکتی ہوں۔ اس لئے کہ وہ ہمارے تعلق کے بارے میں جانتی ہے۔۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ غلط ہونے والا ہے"

یہ سن کر لوتھاریو نے پہلے پہل یہ خیال کیا کہ کیمیلا اپنے اوپر سے اس کے شک کو رفع کرنے کے لئے اسے لیونیلہ کا عاشق کہہ رہی ہے۔ لیکن جب اس نے اسے زار و قطار روتے ہوئے اور اس صورتحال سے نکلنے میں اس کی مدد کی التجائیں کرتے دیکھا تو اس کی سچائی کا یقین کر لیا۔ کیمیلا کو دلاسہ دیتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ اس مسئلے کا کوئی حل ڈھونڈ لے گا۔ ساتھ ہی اس نے حسد میں مبتلا ہو کر انیسلمو کے ساتھ اپنی بات چیت کے بارے میں بھی بتا دیا۔ اپنے منصوبے کے بارے میں بھی بتایا کہ انیسلمو کپڑوں والی الماری میں چھپ کر دیکھے گا کہ کیمیلا کس حد تک اس سے بے وفائی کر رہی ہے۔ لوتھاریو نے اپنے پاگل پن پر اس سے معافی مانگی اور اس حماقت سے پیدا کردہ صورتحال سے نکلنے کے لئے اس کا مشورہ مانگا۔ کیمیلا یہ سب سن کر جذباتی ہو گئی، غصے میں اس کے بے بنیاد شک پر شر انگیز منصوبہ سازی پر اسے کھری کھری سنائیں۔ لیکن جیسا کہ عورت مرد کے مقابلے میں برائی اور اچھائی کی بہتر سمجھ رکھتی ہے اس نے فوراً" بظاہر ناقابل تلافی نقصان کا حل سوچ لیا۔ اس نے لوتھاریو سے انیسلمو کو ان کے منصوبے کے مطابق چھپانے کا کہا، لیکن اپنے منصوبے کی تفصیلات بتانے سے گریز کرتے ہوئے اسے ہدایت دی کہ انیسلمو کے چھپ جانے کے بعد جب لیونیلہ اسے بلائے تو وہ آجائے اور جو کچھ وہ اس سے پوچھے اس کا اس طرح جواب دے گویا وہ انیسلمو کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہے۔ لوتھاریو نے اس سے منصوبے کی مکمل تفصیل

جاتی چاہی تو اس نے یہ سوچ کر بتانے سے انکار کر دیا کہ وہ کیمسیلا کے منصوبے میں ترامیم نہ کرنا شروع کر دے۔

اس کے بعد لوتھاریو رخصت ہو گیا۔ اگلے دن اینسلمو اپنے دیہاتی دوست سے ملنے کے بہانے گھر سے رخصت ہوا لیکن واپس آ کر با آسانی چھپ گیا، کیوں کہ لیونیلہ اور کیمسیلا نے نے اسے چھپ جانے کا موقع دیا۔ وہ شدید بے چین تھا۔ اس کی بے چینی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی عزت کا جنازہ نکلتے ہوئے اور اپنی زندگی کی خدا کی طرف سے عطا کردہ اعلیٰ ترین نعمت کیمسیلا کی شکل میں کھونے جا رہا تھا۔ اس کے چھپنے کے ساتھ ہی دونوں کیمسیلا اور لیونیلہ اس وارڈروب/ کپڑوں کی الماری والے سٹور میں داخل ہوئیں۔ کیمسیلا سرد آہ بھرتے ہوئے لیونیلہ سے مخاطب ہوئی۔۔" آہ، میری دوست لیونیلہ، کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ جو میں نہیں کرنا چاہتی اس کے کرنے سے پہلے تم اسے روکنے کی کوشش کرو۔ تم اینسلمو کا خنجر نکالو، اور میرے اس بدنام زمانہ دل کو چیر ڈالو۔ لیکن نہیں، کسی اور کی غلطی کا خمیازہ میں کیوں بھگتوں۔ پہلے میں یہ معلوم کروں گی کہ ایسی کون سی کردار کی کمزوری اس عیاش لوتھاریو نے مجھ میں دیکھی کہ اس کی اتنی ہمت ہوئی کہ اپنے دوست کی دوستی اور میری عزت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے وہ مجھ سے اپنے واہیات جذبات کا اظہار کرے۔ کھڑکی کے پاس جاؤ اور اسے اندر بلاؤ۔ بلاشبہ وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے گلی میں ہی ہو گا۔ لیکن پہلے مجھے خنجر دے دو۔"

"آہ مالکن،" ہوشیار لیونیلہ جسے اپنا کردار اچھی طرح یاد تھا بولی: " آپ اس خنجر کا کیا کریں گی۔ کیا آپ اپنی زندگی خود ختم کرنا چاہتی ہیں یا لوتھاریو کی؟۔ دونوں میں سے جو بھی کریں گی اس سے آپ کی عزت و نیک نامی پر حرف آئے گا۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنی غلطی کا ازالہ کرتے ہوئے اس بدقماش شخص کو گھر میں گھسنے نہ دیں، جب کہ ہم گھر میں اکیلی ہیں۔ ہم کمزور عورتیں ہیں۔ اور وہ مرد ہے اور مصمم ارادے اور جذبات سے مغلوب آ رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے عمل سے پہلے وہ ایسا کچھ کر دے جو آپ کے لئے زیادہ برا ہو۔ میں اپنے آقا اینسلمو سے گزارش کروں گی کہ اس بے شرم شخص کو گھر میں اتنا مختار کیوں بنایا ہوا ہے۔ لیکن اگر آپ نے اسے قتل کر دیا جیسا آپ میرے خیال میں کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں تو ہم اس کی لاش کا کیا کریں گی" ۔" کیا؟ میری دوست" کیمسیلا نے جواب دیا:" ہم اسے اینسلمو کے لئے چھوڑ دیں گے تا کہ وہ اسے دفنائے اور اپنی بدنامی چھپانے کی زحمت سے لطف اٹھائے۔ اسے بلاؤ جلدی کرو، اپنی غلطی کا انتقام لینے میں جتنی دیر

ہو گی اتنا ہی میں اسے اپنے خاوند کے لئے اپنی وفاداری کے خلاف اپنا جرم سمجھوں گی۔"

اینسیلمو یہ سب کچھ سن رہا تھا۔کیمیلا کے ہر لفظ پر جو وہ بول رہی تھی اس کی سوچ بدل رہی تھی۔لیکن جب اس نے لوتھاریو کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کا دل چاہا کہ وہ باہر نکل آئے۔کہیں وہ سچ مچ ایسا نہ کر بیٹھے۔لیکن اتنے بلند بانگ جرات مندانہ فیصلے کو حقیقت میں بدلتے دیکھنے کی اضطرابی خواہش سے اس نے اپنے آپ کو اس وقت تک روکے رکھنے کا فیصلہ کیا جب تک قتل کو روکنے کی ضرورت نہ ہو۔اس دوران کیمیلا غش کھا کر پاس پڑے بستر پر گر گئی۔لیونیلہ روتے ہوئے کہنے لگی،وائے قسمت کی ستم ظریفی کہ پاکیزہ پھول نیک بیویوں کا تاج

اور نیکی کا مجسمہ میری گود میں دم دے گی۔ایسے بین کئے تاکہ سننے والا اسے دنیا کی سب سے نرم دل اور وفادار ملازمہ اور اس کی مالکن کو مظلوم پاک دامن بیوی سمجھے۔کیمیلا جلد ہی ہوش میں آ گئی۔ہوش میں آتے ہی چلانے لگی" تم گئی کیوں نہیں؟ لیونیلہ فوراً اس بے وفا دوست کو بلاؤ ،جلدی کرو،بھاگ کر بلکہ اڑ کر جاؤ،ایسا نہ ہو کہ انتقام کی جس آگ میں جل رہی ہوں تاخیر کرنے سے وہ ٹھنڈی پڑ جائے اور جو انتقام میں لینا چاہتی ہوں وہ لعن طعن میں ہی نہ نکل جائے"

"میں جا رہی ہوں،میری مالکن،"لیونیلہ نے کہا"لیکن پہلے آپ یہ خنجر مجھے دے دیں۔یہ نہ ہو کہ آپ میری غیر حاضری میں کچھ ایسا کر بیٹھیں کہ آپ کے چاہنے والے ساری زندگی روتے رہیں۔"

"پریشان مت ہو،لیونیلہ،میں ایسا نہیں کروں گی۔تمہارے خیال میں اپنی عزت کے تحفظ کے لئے میں جلد باز اور بے وقوف ہوں گی،لیکن میں"لیوکریٹا" نہیں ہوں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے بغیر کسی گناہ کے اور جو اس کی بدبختی کا ذمہ دار تھا اسے قتل کئے بغیر اپنے آپ کو قتل کر دیا تھا۔اگر مجھے مرنا ہے تو میں مروں گی لیکن میں مطمئن ہو کر مروں گی کہ جو میری بدقسمتی کی وجہ ہے اس سے انتقام لے لیا ہے"۔

جانے سے پہلے لیونیلہ نے تھوڑی بہت مزید منت سماجت کی،بالا آخر وہ لوتھاریو کو بلانے چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد کیمیلا خود کلامی کے طور پر بڑبڑانے لگی:"میرے خدا کیا یہ بہتر نہ تھا کہ میں لوتھاریو کو ہمیشہ کی طرح دھتکارے رکھتی،بے شک وہ مجھے بدکردار اور بدتمیز سمجھتا۔مجھے تھوڑا انتظار کر کے اس کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔یہ زیادہ بہتر تھا۔لیکن اب مجھے انتقام کا نشانہ نہیں بننا اور نہ ہی اپنے خاوند کی عزت ثابت کرنی ہے۔اگر وہ اپنی بدنیتی کے باوجود اتنی آسانی اور آرام سے چھوٹ سکتا ہے۔تو غدار کو اپنی غداری کی قیمت اپنی جان سے چکانی پڑے گی اور دنیا

جان جائے گی کہ کیمیلا نہ صرف اپنے خاوند سے وفادار رہی بلکہ اس شخص سے انتقام بھی لیا جس نے اسے نقصان پہنچایا۔ میرے خیال میں یہ سب ایمیلیو کو معلوم ہونا چاہیے۔ اگر چہ میں اسے پہلے ایک خط لکھ چکی ہوں اور اگر اسنے میری تنبیہ کے باوجود کچھ نہیں کیا تو اس کی وجہ اس کا خوبصورت دل اور دوستی کے رشتے پر مکمل اعتماد ہے۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس کے دوست کے دل میں اسکی عزت وتکریم کے خلاف کوئی جذبہ سر اٹھا رہا ہے۔ میں خود کتنا عرصہ اسی کیفیت میں رہی، جب تک اس نے اپنے پاگل پن کا اظہار قیمتی تحائف، مستقبل کے سہانے خواب اور رونے دھونے سے شروع نہیں کیا۔ لیکن میں یہ سب دلائل کیوں دے رہی ہوں۔ کیا میرے فیصلے کی راہ میں یہ دلائل کھڑے ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ تو کیا یہ خوف ہے؟ نہیں، نہیں انتقام ہی میری طاقت ہے۔۔ بس جو ہونا ہے ہو جائے۔ چاہے میں اپنے پاک اور اس کے جو دوستی کے نام پر دھبہ ہے کے ناپاک خون میں نہا جاؤں"۔ یہ سب کہتے ہوئے وہ خنجر ہاتھ میں لئے ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ ٹہل رہی تھی۔ دیکھنے والا یہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہے۔ وہ ایک نازک عورت کی بجائے غصیلی دلیر شخص نظر آرہی تھی۔

کپڑوں کے پیچھے چھپے ہوئے ایمیلیو یہ سب دیکھ کر حیران ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جو کچھ اس نے دیکھا اور سنا وہ کسی بھی بڑے سے بڑے شک کے خلاف ٹھوس ثبوت ہے۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ لوتھاریو کے آنے کو کس طرح روکا جائے تاکہ کسی بھی حادثے سے بچا جائے۔ اس اثناء میں جونہی اس نے باہر نکل کر اپنی بیوی کو گلے لگانے کا سوچا تو لیونیلا لوتھاریو کو ساتھ لئے واپس آگئی۔ کیمیلا نے انہیں دیکھتے ہی ہاتھ میں پکڑے خنجر سے اپنے اور لوتھاریو کے درمیان لکیر کھینچتے ہوئے لوتھاریو کو للکارا، "میری بات غور سے سنو: اگر تم نے یہ لکیر عبور کرنے کی کوشش کی یا اس کے نزدیک بھی آئے تو میں یہ خنجر اپنے سینے میں اتار دوں گی۔ میری کسی بھی بات کا جواب دینے سے قبل تم میری بات دھیان سے سنو، پہلی بات تو یہ بتاؤ کہ کیا تم میرے خاوند کو جانتے ہو؟۔ اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ دوسری بات یہ کہ کیا تم مجھے جانتے ہو؟ جواب دو، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اور بغیر زیادہ سوچ بچار کیے کہ میں نے کوئی پہیلیاں نہیں بوجھیں"۔

لوتھاریو کند ذہن نہیں تھا، اس لئے جب کیمیلا نے اسے ایمیلیو کو ان کے منصوبے کے مطابق چھپانے کا کہا تو وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس سے کیا توقع کر رہی ہے۔ وہ اس منصوبے میں اس طرح شامل ہو گیا کہ حقیقت کا گمان ہونے لگا۔ اس نے جواب دیا، "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم مجھ

سے یوں سوال جواب کروگی۔جن کا اس مقصد سے دور دور کا کوئی تعلق نہیں جسکے لئے میں یہاں آیا ہوں۔لیکن اگر اس کا مقصد اس وعدے کو ملتوی کرنا ہے۔جو لمبے عرصے سے تم مجھ سے کر رہی ہو۔میرا گمان نہیں تھا،کہ تم مجھے ان سوالات کے جواب دینے کے لئے بلا رہی ہو جن کا اس مقصد سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں جس کے لئے میں آیا ہوں۔تاھم ،او خوبصورت کیمیلا ! تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمھارے سوالوں کے جواب نہیں دوں گا۔میرا جواب ہے کہ میں اینسیلمو کو بچپن سے جانتا ہوں۔میں اس بارے میں بات نہیں کروں گا کہ تم ہماری دوستی کے بارے میں کیا جانتی ہو۔میں اس غلط کام کا گواہ نہیں بننا چاہتا جو "محبت" مجھ سے کروا رہی ہے۔فاش غلطیوں کے لئے سب سے معروف بہانہ۔ میں تمھیں جانتا ہوں اور میرے نزدیک تمھاری وہی قدر و قیمت ہے جو اینسیلمو کے دل میں ہے ۔اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اپنے مقام اور حیثیت سے گر کر کوئی کام نہ کرتا۔سچی دوستی کا قانون ایک طاقت ور دشمن "محبت" کے زیر اثر ٹوٹ چکا ہے۔"

"اگر تم یہ تسلیم کرتے ہو" کیمیلا نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا،" او تمام محبت کرنے والوں کے جانی دشمن ! تم کس منہ سے اس کا سامنا کرنے کی جرات کرتے ہو جسے تم جانتے ہو کہ وہ آئینہ ہے جس میں اس کے خاوند کا عکس ہے۔تم کیسے اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کر سکتے ہو۔مجھے افسوس ہے۔میں اب سمجھی ہوں کہ تم نے اپنے فرض سے کوتاہی کیسے کی۔یہ ضرور بہ ضرور میری طرف سے تمھیں دی گئی آزادی ہے۔میں اسے بے شرمی نہیں کہہ سکتی کیوں کہ اس میں بری نیت نہیں تھی بلکہ لاپرواہی تھی۔جو عموما" عورتیں نادانی میں احتیاط کی ضرورت نہ سمجھتے ہوئے کر جاتی ہیں۔لیکن اے غدار! میں نے کب تمھاری التجاؤں کا الفاظ میں یا اشاروں سے جواب دیا کہ تم میں تمھاری ناپاک خواہشات کی تکمیل کی امید پیدا ہوئی۔میں نے کب تمھارے محبت بھرے الفاظ سختی سے رد نہیں کئے،؟ میں نے کب تمھارے وعدوں پر یقین کیا اور تمھارے تحائف قبول کئے کہ تم میں غلط خواہشات پالنے کا حوصلہ پیدا ہوا۔؟ میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ کوئی بھی شخص حوصلہ افزائی کے بغیر اتنی دیر تک محبت جیتنے کے لئے ثابت قدم نہیں رہتا۔اس سب کی ذمہ داری میں اپنے سر لیتی ہوں کہ میری لاپرواہی سے تمھارا حوصلہ بڑھا۔میں مجرم ہوں اس لئے میں اپنے آپ کو سزا دوں گی۔تم دیکھو گے،اگر میں اپنے آپ کو سزا دے سکتی ہوں تو تم کو بھی دے سکتی ہوں۔آج اسی لئے میں نے تمھیں یہاں بلایا ہے کہ تم گواہ بنو کہ میں اپنے باعزت خاوند کی مجروح عزت کے لئے قربانی دینے لگی ہوں۔وہ زخم جو تم نے جان بوجھ کر اور میں نے نادانستگی میں اپنے خاوند کی عزت کو دیے

ہیں۔میں پھر یہی کہوں گی کہ یہ سوچ کہ میری لاپرواہی سے یہ سب کچھ ہوا میرے لئے انتہائی ازیت ناک ہے اس لئے میں اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو سزا دواں گی اس لئے کہ اگر کسی اور نے مجھے سزا دی تو میری غلطی سب جان جائیں گے۔۔لیکن مرنے سے قبل میں تمہیں بھی ساتھ لے کر مروں گی تاکہ میرے انتقام کی تسکین ہو۔"

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے کیمیلا اتنی تیزی اور پھرتی سے ننگا خنجر لئے لوتھاریو پر جھپٹی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ خنجر اس کے سینے میں دفن کر دے گی۔خود لوتھاریو بھی فیصلہ نہ کر سکا کہ یہ سب ڈرامہ ہے یا حقیقت۔اس نے اپنی تمام تر قوت اور مہارت سے اس کا حملہ روکا۔کیمیلا نے اتنی حقیقی ڈرامہ بازی کی کہ یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ لوتھاریو کو خنجر نہیں گھونپ سکتی، تو وہ چلائی،" اگر قسمت میرے ساتھ انصاف کرتے ہوئے میری تشفی نہیں کر سکتی تو بھی وہ مجھے ایک حد تک مطمئن کر سکتی ہے۔" اپنی پوری طاقت لگا کر اس نے خنجر والا ہاتھ جسے لوتھاریو نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا چھڑا لیا۔اور خنجر اپنے بائیں بازو اور کندھے کے درمیان چھپاتے ہوئے اپنے آپ کو چبھویا اور پھر غشی کی اداکاری کرتے ہوئے اپنے آپ کو زمین پر گرا دیا۔

لیونیلہ اور لوتھاریو حیران و پریشان کھڑے رہ گئے۔جب کیمیلا کو اپنے ہی خون میں لت پت پڑے دیکھا تو کچھ سمجھ نہ سکے کہ یہ سب کیا ہے۔خوف زدہ اور رکی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ خنجر نکالنے کے لئے جھکا لیکن جب دیکھا کہ زخم بہت معمولی سا ہے تو پرسکون ہو گیا اور خوبصورت کیمیلا کی حاضر دماغی، چالاکی اور ٹھنڈے مزاج کو سراہنے لگا۔اس ڈرامے میں اپنا کردار نبھانے کے لئے لمبے لمبے غمزدہ فقرے۔ بولنے لگا، جیسے کے وہ مر چکی ہو۔نہ صرف اپنے آپ پر بلکہ اس پر بھی جو اس صورتحال کا زمہ دار تھا لعن طعن کرنے لگا۔اسے معلوم تھا کہ اینسیلمو چھپا سن رہا ہے ایسے فقرے بولنے لگا کہ سننے والا کیمیلا کی بجائے اسے مظلوم سمجھے۔لیونیلہ نے کیمیلا کو اٹھا کے بستر پر لٹا دیا۔پھر لوتھاریو سے کہا کہ کسی کو ڈھونڈ کر لائے جو رازداری سے کیمیلا کے زخم کا معائنہ کرے اور علاج کرے۔ساتھ ہی اس سے مشورہ مانگنے لگی کہ وہ مالک اینسیلمو کو اس زخم کے بارے میں کیا بتائے گی۔لوتھاریو نے اسے سمجھایا کہ اس وقت اس کی دماغی حالت ایسی نہیں کہ وہ اسے کوئی بھی مشورہ دے سکے اس لئے وہ جو بہتر سمجھیں کریں لیکن سب سے پہلے اس کا بہتا خون بند کرے اور یہ بھی کہ وہ ایسی جگہ جا رہا ہے۔جہاں اسے کوئی دوبارہ نہ دیکھ سکے۔گہرے دکھ اور افسوس کی اداکاری کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔جب وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں اسے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا تو وہ کیمیلا

کی فنکاری اور لیونیلہ کی حیران کن اداکاری پر محظوظ ہونے سے خود کو روک نہ سکا۔ وہ سوچنے لگا کہ اینسیلمو کو پختہ یقین ہوگیا ہوگا کہ اسے بطور بیوی دوسری پورٹیا (مرچنٹ آف وینس کا ایک کردار) مل گئی ہے۔ اس کا دل اب اینسیلمو سے ملنے اور اپنے جھوٹ سے سچ کو پاش پاش کرنے کا جشن منانے کا کرنے لگا۔

لیونیلہ اس کی ہدایت کے مطابق مالکن کا بہتا خون روکنے لگی جو محض اداکاری کے لئے ضروری تھا۔ تھوڑے سے شراب کے ساتھ زخم دھونے کے بعد کس کر باندھ دیا۔ اس سارے عمل کے دوران وہ مسلسل بولتی رہی۔ گویا اب تک جو کچھ ہوا اگر وہ کافی نہیں تھا تو اب اینسیلمو یقین کر لے کہ اس کی بیوی پاکبازی کا مجسمہ ہے۔ لیونیلہ کی خود کلامی میں کیمیلا نے اپنے مؤقف کا اضافہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو بزدل اور کم ہمت قرار دیا، کہ جب اسے ناپسندیدہ ترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمت کی ضرورت تھی وہ ہمت ہار بیٹھی۔ اس نے اپنی ملازمہ سے بارہا مشورہ کیا، آیا وہ یہ سب کچھ اپنے محبوب خاوند کو بتا دے۔ لیکن ملازمہ نے اسے ہمیشہ ایسا کرنے سے روکا۔ اس طرح بتانے سے خاوند پر لوتھاریو سے انتقام لینا فرض ہو جاتا جس سے اینسیلمو کی جان کو بھی خطرہ ہوتا، اس لئے اچھی بیویوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے خاوندوں کو ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں سے دور رکھیں۔ کیمیلا کو اس کا مشورہ پسند آیا۔ لیکن اس وقت ضروری امر یہ ہے کہ اس زخم کے بارے میں اینسیلمو کو کیا بتایا جائے، جس پر لیونیلہ نے معزرت کرتے ہوئے کہا کہ وہ مزاق میں بھی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ جس پر کیمیلا نے کہا کہ پھر وہ کیا کرے۔ اسے جھوٹ گھڑنا نہیں آتا۔ جب کہ اس وقت اس کی زندگی کا انحصار اسی جھوٹ پر ہے۔ اگر ہم اس سے نکلنے کا راستہ نہیں ڈھونڈ سکتے تو پھر یہی بہتر ہے کہ اینسیلمو کو سارا سچ بتا دیا جائے۔ "فکر نہ کریں، میری مالکن!" لیونیلہ نے تسلی دی۔ " آج اور کل کے درمیان کافی وقت ہے کچھ نہ کچھ سوچ لیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زخم جس جگہ ہے وہاں چھپانا آسان ہو، قدرت ہمارے نیک مقصد کے لئے ضرور ہماری مدد کرے گی۔ آپ اپنے آپ کو سنبھالیں، اپنی توانائی بحال کریں۔ آقا آپ کو اس حالت زار میں نہ دیکھیں۔ باقی مجھ پر اور خدا پر چھوڑ دیں جو ہمیشہ اچھی نیت والوں کی مدد کرتا ہے۔

این سیلمو نے اپنی عزت کے جنازے کا المیہ بڑے غور سے دیکھا اور سنا۔ جسے اداکاروں نے کمال مہارت سے اور غیر معمولی متاثر کن جذبات سے کھیلا، جس پر حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ اب وہ نہاں سے نکلنے کے لئے رات کے انتظار میں تھا تا کہ اپنے بہترین دوست لوتھاریو

کے پاس جا کر اپنی خالص ہیرے جیسی قیمتی بیوی ملنے کی خوشی منا سکے۔ دونوں مالکن اور ملازمہ نے اسے وہاں سے نکلنے کا وقت اور موقع مہیا کیا۔ جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ وہاں سے نکلا اور فوراً لوتھاریو کو ڈھونڈنے چل پڑا۔ یہ بیان کرنا بہت مشکل ہے کہ اسے تلاش کرنے کے بعد وہ کس طرح اس کے گلے ملا اور اپنی خوشی کے اظہار کے لئے کیا الفاظ ادا کئے اور کس طرح کیمیلا کی تعریفوں کے پل باندھے۔ لوتھاریو نے یہ سب بغیر کوئی خوشی کا تاثر دیئے سنا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کا دوست کتنے بڑے دھوکے میں ہے۔ اور اس نے اسے دھوکہ دے کر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔۔ اینسلمو نے لوتھاریو کے رویے کو محسوس کر لیا لیکن اس کے خیال میں اس کا سبب کیمیلا کا زخمی ہونا ہے۔ اس نے اسے دلاسہ دیا کہ پریشان نہ ہو، انہوں نے اس سے زخم چھپانے کا فیصلہ کیا ہے۔ زخم معمولی ہے اس لئے فکر کی کوئی بات نہیں۔ میرے ساتھ خوشی مناؤ" وہ خود اس وقت بہت زیادہ خوش تھا۔ اس نے کیمیلا کی تعریف میں ایسی شاعری کرنے کی تجویز پیش کی، جس سے اس کا نام آنے والے زمانوں میں محفوظ ہو جائے۔ لوتھاریو کو یہ تجویز پسند آئی اور اپنا حصہ ڈالنے کا وعدہ کیا۔

اس وقت اینسلمو دھوکہ کھایا ہوا دنیا کا بدقسمت ترین شخص تھا اور جس دوست کو وہ اپنی خوشی کا سبب سمجھ رہا تھا وہی اس کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار تھا۔ جسے اب کیمیلا بظاہر بے رخی سے ملتی لیکن من خوشی سے بھرا ہوتا۔ کچھ مہینوں تک یہ دھوکہ بازی چلتی رہی۔ پھر قسمت نے پانسہ پلٹا اور جس جرم کو ابھی تک بڑی خوبصورتی سے چھپایا گیا تھا وہ طشت از بام ہو گیا۔ اور اینسلمو نے اپنے احمقانہ تجسس کی قیمت اپنی زندگی دے کر ادا کی۔

اینسلمو اپنی بیوی کی پاکیزگی پر مطمئن خوشی سے بھرپور زندگی گزارنے لگا۔ کیمیلا جان بوجھ کر لوتھاریو سے گریز پا رہتی تا کہ اینسلمو پر اس کے اصل جذبات عیاں نہ ہوں۔ اس میں مزید حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے لوتھاریو نے اینسلمو کی منت سماجت کی کہ اسے پہلے کی طرح بکثرت ان کے گھر آنے جانے سے معاف رکھا جائے کیوں کہ اس کے آنے پر کیمیلا کی ناپسندیدگی صاف نظر آتی ہے۔ لیکن احمق جنونی اینسلمو نے یہ سب ماننے سے انکار کر دیا۔ لیونیلا سب سے زیادہ پر اعتماد اور خوش تھی کہ اب اس کے عاشق کو گھر کے اندر رکھنے میں اس کی مالکن اس کی زیادہ مدد کرے گی۔ آخر کار ایک دن اینسلمو نے لیونیلا کے کمرے کی طرف سے قدموں کی چاپ سنی، یہ دیکھنے کے لئے کہ وہاں کون ہے جب اس نے وہاں داخل ہونے کی کوشش کی تو اسے پتہ چلا کہ کمرہ اندر سے مقفل ہے۔ جس پر اس کا شک بڑھا اور اس نے اندر داخل ہونے کا پختہ ارادہ کرتے

ہوے دروازے پر طاقت کا بھرپور استعمال کیا۔دروازہ کھل گیا، وہ عین اس وقت اندر داخل ہوا ،جب اس نے ایک شخص کو کھڑکی کے راستے چھلانگ لگا کر گلی میں بھاگتے دیکھا۔وہ اس کے پیچھے بھاگا تاکہ اسے پکڑ لے یا کم از کم اسے معلوم ہو جائے کہ وہ کون ہے۔لیکن لیونیلہ اس سے چمٹ گئی اور رورو کر دہائی دینے لگی، "پرسکون ہو جایئے، میرے آقا! جو بھاگ گیا اس کا پیچھا نہ کریں۔یہ میرا معاملہ ہے وہ میرا خاوند ہے۔"

اینسلمو نے اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے خنجر نکل لیا اور لیونیلہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے سچ سچ نہ بتایا تو وہ اسے ابھی وقت قتل کر دے گا۔خوف زدگی کے عالم میں اسے کچھ سمجھ نہ آئی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، چلائی، "مجھے قتل نہ کریں۔۔۔۔میں آپ کو زیادہ اہم معلومات دوں گی۔" "فوراً بتاؤ، ورنہ تم اپنے آپ کو مردہ تصور کرو۔" اینسلمو نے اسے مزید دھمکاتے ہوئے کہا۔ "اس وقت نہیں اس وقت میں بولنے کے قابل نہیں۔مجھے کل تک موقع دیں۔میں آپ کو حیران کن معلومات دوں گی۔لیکن یقین کریں جو شخص کھڑکی سے کود گیا ہے، وہ اس شہر کا معزز نوجوان ہے اور میرا شوہر ہے۔اس دوران اینسلمو تھوڑا پرسکون ہو گیا اور جو مہلت اس نے مانگی تھی دینے پر راضی ہو گیا۔اس کے وہم وگمان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ یہ انکشافات اس کی بیوی کیمیلا کے حوالے سے ہوں گے۔وہ کمرے سے نکلا باہر سے کمرہ مقفل کیا، اسے تنبیہ کی کہ جب تک وہ ساری بات بتا نہیں دیتی وہ یہاں سے نکل نہیں سکتی۔

اس کے بعد وہ فوراً کیمیلا کے پاس گیا، اسے جو کچھ ہوا تھا سب بتا دیا۔یہ بھی کہ اس نے اسے بہت اہم معلومات دینے کا وعدہ کیا ہے۔یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ سب سن کر کیمیلا کتنی پریشان ہوئی۔اسے یقین ہو گیا کہ لیونیلہ اس کی بے وفائی کے بارے میں سب کچھ اینسلمو کو بتائے گی۔اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اپنے اس شک کے درست ہونے کا انتظار کرتی۔اسی رات جب اسے یقین ہو گیا کہ اینسلمو سو گیا ہے اس نے اپنے قیمتی زیورات اور رقم اکٹھی کی اور بغیر کسی کی نظروں میں آئے گھر سے فرار ہو کر وہ لوتھاریو کے پاس پہنچ گئی۔اسے سارے واقعات سنائے اور التجا کی کہ اسے یا تو کسی محفوظ جگہ پہنچا دے یا دونوں کسی ایسی جگہ جو اینسلمو کی پہنچ میں نہ ہو بھاگ جائیں۔لوتھاریو کے لئے یہ سب اس قدر اچانک تھا کہ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا۔وہ ایک لفظ نہ بول پایا۔آخر کار اس نے کیمیلا کو راہبات کی خانقاہ لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔جہاں اس کی بہن ان کی سربراہ تھی۔جتنی تیزی ممکن ہو سکتی تھی اتنی تیزی سے لوتھاریو نے کیمیلا کو خانقاہ پہنچایا اور خود کسی

کو کچھ بتائے بغیر شہر چھوڑ گیا۔

جب صبح ہوئی تو انسیلمو کیمیلا کی بستر پر غیر موجودگی محسوس کئے بغیر لیونیلہ سے اہم انکشافات سننے کے تجس میں لیونیلہ کے کمرے میں پہنچا۔ قفل کھول کر اندر داخل ہوا لیکن لیونیلہ وہاں موجود نہیں تھی۔ کھڑکی کے ساتھ کچھ چادریں بندھی ہوئی تھیں، جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ان کے ذریعے کھڑکی سے اتر کر فرار ہو چکی ہے۔ وہ بے چین واپس آیا تا کہ کیمیلا کو بتائے لیکن وہ اسے بستر پر تو کیا پورے گھر میں نہیں ملی۔ اب اس کی پریشانی انتہا کو پہنچ گئی۔ ملازمین سے پوچھ گچھ کی لیکن اسے کچھ پتا نہ چل سکا۔ تب اسے تلاشی کے عمل کے دوران کیمیلا کے صندوق کھلے پڑے ملے جن سے زیادہ تر زیورات غائب تھے۔ تب اسے اپنی تباہی کا احساس ہوا اور یہ بھی کہ اس کی بدقسمتی کا سبب لیونیلہ نہیں تھی۔ اب وہ جس حالت میں تھا اسی طرح اپنی بربادی کی داستان سنانے اپنے دوست لوتھاریو کی طرف بھاگا۔ وہاں جا کر اسے معلوم ہوا کہ لوتھاریو تو ساری رات گھر پر نہیں تھا، اور یہ بھی کہ وہ جاتے ہوئے تمام رقم ساتھ لے گیا ہے۔ اسے لگا وہ اپنے ہوش کھو دے گا۔ سونے پر سہاگہ جب وہ اپنے گھر واپس آیا تو اس نے اسے ویران اور خالی پایا۔ کوئی ایک مرد یا عورت ملازمہ گھر پر نہیں تھی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی ایک ایک کرکے اس کی ساری حسیں/حسیات کام کرنا بند کر گئیں۔ اس نے اپنی حیثیت کا جائزہ لیا تو اپنے آپ کو بغیر بیوی، بغیر دوست، اور بغیر ملازمین کے پایا۔ قدرت نے اسے تنہا کر دیا تھا۔ سب سے بڑھ کر عزت و تکریم سے محروم۔ کیمیلا کے فرار میں اس کی تباہی و بربادی تھی۔

کافی سوچ بچار کے بعد اس نے اپنے اس دیہاتی دوست کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا جس کے گھر شروع میں جا کر اس نے اپنی بربادی کی شروعات کا موقع فراہم کیا تھا۔ گھر کو تالہ لگایا۔ گھوڑے پر سوار ہوا، شکست خوردہ روح کے ساتھ روانہ ہوا۔ بمشکل آدھا رستہ طے کیا ہو گا کہ اپنی سوچوں سے گھبرا کر گھوڑے سے اتر پڑا، آہیں بھرتا ہوا رات کی تاریکی پھیلنے تک وہاں رکا رہا۔ تب اس نے ایک گھوڑ سوار کو شہر کی جانب سے آتے دیکھا۔ اس سے اس نے شہر کی خبروں کے بارے میں پوچھا۔ شہری نے اسے بتایا کہ ایک عجیب و غریب بات شہر میں پھیل ہوئی ہے کہ شہر کے امیرزادے انسیلمو کا دوست لوتھاریو جو سامگیوانی / Samgiovanni میں رہتا تھا، رات کو اس کی بیوی کیمیلا کو لے کر فرار ہو گیا ہے۔ اور لاپتہ ہے۔ یہ سب کچھ کیمیلا کی خادمہ نے گورنر کو اس وقت بتایا جب اسے گورنر نے پچھلی رات چادروں کے ذریعے کھڑکی سے اترتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔ مجھے اس

سارے معاملے کی تفصیلات معلوم نہیں ۔میں بس اتنا جانتا ہوں کہ سارا شہر حیران ہو رہا ہے کہ دونوں دوستوں کی دوستی کی وجہ سے یہ ناممکن سی بات لگتی ہے ۔۔وہ تو ''دو دوست کے نام سے جانے جاتے تھے ۔اینسیلمو نے اس سے پوچھا'' کیا یہ معلوم ہوا کہ وہ دونوں کس جانب گئے ہیں؟''

''نہیں کچھ پتہ نہیں اگر چہ گورنر نے یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی'' خدا آپ کا مددگار ہو جناب !اینسیلمو نے اسے الوداعی کلمات کہے۔''خدا آپ کا بھی مددگار ہو'' شہری نے جواب دیا اور اپنے رستے پر چل پڑا۔

یہ دلگیر خبر ہوش وحواس کھونے کے ساتھ ساتھ زندگی بھی کھونے کے مترادف تھی ۔وہ ہمت جمع کر کے اٹھا اور بمشکل دوست کے پاس پہنچا۔۔اس کا دوست ابھی تک اس کی بدنصیبی سے بے خبر تھا۔لیکن جب اس کا بے رنگ پیلا زرد، تھکا ماندہ چہرا دیکھا تو یہی سمجھا کہ وہ کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہے۔اینسیلمو نے فوراً اس سے التجا کی کہ اسے اس کے کمرے میں لے جائیں اور لکھنے کا سامان مہیا کیا جائے۔دوست نے ایسا ہی کیا، اسے کمرے میں اکیلا چھوڑ دیا۔اس کی خواہش پر کمرہ بند کر دیا گیا۔تنہائی ملنے پر اس کی بدقسمتی اتنی بوجھل ثابت ہوئی کہ اسے موت کے آثار نظر آنے لگے ۔اس وقت اس نے اس انجام تک پہنچنے کی ساری تفصیل لکھنے کا فیصلہ کر لیا۔اس نے لکھنا شروع کر دیا لیکن جلد ہی اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں اور اس نے اپنی زندگی ان مصائب کے آگے جو اس کی اپنی احمقانہ تجسس کا نتیجہ تھے ہار دی۔اس کے دوست نے یہ سوچتے ہوے کہ کافی دیر ہو چکی ہے اور وہ باہر نہیں آیا خود جا کر معلوم کرنے کا فیصلہ کیا کہ آیا اس کی حالت بہتر ہوئی کہ نہیں؟ ۔کمرے میں داخل ہونے پر اس نے اینسیلمو کو منہ کے بل گرے ہوئے پایا۔اس کا جسم آدھا پلنگ پر اور آدھا لکھنے والی میز پر تھا۔لکھنے والے کاغذ بکھرے پڑے تھے ۔قلم ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ پہلے تو اس نے اسے ہلایا جلایا لیکن جواب نہ ملنے پر اس کے نزدیک آ کر اس کے ہاتھ پکڑے جو بلکل ٹھنڈے تھے ۔وہ سمجھ گیا کہ اس کا دوست مر چکا ہے۔۔حیران و پریشان اس نے گھر کے دیگر افراد کو بلایا تا کہ وہ اس بدقسمت حادثے کے گواہ بنیں ۔پھر اس نے کاغذات پڑھنے شروع کیے ۔ان میں لکھا تھا۔

''بے وقوفانہ اور احمقانہ خواہش نے مجھ سے میری زندگی چھین لی ۔اگر میری موت کی خبر کیمیلا تک پہنچے تو اسے بتایا جائے کہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے ۔کہ اس سے معجزوں کی توقع کرنا غلط تھا آپنی بدنصیبی کی وجہ میں خود ہوں ۔اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔

بس اتنا ہی ایبیلو لکھ پایا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ فقرہ مکمل کرنے سے پہلے ہی موت نے اسے آلیا۔ اگلے دن ایبیلو کے رشتہ داروں کو اس کی موت کی خبر بھیج دی گئی۔ جنھیں پہلے ہی سارے واقعے کی اطلاع مل چکی تھی اور کیمیلا کی پناہ گاہ کا بھی پتا چل چکا تھا۔ جہاں کیمیلا بھی اسی سفر آخرت پر اپنے خاوند کی ہمسفر بننے کے لیے تیار تھی۔ لیکن اس کی وجہ خاوند کی موت نہیں بلکہ اپنے عاشق کا اسے چھوڑ کر چلے جانا تھا۔ اگرچہ اب وہ بیوہ تھی لیکن وہ خانقاہ چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی حالاں کہ وہ راہبہ بننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں اسے مونسیو ڈی لاٹریس/ Monsieur de Lautrec اور عظیم کپتان گونزیلو فرینڈس ڈی کورڈوبا کے درمیان نیپلز میں لڑی جانے والی جنگ میں لوتھاریو کی ہلاکت کی خبر ملی۔ یہ خبر سن کر کیمیلا نے اپنا نقاب اتار دیا۔ اور رنج وغم اور اداسی کا شکار ہو کر مر گئی۔

یہ تھا احمقانہ شروعات کا عبرت ناک انجام

○

تعارف مصنف: فرانز کافکا

کافکا 1883 میں پراگ (موجودہ چیکوسلواکیہ) میں ایک عام یہودی گھرانے میں پیدا ہوا۔ باپ سخت گیر تھا۔ پدرانہ حاکمیت اس وقت کا سماجی دستور تھا۔ ماں کی طرف سے ہٹ دھرمی، حساسیت، انصاف پسندی اور طبیعت میں بے چینی و بے قراری وراثت میں ملے تھے سیاسی افق پر پراگ آسٹرو ہنگری شہنشاہیت کا حصہ تھا۔ جو پہلی جنگ عظیم کے بعد قومی ریاستوں میں تقسیم ہونے جا رہا تھا۔ شمال میں جرمنی کا اثر ورسوخ بڑھ رہا تھا۔ کافکا اٹھارہ سال کی عمر میں پراگ یونیورسٹی میں داخل ہوا۔ قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

وہ بچپن سے کتابوں کا رسیا تھا۔ یونیورسٹی کی پڑھائی کے دوران وہ جرمن سٹوڈنٹس یونین کا ممبر رہا۔ اس عرصے میں اس کی ملاقات وقت کے مایہ ناز لوگوں سے ہوئی۔ البرٹ آئن سٹائن اس وقت پراگ یونیورسٹی میں لیکچرار تھا اس سے اور ڈاکٹر روڈلف سٹینر/ Dr Rudolf Steiner سے ملنے کا موقعہ ملا۔

کافکا نے اپنے آپ سے عہد کر لیا تھا کہ وہ اپنی تخلیقی ادبی صلاحیتوں کو آمدن کا زریعہ نہیں بنائے گا، اسی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے وقت کی کمی کا شکار رہا۔ 1911 اور 1912 کے بعد اس کی پہلی مختصر کہانیوں کا مجموعہ استغراق/ Meditation کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ کافکا فطرتاً تنہا پسند تھا۔ وہ عموماً اکیلا پراگ کے پارکوں میں دکھائی دیتا تھا۔ لیکن اگر کوئی دوست ایسے میں اس کی تنہائی میں مخل ہوتا تو وہ برا بھی نہیں مناتا تھا۔ تاہم وہ

اپنی ذات پر گفتگو کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

کافکا جب اکتیس سال کا تھا تو جنگ عظیم اوّل شروع ہوگئی۔ تب اس نے والدین کا گھر چھوڑ کر خود مختار زندگی کا آغاز کیا۔ اپنی 1914 کی لکھی گئی ڈائری میں وہ جنگ کے حوالے سے لکھتا ہے۔ "میں اپنے اندر لڑنے والوں کے لئے تنگ دلی، شک اور نفرت کے جذبات محسوس کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کے ان کے ساتھ برا ہو۔"

اکیالیس سال کی عمر میں وہ کیرلنگ سینی ٹوریم جو ویانا سے کچھ فاصلے پر تھا تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا، اسے پراگ کے یہودی قبرستان میں دفنایا گیا۔ مرتے وقت وہ کوئی مشہور انسان نہیں تھا۔ اس کی زیادہ تر تخلیقات اس کے مرنے کے بعد اس کے دوست نے اس کی وصیت کی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شائع کیں۔

اس کی تین بہنوں اور ایک کزن کو دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن کیمپس میں مار دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے اس حادثے کی پیش گوئی اپنی زندگی میں کر دی تھی۔

جون 1914 میں کافکا کی ملاقات برلن کی ایک خاتون Baur سے ہوئی۔ ان کی منگنی ہوگئی، جو 1917 میں ٹوٹ گئی۔ پھر وہ Julie Wohryzek سے منسوب ہوا۔ اور جب اس سے تعلق ٹوٹا تو وہ Miliena Jesenska جو ایک چیک جرنلسٹ تھی سے خط و کتابت کرنے لگا، جس نے کافکا کی کہانیوں کو جو جرمن زبان میں لکھی گئی تھیں چیک زبان میں ترجمہ کیں۔ اس دوران وہ بیمار ہوگیا۔ اس بارے میں اس نے سینی ٹوریم سے ملیینا کو خط لکھے۔ کافکا کی زندگی میں آنے والی آخری خاتون Dora Diamanté's تھی جس نے کافکا کی زندگی کے آخری مہینوں میں اس کی خدمت کی۔

دی ٹرائل

(تلخیص)

یہ ناول جوزف کے نامی شخص کی داستان ہے۔ جس کو ایک جھوٹے الزام کے سلسلے میں ل یہ بظاہر انتہائی پیچیدہ عدالتی نظام سے واسطہ پڑتا ہے۔ کہانی کچھ ایسے شروع ہوتی ہے کہ ایک صبح جب ہیرو سو کر اٹھتا ہے تو کچھ لوگ اس کی رہائش گاہ پر موجود ہوتے ہیں جو اسے بتاتے ہیں کہ اسے گرفتار کیا جاتا ہے۔ ناول کی ابتداء ہی انتہائی مضحکہ خیز صورتحال سے ہوتی ہے، کہ جس الزام کے تحت اسے گرفتار کیا جا رہا ہے اس کی نوعیت سے ملزم کو مطلع نہیں کیا جاتا، اور نہ ہی مرتے دم تک اسے پتہ چل سکا کہ وہ کس جرم میں مارا جا رہا ہے۔

نہ ہی بوقت گرفتاری ملزم کو کسی عدالت سے جاری شدہ وارنٹ دکھائے جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ گرفتاری بھی بس رسمی سی ہے۔ ملزم کو اپنے روزمرہ کے معمولات زندگی جاری رکھنے کی اجازت ہے۔ وہ معمول کے مطابق اپنے بینک جہاں وہ سینئر کلرک ہے جا سکتا ہے۔

جب ملزم گرفتار کرنے والوں میں سے اس شخص سے جسے انسپکٹر کہ کر پکارا جا رہا ہے پوچھتا ہے کہ،

نمبر ا = اس پر الزام کس نے لگایا ہے؟

نمبر ۲: ان الزامات پر کاروائی کرنے والی اتھارٹی کون ہے؟

نمبر ۳: کیا آپ لوگ عدالتی افسران ہیں ۔؟ اگر ہیں تو آپ سب نے عدالتی یونیفارم کیوں نہیں پہنا ہوا؟

تو انسپکٹر اس کے کسی سوال کا جواب دینے کی بجائے اسے نصیحت کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہونے والا ہے اس پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔

پورے مقدمے کے دوران جو ایک سال کے عرصے پر محیط ہے اسے صرف ایک بار مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔

مجسٹریٹ نے نے ملزم سے صرف اتنا پوچھا کہ "کیا تم لوگوں کے گھروں میں پینٹ کرتے ہو؟"

جس پر ملزم نے وضاحت کی کہ وہ ایک بینک میں سینئر کلرک ہے اور یہ کہ اس کے خلاف اسے رنگ ساز سمجھنے کی غلط فہمی کی بنیاد پر مقدمہ قائم کیا جا رہا ہے۔اس نے یہ بھی وضاحت کی کہ اس کی گرفتاری کے پیچھے ایک بہت بڑی تنظیم کا ہاتھ ہے۔جس نے بد دیانت اور کرپٹ کارندے مجسٹریٹ سمیت بھرتی کر رکھے ہیں۔اس تنظیم کا مقصد معصوم لوگوں کو کسی بھی الزام کا مرتکب قرار دے کر ان کے خلاف مقدمہ چلانا اور اس طرح خوف و ہراس پھیلانا ہے۔

یہ ملزم کی کسی بھی عدالت میں پہلی اور آخری پیشی ہے۔اس کے بعد ملزم کو کسی بھی انکوائری یا پیشی کا کوئی نوٹس موصول نہیں ہوتا۔لیکن ملزم کے خلاف مقدمہ قائم ہونے کو نامعلوم طریقوں سے لوگوں میں پھیلایا جاتا ہے۔کہ ملزم آزاد گھومنے پھرنے کے باوجود ہراساں رہتا ہے۔

کچھ عرصہ بعد ملزم/ہیرو کا انکل مقدمہ کے بارے میں کن کرگاؤں سے اس کے پاس آتا ہے اور اسے زبردستی اپنے وکیل دوست کے پاس لے جاتا ہے۔

وکیل ججوں اور عدالتی افسران کے ساتھ اپنے دوستانہ تعلقات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ وکیل بھی ملزم سے مقدمہ کے حوالے سے کوئی معلومات نہیں لیتا۔یہاں ملزم/ہیرو وکیل سے زیادہ اس کی ملازمہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔یہ خاتون بھی اسے اپنے اثر ورسوخ استعمال کر کے اس کی مدد کرنے کی پیشکش کرتی ہے۔

وکیل مقرر ہو جانے کے بعد بھی مقدمے میں کوئی پیش رفت نہیں ہوتی۔ملزم ہر وقت ذہنی پریشانی میں مبتلا رہتا ہے،جس کی وجہ سے اسکی بینک میں کارکردگی پر اثر پڑتا ہے۔انہی پریشان کن حالات میں اسے بینک کا ایک مؤکل ایک ایسے آرٹسٹ کے پاس جانے کا مشورہ دیتا

ہے جو ججوں اور عدالتی افسران کے پورٹریٹ بناتا ہے۔ وہ آرٹسٹ بھی اسے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس کی مدد کرنے کی یقین دھانی کرواتا ہے۔

مقدمہ کی کاروائی میں التوا اور کوئی پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والی غیر یقینی صورت حال ملزم کے حواس پر چھائی رہتی ہے۔ اس ذہنی کیفیت میں وہ اپنے وکیل کو فارغ کر کے اپنا دفاع خود کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ لیکن اس کا اسے موقعہ ہی نہیں ملتا۔ ایک سال کا عرصہ بیت چکا ہے، اچانک اسے اطلاع ملتی ہے کہ اس کے مقدمے کا فیصلہ اس کے خلاف ہو گیا ہے۔ اسے ملزم سے مجرم قرار دیا جا چکا ہے۔ انتہائی بے رحم طریقے سے اسے چاقو گھونپ کر مار دیا جاتا ہے۔

انجام تک پہنچنے سے پہلے ناول کا نواں باب گرجا گھر/ 'The Cathedral' کا مطالعہ ضروری ہے۔ ناول میں اگر یہ باب نہ ہوتا اور ہیرو کی موت پر ناول ختم ہو جاتا تو بات سیدھی اور صاف تھی، لیکن نویں باب کی موجودگی ناول کے سارے مفہوم کو بدل دیتی ہے۔

بینک کی جانب سے ملزم/ ہیرو کو ایک غیر ملکی موکل کو شہر کی سیاحت کرانے کا فریضہ سونپا جاتا ہے۔ بروز اتوار شہر کے سب سے بڑے گرجا گھر میں صبح دس بجے ملاقات طے پاتی ہے۔ لیکن جب ملزم/ ہیرو وہاں پہنچتا ہے تو اس کا موکل وہاں موجود نہیں ہوتا۔ اتنے میں موسم کا رنگ ڈھنگ بدلنے لگتا ہے۔ گرجا گھر کی ویرانی ماسوائے ایک مشکوک شخص کی موجودگی، بارش کے ساتھ بڑھتی تاریکی ماحول کو پر اسرار بنا رہی ہے۔ ایسے میں پادری نمودار ہوتا ہے۔ ہیرو/ملزم واپسی کے ارادے سے دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ لیکن پادری کی آواز پر جو اسے اس کا نام لے کر پکارتا ہے اس کے بڑھتے قدم رک جاتے ہیں۔ پادری ملزم سے اس کے مقدمے کی بابت پوچھ کر اسے حیران کر دیتا ہے۔ اور پھر اپنا تعارف کرواتا ہے کہ وہ جیل کا پادری ہے۔ ملزم پادی کو اپنی معصومیت اور عدالتی کاروائی کا اپنے خلاف متعصبانہ روے کے بارے میں بتانے کی کوشش کرتا ہے۔ جس پر پادری اسے بتاتا ہے کہ وہ واقعات مقدمہ کو غلط انداز میں پیش کر رہا ہے۔ فیصلہ کبھی یونہی اچانک نہیں ہو جاتا بلکہ مقدمہ کی کاروائی آہستہ آہستہ آخری فیصلے تک پہنچتی ہے۔ پادری اسے مزید بتاتا ہے کہ وہ عدالت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہے۔ ہمارے مسودہ قانون کے دیباچے میں اس غلط فہمی کو ایک تمثیل سے واضح کیا گیا ہے۔

تمثیل

انصاف/ قانون کے دروازے کے سامنے ایک پہریدار کھڑا ہے۔ اس کے پاس ایک دیہاتی آتا ہے اور دروازے سے اندر جانے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ تاکہ وہ قانون و انصاف تک رسائی حاصل کر سکے۔ پہریدار اسے بتاتا ہے، "وہ اس وقت اسے داخلے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ وہ دیہاتی کچھ سوچ کر پوچھتا ہے" تو کیا بعد میں اسے داخلے کی اجازت ہو گی؟"

"یہ ممکن ہے" پہریدار نے جواب دیا" لیکن اس وقت ممکن نہیں"

چوں کہ دروازہ کھلا تھا، پہریدار بھی ایک طرف ہٹ گیا تھا اس لئے دیہاتی نے جھک کر اندر جھانکنے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر پہریدار ہنستے ہوئے اسے کہتا ہے، اگر اس کی خواہش اتنی شدید ہے تو اس کی اجازت کے بغیر اندر جانے کے کوشش کرے لیکن یہ یاد رکھے کہ میں بہت طاقت ور ہوں۔ آگے ہر دروازے پر الگ الگ پہریدار موجود ہیں جو ایک دوسرے سے بڑھ کر طاقت والے ہیں۔ دیہاتی کو انصاف کی رسائی میں اتنی مشکلات کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہر شخص ہر وقت انصاف تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ انتظار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ پہریدار اسے دروازے کے ایک طرف سٹول پر بیٹھنے کے اجازت دے دیتا ہے۔ وہاں وہ دنوں، مہینوں بلکہ سالوں بیٹھا انتظار کرتا ہے۔ اس دوران بار بار داخلے کی اجازت مانگتا ہے، اس کی یہ مستقل مزاجی پہریدار کو تھکا دیتی ہے، لیکن پھر بھی وہ کبھی کبھار دیہاتی سے گفتگو کر لیتا ہے۔ دیہاتی جو زادِ راہ لایا تھا وقتاً" فوقتاً" پہریدار کو رام کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ دیتا رہتا ہے۔ پہریدار اس سے یہ تحائف یہ کہہ کر قبول کرتا ہے کہیں تمہیں یہ افسوس نہ ہو کہ تم نے اپنی پوری کوشش نہیں کی۔ اس تمام عرصے میں دیہاتی اس پہرے دار کو قانون کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا رہتا ہے۔ باقی پہرہ داروں کا تصور بھی اس کے دماغ سے نکل جاتا ہے۔

آخر کار اس کی آنکھوں کی روشنی مدھم پڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ اسے سمجھ نہیں آتی کہ آیا دنیا میں تاریکی پھیل رہی ہے یا اس کی آنکھیں اسے دھوکا دے رہی ہیں۔ لیکن اس تاریکی میں بھی اسے دروازے کے اندر سے باہر آتی چمکدار روشنی نظر آتی جو بجھائی نہیں جا سکتی۔ اب اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے کے قریب آ گیا۔ اس نے یہاں اپنے قیام کے دوران جو سیکھا وہ ایک سوال کی صورت اس کے دماغ میں ابھرا تو اس نے پہریدار سے پوچھا" ہر شخص اپنی زندگی میں

انصاف/سچائی کے حصول کی کوشش کرتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے علاوہ آج تک کوئی اور اس دروازے پر نہیں آیا۔" پہریدار سمجھ گیا کہ دیہاتی کا آخری وقت آپہنچا ہے۔ اس نے جواب دیا، "یہ دروازہ صرف اور صرف تمہارے لئے مخصوص تھا، تمہارے علاوہ اس میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا، اب میں اسے بند کرنے لگا ہوں۔"

(تجزیہ)

اپنے ظاہری مفہوم میں ناول بہت سادہ اور واضح ہے۔ معاشرے کی عکاسی ہے۔ جس میں بظاہر سکون ہے لیکن یہ سب ایک خوف کے زیر اثر ہے۔ بااثر قوتیں من مانی کرتی ہیں۔ انصاف اور عدالتوں کے نام پر ظلم پروان چڑھ رہا ہے۔ لیکن نویں باب میں جو فلسفیانہ بحث پادری اور ہیرو کے درمیان ہوتی ہے اور اسی باب میں جو تمثیل بیان ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ناول کے عنوان The Trial / کے ظاہری معنی تو مقدمہ کے ہیں، لیکن اصل معنی آزمائش، امتحان، کوشش اور حق و انصاف کے حصول کی جدو جہد ہے۔ ناول کا نام بھی استعارہ ہے۔ اس سے مراد زندگی بذات خود آزمائش اور امتحان ہے۔

مصنف جب پادری سے کہلواتا ہے۔ "انسان کی زندگی کے بہت سارے سال جو اسے زندگی کی بلوغت تک پہنچنے میں لگتے ہیں، وہ محض رسمی ہوتے ہیں۔ اسے ایک ذمہ دار اور جواب دہ انسان بننے کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ انسانی زندگی میں خاطر خواہ حصہ ڈالنے کے لئے آدمی کی آزادانہ خواہش ضروری ہے۔ اسی طرح اس عمل میں حصہ نہ ڈالنا بھی اس کی آزادانہ مرضی پر منحصر ہے"

دنیا ایک سٹیج ہے۔ اور ناول میں انسان کی نمائندگی ہیرو/ملزم کر رہا ہے۔ وہ حق و انصاف اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس رستے پر اس کو بہت سی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ جن میں سب سے بڑی رکاوٹ کی نمائندگی پہرہ دار کر رہا ہے۔ جو ناول میں ناقص قانونی نظام کی بنیلی سیڑھی ہے۔

دنیا میں رائج قانونی، عدالتی نظاموں میں کہیں بھی، نہ تو شہنشاہیت میں اور نہ ہی فوجی ڈکٹیٹر شپ میں ایسا عدالتی نظام ملتا ہے، جیسا ناول میں دکھایا گیا ہے۔ سرے سے کوئی مقدمہ ہے

ہی نہیں ماسوائے مقدمہ کے خوف کے۔ یہی خوف انسان کے اندر حقیقی زندگی میں ہر وقت موجود رہتا ہے۔ اور جب وہ اسے دور کرنے کے لئے سچائی کی تلاش میں نکلتا ہے تو اس دیہاتی کی طرح پہلی ہی رکاوٹ پر بے بس بیٹھ جاتا ہے۔

انسان کو اس کے راستے پر چلنے سے ہٹانے کے لئے عوامل خود اس کی فطرت میں ہی موجود ہیں۔ جیسے نفس کی غلامی، جس میں مبتلا ہو کر ہیرو بار بار عورتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی توجہ مقدمہ سے ہٹ جاتی ہے۔

بنیادی طور پر انسان سہل پسند ہے۔ اس راستے پر چلنے کے لئے پہریدار کا طاقت ور ہونا اور بقیہ پہریداروں کا خوف اس میں خود اعتمادی کے فقدان کو ظاہر کرتا ہے۔ بجائے پہریدار کا اشارہ سمجھتے ہوئے بغیر اجازت اندر داخل ہو جاتا اور جو مشکلات آتیں ان سے نرد آزما ہوتا وہ جھوٹے سہارے ڈھونڈتا ہے۔ جس طرح تمثیل میں دیہاتی پہرے دار کو اپنا زادراہ بطور رشوت پیش کر کے رام کرنا چاہتا ہے۔

ناول میں ہیرو کبھی وکیل، کبھی پینٹر الغرض مختلف ذرائع سے اثر ورسوخ سے فیصلہ اپنے حق میں کروانے کی کوشش کرتا ہے۔ پادری اسے کہتا ہے، "تم نے بیرونی مدد پر بہت انحصار کیا"

یہی حال حقیقی زندگی میں انسان کا ہے۔ بجائے اپنے اوپر اعتماد کر کے سچائی کے راستے کی مشکلات خود دور کرے وہ بیرونی عوامل پر انحصار کرتا ہے اور ہمیشہ شاکی رہتا ہے۔ پادری ہیرو کو کہتا ہے۔ "تم کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے"

پھر جب انسان بڑھاپے میں قدم رکھتا ہے۔ جب اس کی دنیاوی خواہشات کم ہوتی ہیں۔ جب زندگی کے تجربات اسے بیرونی دنیا سے لاتعلق کر کے اپنے اندر پر توجہ دینے کا موقع ملتا ہے تب اسے وہ سچائی کی روشنی نظر آنے لگتی ہے۔ جو دیہاتی کو مرنے سے پہلے قانون کے دروازے سے آتی نظر آتی ہے۔ اور وہ سوال جو اسے بہت پہلے پہریدار سے پوچھنا چاہیے تھا اب پوچھتا ہے۔

بڑھاپے سے پہلے انسان سوچتا ہی کب ہے۔ مصنف کے نزدیک انسانی زندگی محض ناکامی کے سوا کچھ نہیں۔

گرجا گھر کی علامت، ماحول کی ویرانی۔ دن ہوتے ہوئے اتنی تاریکی کہ روشنی کی کوئی کرن نہیں۔ ریبرد کو کوئی راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ اس کا پادری کو مدد کے لئے پکارنا سب کچھ واضح کر رہا ہے۔

آخر میں ریبرد کا سوائے موت کو ذہنی طور تسلیم کرنا اور مرنے کے لئے تیار ہو جانا یہ سب حقیقی زندگی میں انسان کی ناکام جد و جہد اور اس کے نتیجے کو تسلیم کر کے مرجانا ظاہر کر رہا ہے۔

○

''خدا کے نام خط'' میں شامل
مختلف افسانوں پر مختلف ادیبوں کی آرا

۱۔لاٹری ٹکٹ پر افسانہ نگار فاروق سرور کی رائے۔

Beautiful translation and wondreful choice. It is not an easy work, it needs the blood from your heart, it is our duty and it is most necessary for us that we should appreciate and encourage Aqila Mansoor Jadoon for this great and outstanding service. Apparently this job is very unfruitful, but it is more fruitful. This type of translations will comel our new genereation to love literature and study literature. These translations are enemy of illteracy as well, because it enlarge our vision.

۲۔افسانہ ''دو دوست'' پر افسانہ نگار انجم قدوائی کی رائے۔

لوگ کتنے ہی بے حس ہوتے ہیں معصوم دوستوں کو بے خطا مار کر مچھلی کا لطف لیتے ہیں۔اللہ......بہت دکھی ہوگئی ہیں۔

۳۔افسانہ ''بھکاری'' پر افسانہ نگار یاسمین اختر کی رائے۔

عورت خواہ کتنی ہی بدمزاج اور تند گو ہے، مگر مامتا جیسی جبلت نے اس کے اندر ایک مہربان، خدا ترس اور نرم خو شخصیت بھی رکھی ہے، جو اپنے بچوں ہی کی طرح دوسرے راہ راست سے بھٹکے شخص کی راہنمائی کرسکتی ہے۔ مامتا کے اس نرم و لطیف جذبے میں گندھی کہانی۔

۴۔افسانہ ''احمقانہ تجسس کی کہانی'' پر شاعر اور ادیب منیر فراز کی رائے۔

ہسپانوی ادب میں اس کہانی کو جدیدیت کا آغاز کہا جا رہا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ یہ ایک منفرد تحریر ہے، اور اس کا اسلوب یکسر مختلف ہے۔ آپ کے قلم اور حوصلے کو داد کہ اس قدر طویل کہانی کا یکسوئی سے ترجمہ کیا اور ترجمہ بھی ایسا کہ تمام تر ادبی رکھ رکھاؤ جھلک رہا ہے۔ مبارک باد۔

۵۔افسانہ ''راہبہ'' پر افسانہ نگار ڈاکٹر کوثر جمال کی رائے۔

بہت عمدہ انتخاب اور شاندار ترجمہ۔ مجھے یہ افسانہ ''راہبہ'' پیشکش، اسلوب اور بیانیہ کی تہ داری کی وجہ سے بہت پسند آیا۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھا گیا افسانہ آج کے قاری کو بھی اگر اپنے سحر میں گرفتار کرلے تو یہ اس افسانے کی کامیابی ہے۔ افسانہ ایک المیہ ہے جس کی ذمے داری بلاشبہ بیگم نواب کی وہ سوچ ہے جس نے بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دی۔ بیٹے کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے اسے راہبہ بنا کر اس کی زندگی محرومیوں کے جہنم میں تبدیل کی، لیکن بیٹے کے خاندان سے بھی یہ نوابی آگے نہ بڑھ سکی۔ یوں یہ افسانہ اشرافیہ کے خاتمے کی علامتی کہانی بھی سنا رہا ہے۔

۱۔"لاٹری ٹکٹ پر افسانہ نگار فاروق سرور کی رائے

Beautiful translation and wonderful choice. It is not an easy work, It needs the blood from your heart, it is our duty and it is most necessary for us that we should appreciate and encourage Aqila Mansoor Jadoon for this great and outstanding service. Apparently this job is very unfruitful, but it is more fruitful. This type of translations will compel out new generation to love literature and study literature. These translations are enemy of illietracy as well, because it enlarge our vision.

۲۔افسانہ"دو دوست" پر افسانہ نگار انجم قدوائی کی رائے:

لوگ کتنے بے حس ہوتے ہیں معصوم دوستوں کو بے خطا مار کر مچھلی کا لطف لیتے ہیں۔اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت دکھی ہوگئی میں۔

۳۔افسانہ"بھکاری" پر افسانہ نگار یاسمین اختر کی رائے:

عورت خواہ کتنی ہی بد مزاج اور تند گو ہے، مگر ماماتا جیسی جبلت نے اس کے اندر ایک مہربان، خدا ترس اور نرم خو شخصیت بھی رکھی ہے۔ جو اپنے بچوں ہی کی طرح دوسرے راہ راست سے بھٹکے شخص کی راہنمائی کر سکتی ہے۔ مامتا کے اس نرم و لطیف جذبہ میں گندھی کہانی۔

۴۔افسانہ"احمقانہ تجسس کی کہانی" پر شاعر اور ادیب منیر فراز کی رائے:

ہسپانوی ادب میں اس کہانی کو جدیدیت کا آغاز کہا جا رہا ہے۔ یقیناً ایسا ہی ہے۔ یہ ایک منفرد تحریر ہے، اور اس کا اسلوب یکسر مختلف ہے۔ آپ کے قلم اور حوصلہ کو داد کہ اس قدر طویل کہانی کا یکسوئی سے ترجمہ کیا اور ترجمہ بھی ایسا کہ تمام ترادبی رکھ رکھاؤ جھلک رہا ہے۔ مبارک باد

۵۔"راہبہ" پر افسانہ نگار ڈاکٹر کوثر جمال کی رائے:

بہت عمدہ انتخاب اور شاندار ترجمہ مجھے یہ افسانہ"راہبہ" پیشکش، اسلوب اور بیانیہ کی تہہ داری کی وجہ سے بہت پسند آیا۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے لکھا گیا افسانہ آج کے قاری کو بھی اگر اپنے سحر میں گرفتار کر لے تو یہ اس افسانے کی کامیابی ہے۔ افسانہ ایک المیہ ہے جس کی ذمہ داری بلاشبہ بیگم نواب کی وہ سوچ ہے جس نے بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دی۔ بیٹی کو وراثت سے محروم کرنے کے لیے اسے راہبہ بنا کر اس کی زندگی محرومیوں کے جہنم میں تبدیل کی۔ لیکن بیٹے کے خاندان سے بھی یہ نوابی آگے نہ بڑھ سکی۔ یوں یہ افسانہ اشرافیہ کے خاتمے کی علامتی کہانی بھی سنا رہا ہے۔